NOT TO BE ISSUED

مقدمه

طبع ثانی

الحمد لله وحده - چار مہینے ہوے ' یہ رسالہ خطبۂ صدارت کي صورت میں شائع ہوا تھا - اب مزید تہذیب و ترتیب اور اضافۂ فصول و مطالب کے ساتھہ باردوم شائع کیا جاتا ہے -

پچھلے ایڈیشن سے تقریباً ایک ثلث مطالب اس میں زیادہ ہیں - وہ تقریر کي شکل میں تھا - اس لیے ابواب و فصول منضبط نہ تھے - اب یہ کمي پوري کردي گئی ہے -

اس ایڈیشن کے حسب ذیل اضافات خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں :

(۱) آیۂ کریمہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں تحقیق معني " اولی الامر " جسکي طرف پہلے سرسري اشارہ کیا گیا تھا -

(۲) شرح حدیث حارث اشعري مندرجۂ مسند و ترمذي ' اور نظام و قوام جماعت -

(۳) اشتراط قرشیۃ کا مبحث اب بالکل مکمل و مختتم کردیا گیا ہے - حتی الوسع مسئلہ کا کوئی ضروري پہلو بحث و نظر سے باقی نہیں رہا - پہلے ایڈیشن میں حدیث امامۃ قریش کے بعض طرق وسلاسل غیر ضروري سمجھکر چھوڑ دیے تھے ' لیکن اب اُن پر بھی نظر ڈال لی ہے ' تاکہ بحث بالکل مکمل ہوجاے - دعوئے اجماع پر بھی بعض نئے مباحث ملینگے جو پہلے ایڈیشن میں نہ تھے - امید ہے کہ اصحاب نظر و بصیرۃ کے لیے یہ حصہ خاص طور پر موجب انشراح خاطر ' و رفع اضطراب ' و دفع شکوک و ارتیاب ہوگا -

(۴) مسئلۂ " حمل سلاح علی المسلم " کي طرف پہلے سرسری طور پر اشارہ کردیا تھا - اب ایک مستقل باب بڑھا دیا ہے ' اور اصولی طور پر مسئلہ کے تمام اطراف و جوانب صاف ہوگئے ہیں -

(۵) حکم دفاع کا حصہ بھی پہلے سے زیادہ مشرح و مکمل ہے -

مسئلۂ خلافت تاریخ اسلام کے اُن نہایت نازک اور مزلۂ اقدام مسائل میں سے ہے جو میدانِ تقاتل و تزاحم سے کہیں زیادہ صفحات کتب اور مجالس بحث و نظر میں معرکۃ الارا رہچکے ہیں ' اور بعض اندرونی فرق و طوائف کی نزاعات اور مختلف عہدوں کے پولیٹکل اثرات کی آمیزش و احاطہ نے مسئلہ کی صاف و سہل الفہم صورت کو طرح طرح کی مشکلوں اور پیچیدگیوں سے غبار آلود کردیا ہے - علی الخصوص نصوص سنت کی تشریح ' بے شمار اور بظاہر مختلف احادیث کی تطبیق و توفیق ' اُنکے فقہ و حکم کی معرفت و تحقیق ' اور ہر حکم کو اُسکے صحیح محل پر وارد و محمول کردینے کا معاملہ نہایت غور و فکر اور وسعت نظر و رسوخ علم کا محتاج ہے - فکر کی ذرا سی لغزش اور نظر کی تھوڑی سی کوتاہی بھی نہایت سخت غلطیوں کا موجب ہو جاسکتی ہے -

با ایں ہمہ مسئلہ کی تمام مشکلات جس طرح حل ہوگئی ہیں ' اور ضمناً جابجا متعدد اصولی مسائل و مباحث کی نزاعات قدیمہ کا جسطرح بکلی خاتمہ کردیا گیا ہے ' اُسکا اندازہ صرف وہی اصحاب علم و بصیرۃ کرسکتے ہیں جنکو بحث و نظر کی اِن وادیوں میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے ' اور جو ان مسائل کو اُنکے اصلی مصادر و موارد اور متداول کتب قوم میں دیکھہ چکے ہیں ' اور مشکلات کار کے اندازہ شناس ہیں - و قلیل ما ہم -

معہذا اختصار مانع تشریح و تفصیل رہا ' اور اکثر مقامات میں اسطرح اشارات کرنے پڑے ' گویا مخاطبین کی نظر و معلومات بطور مقدمہ کے فرض کرلی ہے - بدقسمتی سے یہ مقدمہ محل نظر ہے ' مگر بغیر اسکے چارہ بھی نہ تھا - افسوس کہ ان مباحث کی نسبت خود مدعیان علم پر بھی عام طور پر واعظانہ و خطیبانہ رنگ غالب ہے - نظر و تحقیق سے ذوق رکھنے والے ناپید ہیں - اور ہمارے حصہ میں ایک ایسا عہد آیا ہے کہ اگر اس سے بھی زیادہ خیرہ مذاقی و کم نظری کا ماتم پیش آ جاے تو گلہ مند نہ ہونا چاہیے :

کم اردنا ذاک الـــزمان بمـــدح
فشغلنـــا بـــذم ھـــذ الـــزمـــان !

البتہ اس رسالہ کے طبع اول کی اشاعت سے مسئلہ کے تسلیم و اعتراف کا جو اقبال عام طور پر ظہور میں آیا - علی الخصوص طبقۂ علماء کرام

میں - اس کے لیے توفیق الہي کا شکر گذار ھوں - بے شمار اصحاب نے جن میں ایک بڑي تعداد علماء کي ھے ' مولف کو مطلع کیا ھے کہ مسئلۂ خلافۃ کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات عارض تھے' مگر اس رسالہ کے مطالعہ کے بعد وہ پوري طرح مطمئن ھوگئے - واللہ یہدي من یشاء الی سواء السبیل -

یہ امر بھي قابل ذکر ھے کہ مولف نے گذشتہ فروری کے اجلاس خلافت کانفرنس بنگال میں جب اس رسالہ کے مطالب پر تقریر کي' تو بیان کیا تھا کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلي نہ ھوئي تو مسلمانوں کیلیے ضروري ھوجائیگا کہ اُس حکم شرعي پر عمل پیرا ھو جائیں جسکو مولف " ترک موالات " کے نام سے موسوم کرتا ھے - پھر اُس کي تشریح بھی کردي تھي ' اور بتلایا تھا کہ از روے نص قرآني مسلمانوں کا اولین عمل فریق محارب کے مقابلے میں یہي ھونا چاھیے -

اگرچہ اُس وقت بجز مہاتما گاندھي جی کے تمام ارباب کار نے اس مسئلہ سے سرد مہري برتي اور طرح طرح کے عذرات پیش ھوتے رھے ' تاھم حکم قرآنی کي الہامي و رباني صداقت بالاخر فتح یاب ھوئي ' اور رفتہ رفتہ تمام اصحاب کار کو طوعاً و کرھاً اس پر متفق ھو جانا پڑا :

اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

اب ملک کي سیاسي جماعتیں بھي اس اعتراف میں ھمارے ساتھہ شریک ھیں ' اور یقین کرتی ھیں کہ ملک کي نجات کیلیے اسکے سوا کوئي راہ نہیں - یہ یقیناً کار فرماے غیب ھي کي کارسازي ھے کہ اُسنے ملک کي ایک راست باز غیر مسلم ھستي یعنی مہاتما گاندھي جي کے صداقت اندیش دل کو بھي خود بخود اس حقیقت کے علم و فہم کیلیے کھول دیا ' اور انھوں نے بھی چارۂ کار دیکھا تو وھي تھا جو تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کو بتلادیا گیا ھے -

۲۰ - جنوري سنہ ۲۰ - کو جب دھلی میں خلافت ڈیپوٹیشن کي ایک صحبت مشورۃ منعقد ھوئی اور سب سے پہلي مرتبہ " نان کو اپریشن " کي تجویز بحث میں آئی ' تو اُسوقت صرف مسٹر گاندھي اور مولف رسالہ ھي کے دل و زبان پر تھي - باقي یا متردد تھے یا مخالف - لیکن

الحمد لله که آج ملک کے تمام مسلم و غیر مسلم ارباب عمل و صفا کا متفقه اعلان یہی ھے !

یہاں یه ظاهر کردینا بهی ضروری ھے که اس رساله میں مسلمانان هند کے فرائض و اعمال کی نسبت جو کچهه بصیغۂ استقبال لکھا گیا تھا ' وه اشاعت کے بعد حال کے حکم میں آگیا ھے - موجوده صورت حال یه نہیں ھے که مسلمانوں پر کیا کیا فرائض عائد هوجائینگے ؟ بلکه یه ھے که جو کچهه عائد هونا تھا هوچکا - اب سوال جستجوے احکام کا نہیں ھے - اداء فرض کا درپیش ھے - رساله کے آخری ابواب میں مختصراً اس طرف اشارات کیے گیے هیں - تفصیل دوسرے حصه میں ملیگی جو " ترک موالات " کے نام سے (مع مفصل طریق عمل و ترتیب کار) خلافت کمیٹی کی جانب سے شائع هونے والا ھے اور جسکو آجکل قلمبند کر رها هوں - فان اعش ' فسأ بینها لکم ' و إن امت ' فما انا بصحبتکم بحریص - والحمد لله اولاً و آخرا -

٩ - محرم سنه ١٣٣٩ احمد

(پنجاب میل - استیشن کانپور) کان اللـــه له

مقدمہ

(طبع اول)

مسئلۂ خلافت و بلاد مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے مطالبات کی تمام تر بنیاد احکام شرعیہ پر ہے - اسلیے سب سے مقدم کام یہ تھا کہ ایک مبسوط تحریر اس موضوع پر شائع کی جاتی' جسمیں تمام احکام شرعیہ کی پوری طرح شرح و تحقیق ہوتی' اور جسقدر شبہات اس بارے میں پیدا ہو سکتے ہیں' اُن سب کا کماحقہ ازالہ کردیا جاتا -

یہ رسالہ اسی غرض سے شائع کیا جاتا ہے -

۲۸ - ۲۹ - فروری سنہ ۲۰ کو بنگال خلافت کانفرنس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس اجلاس کیلیے مولانا ابوالکلام نے یہ رسالہ بطور خطبۂ صدارت کے صفحۂ ۹۱ - تک لکھا تھا - بعد کو بقیہ مباحث بھی انہوں نے بڑھا دیے تا کہ اس موضوع پر ایک مکمل تحریر مرتب ہوجاے - جلسہ میں مولانا نے اپنی عادت کے مطابق محض زبانی تقریر کی تھی' اور اسی کے ضمن میں احکام و دلائل کا خلاصہ بھی آگیا تھا - چنانچہ تمہید اور خاتمہ کا حصہ وہی ہے جو اس زبانی تقریر سے قلمبند کیا گیا تھا - البتہ تحریر سے بعض ایسے حصے نکالدیے گئے' جو مسئلہ کے سیاسی و ملکی پہلو سے تعلق رکھتے تھے - مثلاً ہندو مسلمانوں کا اتحاد' اور دنیا کا مستقبل عالمگیر امن - تا کہ یہ رسالہ صرف احکام شرعیہ کی بحث و تحقیق کیلیے خاص ہوجاے' اور اُن مباحث کو علحدہ رسالوں کی شکل میں شائع کیا جاے -

اس رسالہ کی اشاعت سے تبلیغ و اشاعت کا پہلا کام انجام پا گیا - یعنے مسئلہ پر شرح و بسط کے ساتھہ ایک مکمل بحث ہوگئی جسکا خطاب زیادہ تر حضرات علماء سے ہے -

نیز ایک ایسا جامع رسالہ طیار ہوگیا' جسمیں مسئلہ کا تمام ضروری مواد موجود ہے - اب جو ارباب قلم اور کارکنان مجالس خلافت تبلیغ و اشاعت کیلیے مضامین شائع کرنا چاہیں' وہ اس مواد کو پیش نظر رکھکر مختلف پیرایوں اور شکلوں میں متعدد رسالے مرتب کرلے سکتے ہیں -

محمد اکرم خان
آنریری سکریٹری خلافتِ کمیٹی بنگال -

کلکتہ
مئی سنہ ۱۹۲۰ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ - و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا - من یہدی اللہ فلا مضل لہ ' و من یضللہ فلا ھادی لہ - و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ - و نشہد ان سیدنا محمد عبدہ و رسولہ - صلی اللہ علیہ و علی الہ و اصحابہ وسلم -
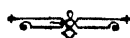
برادران و بزرگان ملک و ملت !

آپکے صوبے کی یہ پہلی خلافت کانفرنس ھے جسکی صدارت کی عزت مجھے دی گئی ھے - آپکی کمیٹی کے معزز ارکان میں سے ھر رکن یقیناً اس بات سے واقف ھوگا کہ اس قسم کی رئیسانہ اور رسمی حیثیت کا اختیار کرنا میری زندگی میں سب سے پہلا واقعہ ھے ' اور اُس طریق عمل سے مجھے روگردان و منحرف ثابت کرتا ھے جس پر نہایت اصرار کے ساتھہ قائم رھنے کی ھمیشہ کوشش کرتا رھا ھوں - سنہ ۱۹۱۱ع میں جبکہ میری موجودہ پبلک زندگی کا بالکل ابتدائی عہد تھا ' مجھے موقعہ ملا کہ اپنی آئندہ زندگی کیلیے ایک " مذھب عمل " قرار دے لوں - خدمت ملک و ملت کے دشت ناپیدا کنار کی طرف قدم اُتھاتے ھوے اصول عمل کی مختلف راھیں میرے سامنے تھیں ' اور میں چاھتا تھا کہ میرا سفر اُس دانشمند مسافر کی طرح ھو جس نے سفر سے پہلے راہ و منزل کے سارے مرحلوں پر غور کرلیا ھے - اُس طوفانی کشتی کی طرح نہو جس نے ھوا کے جھونکوں اور سمندر کی موجوں پر اپنے سفر کا رخ اور کنارے کی جستجو چھوڑ دی ھے - اُسوقت اپنے مذھب عمل کی نسبت جن اصولی مسائل کا میں نے قطعی فیصلہ کرلیا تھا ' اُن میں ایک خاص مسئلہ یہ بھی تھا کہ اپنی زندگی کے ھر حصہ میں ھمیشہ مجلسوں کی صدارت ' انجمنوں کے عہدوں ' اور اسی طرح کے تمام رئیسانہ اور رسمی منصبوں سے یکقلم کنارہ کش رھونگا -

یہ فیصلہ در اصل میرے ایک بنیادی اور دینی اعتقاد کا قدرتی نتیجہ تھا - میں نے اپنے لیے جو راہ عمل منتخب کی تھی ' وہ دعوۃ و تبلیغ کی

راہ تھی - موجودہ زمانے کي مصطلحہ لیڈر شپ کي راہ نہ تھی - میرے سامنے اتباع و اقتداء کیلیے نوع انساني کے اُن مخصوص افراد کا نمونہ تھا جو دنیا میں خدا کے رسولوں اور پیغمبروں کے نام سے پکارے گئے ھیں، اور جنکے طریق عمل کو اسلام کي اصطلاح میں " حکمت " اور " سنۃ " کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ھے - میں اپنی راہ طلبي کا ھاتھہ ابراھیم و محمد (علیھما الصلوۃ و السلام) کے رھنما ھاتھوں میں دیدینے کیلیے مضطر تھا - گریبالڈی، میزیني، یا گلیڈ اسٹن اور پارنل بننے کا عشق میرے اندر نہ تھا - پس یہ تو ضروري تھا کہ میرا وجود کسي گوشۂ فقر و نامرادي میں خدمت و محنت کا ایک غیر دلچسپ منظر ھوتا، یا انسانوں کے کسي ھجوم میں ایک پکارنے والے کی بے پروا پکار - لیکن یہ بالکل ناممکن تھا کہ بیسویں صدی کے فراموش کردہ عہد نبوۃ و مذاھب کا ایک دلدادہ، انجمنوں کا عہدہ دار اور مجلسوں کا باقاعدہ پریسیڈنٹ ھو - خدا کے رسولوں کا طریق خدمت و دعوۃ، اور بیسویں صدي کے لیڈروں کا طریق ریاست و حکومت، ایک زندگی میں جمع نہیں ھوسکتے !

حضرات ! مذھب عمل کے اس بنیادي اعتقاد نے میرے لیے قدم قدم پر مشکلات پیدا کردیں - باوجود کارکن رفیقوں کي موجودگي کے مجھے همیشه اپني راہ میں صحرا کے درخت کی طرح بے مونس و رفیق اور صرف اپنے سایہ ھي پر قانع رھنا پڑا - یہ مدنیۃ زار عالم جو اپنے ھر گوشہ میں معیتوں اور رفاقتوں کے راحت افزا جلوؤں سے معمور ھے، میرے لیے همیشه سمندر رھي یا ایک صحراے ریگ زار، لیکن کبھی ایک آبادی اور بستی کا اُس نے کام نہیں دیا، اور نہ کبھي میں اپنے تئیں اس قابل بنا سکا کہ اُسکی رفاقتوں کا ساتھہ دے سکوں - تاھم آپ حضرات کیلیے یہ عرض کرنا ضروری نہیں ھے کہ جہاں تک ایک ناچیز انساني هستي ارادہ کے ساتھہ عمل کو جمع کرسکتی ھے، میں اپنے اصولوں پر قائم رھنے کیلیے همشیہ سخت رھا ھوں، اور موجودہ زمانے کی لیڈر شپ کی دلفریب سے دلفریب نمائشیں اور ابناء عصر کي رفاقت و معیت کي صبر آزما دلچسپیاں بھي کبھی اس بارے میں میرے لیے موثر نہیں ھوئي ھیں -

اسي بنا پر جب آپکے لائق اور سرگرم سکریٹری کا تار مجھے بنارس میں ملا اور انھوں نے لکھا کہ کانفرنس کي صدارت تم کو منظور کرلینی چاھیے تو میں نے اداء تشکر و امتنان کے بعد اپنے آپکو اس سے معذور ظاھر کیا -

لیکن جب میں کلکتہ پہنچا اور اس بارے میں زبانی گفتگو ہوئی تو کچھہ عرصہ کی رد و کد کے بعد میں نے منظور کرلیا - میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ یقیناً اپنے دستور العمل سے ایک کھلا انحراف ہے ' لیکن آپ یقین کیجیے کہ اس انحراف کیلیے جس چیز نے مجھے مجبور کیا ' اسکی حفاظت بھی میرے لیے تمام اصولوں اور قاعدوں سے زیادہ ضروری تھی - اصول مقاصد کیلیے ہیں - مقاصد اصول کیلیے نہیں ہیں - پس دنیا کے اس سچے اور قدرتی قانون کی بنا پر کہ ہر بڑی چیز کیلیے چھوٹی چیز کو اور ہمیشہ مقاصد کیلیے وسائل کو قربان کردینا چاہیے ' میں طیار ہوگیا کہ مقصد کی راہ میں مقصد کے ایک وسیلے یعنی اپنے طریق عمل کو خیر باد کہدوں ' اور اس مجلس کی صدارت منظور کرنے سے انکار نہ کروں -

حضرات ! میں چاہتا ہوں کہ نہایت صفائی کے ساتھہ بے پردہ وہ اصلی سبب بھی عرض کردوں جس نے مجھے یکایک اپنے طریق عمل کے برخلاف اس بات کیلیے آمادہ کردیا - آپ کو معلوم ہے کہ مجھے نظر بندی کے گوشۂ قید و عزلت سے نکلے ہوے بمشکل ابھی پورے دو مہینے ہوے ہونگے - لیکن اس تھوڑے عرصے کے اندر ہی میں نے پوری طرح اندازہ کرلیا ہے کہ موجودہ اسلامی و ملکی مسائل کی نسبت کام کرنے والوں کے طریق عمل کا کیا حال ہے ؟ مجھے صاف صاف عرض کردینا پڑتا ہے کہ ملک کے کار فرما طبقہ کی نسبت اب سے سات سال پہلے جو رائیں میں نے قائم کی تھیں ' اور جنکی وجہ سے بسا اوقات نہایت قیمتی اور محبوب رفاقتوں سے بھی دست بردار ہو جانا پڑتا تھا ' بدقسمتی سے ابتک اُن میں تبدیلی کا وقت نہیں آیا ہے -

متضاد مناظر کا کچھہ عجیب عالم ہے جسکو اپنے چاروں طرف پاتا ہوں - ایک طرف ملک کی عام پبلک ہے ' اور سورج کی روشنی کی طرح بالکل یقینی صورت میں دیکھہ رہا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر حالت میں وہ کسی صحیح راہ عمل پر چل کھڑے ہونے کیلیے منتظر و مستعد ہے - دوسری طرف کام کرنے والوں کی جماعت ہے ' اور جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں ' اسپر ابتک وہی تذبذب و اضطراب اور تزلزل و انتشار کا عالم طاری نظر آتا ہے جو تمام پچھلے دوروں میں طاری رہ چکا ہے - ابتک مقاصد سے اعراض ' اور وسائل میں انہماک - ابتک حقیقی مصلحت

بیٹي، اور حیلہ جوئي و بہانہ سازي میں امتیاز کي راہ مسدود ہے، اور عزم و یقین کي جگہ ظن و شک اور خوف و ہراس کی حکومت قائم ہے - زبانوں کي لکنت گو دور ہوچکي، اور شاید چہروں کا ہراس بھي جاتا رہا لیکن دلوں کي دہشت بدستور باقي ہے، اور ایمان کي کمزوري نے ابتک روحوں کا ساتھہ نہیں چھوڑا ہے - زبانیں جسقدر تیز ہیں، قدم میں آتني تیزي نہیں ہے - اور اعلان جسقدر بلند آہنگي اور رعد آسائي رکھتا ہے، عمل میں اسقدر بلند پیمائي نظر نہیں آتی - نیند گو ٹوٹ چکي، اور شاید خفتگان بستر غفلت کروٹیں بھي بدل چکے، لیکن آنکھوں میں خمار بدستور باقي ہے، اور دھواں بڑھتا جاتا ہے لیکن شعلوں کي چمک کہیں نظر نہیں آتي - اگرچہ خدا کے مقدس نام کي تقدیس سے اب کوئي زبان نا آشنا نہیں رہي، لیکن دلوں میں خدا کے ساتھہ انسانوں کا ڈر اور ایمان کے ساتھہ نفس کا عشق بھي باقي ہے : ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا (۴ : ۱۴۹) اور چاہتے ہیں کہ ان دونوں راہوں کے بین بین کوئی تیسري راہ اختیار کریں - حالانکہ تیسري راہ اس آسمان کے نیچے کوئي نہیں - راہیں صرف دو ھي ہیں - فمن شاء فلیؤمن، و من شاء فلیکفر - حضرت مسیح نے کہا ہے : " ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کرسکتا " قرآن کا بھی فیصلہ یہی ہے :
ما جعل اللہ لرجل من قلبین في جوفہ (۳۳ : ۴) یعنی :

سینے میں کسي شخص کے دو دل نہیں ہوتے !

حضرات ! مجھے ملامت کرنے میں جلدي نہ کیجیے اگر میں حقیقت کو اس سے بھی زیادہ بے نقاب دیکھنا چاہوں - افسوس کہ وقت کی جلدي اور قانون قدرت کی بے صبري نے ہماري غفلتوں کا ساتھہ نہیں دیا - وہ اپنی ازلی بے پروائی کے ساتھہ نتائج و عواقب کی آخری منزل تک بڑھتا چلا آیا ہے - اب موت و حیات، بقاؤ فنا، ایمان و کفر، اور خدا اور ماسوی اللہ کی منزل ہمارے سامنے ہے، اور اسلیے میں قابل ملامت نہیں ہوں اگر حسن بیان اور بلاغت اظہار کے پرپیچ آداب و قواعد کو موت و حیات کی کشمکش میں سنبھال نہیں سکتا - یہ حالات دیکھکر میں نے ارادہ کرلیا کہ اگر مجھکو ایک مجلس کے صدر کی حیثیت سے اظہار مطالب کا موقعہ ملتا ہے تو میں اس سے انکار نہ کروں، اور اگر صدارت کے حقوق و اختیارات کو اصل مقصد کیلیے استعمال کرسکتا ہوں تو اسکو ایک مفید فرصت تصور

کروں - شاید اس طرح اس صحیح راہ عمل کی طرف کوئی قدم اُٹھ سکے جسکو بارہ سال سے اپنے سامنے رکھتا ہوں لیکن رفیقان طریق نے ہمیشہ اس سے اعراض کیا ہے ' اور آج بھی جبکہ اُس اعراض کے نتائج سامنے ہیں ' تذبذب و اضطراب عمل ' عزم و ایمان کے استحکام پر غالب نظر آ رہا ہے -

حضرات ! صرف یہی ایک خیال تھا جس نے مجھے اس بات پر آمادہ کردیا کہ آپنے اپنی محبت اور مہربانی سے جو عزت مجھے دینی چاہی ہے ' اُس سے گریز نہ کروں - میں آپکا شکرگزار ہوں ' اور آپکی دلی رفاقت و اعانت کا طلبگار - ہم سب کو اللہ کے فضل و توفیق پر اعتماد ہے جسکے بغیر کائنات ہستی کا کوئی ارادہ اور کوئی عمل کامیابی اور فلاح نہیں پاسکتا -

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے !

و ما توفیقی الا باللہ - علیہ توکلت و الیہ انیب -
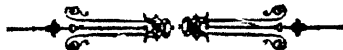
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفی - و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

— :*: —

فصل

(خـــلافـــة)

" خلافة " عربي کي ایک مصدر هے - اُسکا مادہ هے " خلف " - اور اسي سے هے " خلیفه " - خلیفه کے لغوي معني نیابت اور قائم مقامي کے هیں " من قولک خلف فلان فلانا في هذا الامر اذا قام مقامه فیه بعده " [ابن فارس] یعني اگر ایک شخص کسي دوسرے شخص کے بعد اُسکا نائب و قائم مقام هوا تو یه خلافت هوئي ' اور لغة میں اسکو خلیفه یعنے بعد کو آنے والا اور قائم مقام کهینگے - خواه یه نیابت سابق کي موت و عزل کي وجه سے هوئي هو ' یا غیبت کي وجه سے ' یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کي وجه سے - مفردات امام راغب میں هے " الخلافة ' النیابة عن الغیر ' إما بالغیبة المنوب عنه ' و إما لموته ' و إما لعجزه ' و إما لتشریف المستخلف " (صفحه ۱۵۵)

یه لفظ بهي قرآن حکیم کے اختیارات لغویه میں سے هے - یعني عربي زبان کے اُن لفظوں میں سے هے جنکو لغة میں عام معاني کیلیے استعمال کیا جاتا تها مگر قرآن حکیم نے اپنے خاص مصطلحۂ شرع معني کیلیے اختیار کرلیا - جیسے ایمان ' غیب ' تقدیر ' بعث ' صلواة وغیره ذلک - ایمان کے لغوي معني یقین و طمانیة اور زوال خوف و شک کے تهے ' لیکن قرآن حکیم نے اسکو ایک خاص طرح کے یقین و اقرار اور عمل کیلیے استعمال کیا ' اور اب ایمان قرآن کي بولي میں عام لغوي معني کے خلاف ایک خاص اصطلاح قرار

پاکیزگی ھے - قرآن کی زبان میں خلافۃ اور " استخلاف فی الارض " اور " وراثت و تمکن فی الارض " سے مقصود زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت و سلطنت ھے - قرآن حکیم اسکو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ھے جو اچھے یقین اور اچھے کاموں کے بدلے اقوام عالم کو دنیا میں ملسکتی ھے - قرآن کے نزدیک اس خلافت ارضی کا مقصد یہ ھوتا ھے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ھدایت و سعادت کیلیے ایک خاص ذمہ دار قوم و حکومت قائم ھو - وہ اللہ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کرے ' ظلم و جور اور ضلالت و طغیان سے اُس کی زمین پاک ھو جاے ' ایک عام امن و سکون اور راحت و طمانیۃ دنیا میں پھیل جاے ' اور اللہ کا وہ ھمہ گیر قانون عدل جو تمام کائنات ھستی میں سورج سے لیکر زمین کے ذرات تک نافذ و قائم ھے ' اور جسکو قرآن اپنی زبان میں صراط مستقیم کے لفظ سے تعبیر کرتا ھے ' زمین کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں جاری و ساری ھوکر کرۂ ارضی کو سعادت و امنیت کی ایک بہشت زار بنادے '

لغۃ کے اعتبار سے یہ اطلاق اسلیے ھوا کہ سب سے پہلے جو قوم اور قوم کا جو فرد خلیفہ ھوا ' وہ زمین پر اللہ کی عدالت قائم رکھنے میں ' اللہ کی نیابت اور قائم مقامی رکھتا تھا ' اور اسکے بعد والی قوم اپنے سابق کی نائب تھی ' اور ھر خلیفہ ' سابق کا قائم مقام - ظہور اسلام کے بعد جب ارضی خلافۃ کے وارث مسلمان ھوے ' تو اس سلسلہ کا پہلا خلیفۃ اللہ صاحب و شارع اسلام تھا - یعنی محمد الرسول اللہ صلعم - اور پھر انکے بعد جن لوگوں کے ھاتھہ اسلام کی مرکزی حکومت آئی ' وہ اس خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام ھوے اسلیے اُن پر خلیفہ کا اطلاق ھوا اور ابتک ھو رھا ھے -

یہ زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے مختلف قوموں کے سپرد ھوتی رھی اور وہ دنیا میں اللہ کی طرف سے دین حق کے خدمت گزار رھے - آیات ذیل میں اسی خلافت کا ذکر ھے :

وھو الذی جعلکم خلائف الارض (٦ : ١٦٥)	وھی پروردگار عالم ھے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی -
ویستخلف ربی قوما غیر کم - (١١ : ٥٧)	اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو دیدیگا -

ثم جعلناکم خلائف في الارض من بعدهم لننظر کيف تعملون ؟ (۱۰ : ۱۴)	پھر اُن قوموں کے بعد ھم نے تم کو انکي جگه دي تاکه دیکھیں تمھارے کام کیسے ھوتے ھیں ؟
و اذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح - (۷ : ۶۸)	اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح کے بعد انکا جانشیں بنایا -
یا داؤد انا جعلناک خلیفة في الارض (۳۸ : ۲۶)	اے داؤد ! ھم نے زمین میں تم کو خلیفه بنایا -

اسي چیز کو زمین کي وراثت سے بھي تعبیر کیا گیا :

ولقد کتبنا في الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادي الصالحون (۲۱ : ۱۰۵)	اور زبور میں بھي ھمارا اعلان یھي تھا که یقیناً زمین کي حکومت ھمارے صالح بندوں ھي کي وراثت میں آئیگي -

یھي چیز زمیں کي " تمکین " یعنی طاقت و عظمت کا جماؤ اور قیام بھي ھے جو سر زمین فراعنه میں کنعان کے ایک اسرائیلي نوجوان نے حاصل کي تھي ' جبکه وہ غلامی کي حالت میں وھاں فروخت کیا گیا ' اور پھر اپنے عمل حق و صالح کي قوت سے ایک دن مصر کے تاج و تخت کا مالک ھوگیا :

کذالک مکنا لیوسف - (۱۲ : ۵۶)	اس طرح ھم نے یوسف کي عظمت مصر میں قائم کردي -

اور اسي کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا :

الذین ان مکنا ھم في الارض اقاموا الصلوة و آتوا الزکوة و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر ' ولله عاقبة الامور - (۲۲ : ۴۳)	وہ لوگ که اگر ھم انکي طاقت زمین میں جمادیں تو انکا کام یه ھوگا که نماز کو قائم کرینگے ' زکواة ادا کرینگے ' نیکي کا حکم دینگے ' اور برائي سے دنیا کو روکینگے

اس آیة کریمة سے صاف طور پر یه حقیقت بھي واضح ھوگئي که تمکین في الارض یعنی حکومت کا مقصد اصلي قرآن حکیم کے نزدیک کیا ھے ؟ معلوم ھوگیا که صرف یه ھے که الله کي عبادت دنیا میں قائم کي جاۓ ' نیکي اور راستي کا اعلان و ظھور ھو ' برائي سے نوع انساني کے دلوں اور ھاتھوں کو روک دیا جاۓ !

دوسري آیة میں اسکو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا :

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ' و لیبدلنھم من بعد خوفھم امنا - یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولائک ھم الفاسقون (۲۴ : ۵۵)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل انجام دیے ' اللہ کا انسے وعدہ ہے کہ انہیں زمین کی خلافت دیگا - ٹھیک اسی طرح جس طرح پچھلی قوموں کو دی جا چکی ہے - اور ایسا کریگا کہ انکے لیے ان کا دین حق قائم ہو جائیگا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی و کامرانی سے بدل دی جائینگی -

یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جب ہجرۃ کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی زندگی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی اور قلت تعداد و بے سروسامانی حال کے ساتھہ دشمنوں کے پے درپے حملوں کا یہ حال تھا کہ کسی وقت بھی ہتیار اپنے جسم سے دور نہیں کرسکتے تھے - اسوقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار یہ جملہ نکل گیا " ما یأتی علینا یوم نأمن فیہ و نضع عنا السلاح " ایک دن بھی ہم پر ایسا نہیں آیا کہ امن و بے خوفی کے ساتھہ صبح و شام بسر کرتے اور ہتیار اپنے جسم سے الگ کرسکتے - ابو العالیہ راوی ہیں کہ اسپر مندرجۂ صدر آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ مضطرب نہوں ' ایمان و عمل صالح کا پھل عنقریب ملنے والا ہے جبکہ خوف کی جگہ امن ہوگا ' مظلومی و بیچارگی کی جگہ فرمانروائی و کامرانی ہوگی ' اور سب سے بڑھکر یہ کہ زمین کی خلافت انہی کے قبضۂ اقتدار میں آجائیگی - (تفسیر طبری جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۲)

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قرآن حکیم کے نزدیک جو چیز " خلافت " ہے ' وہ خلافت فی الارض ہے - یعنی زمین کی حکومت و تسلط - پس اسلام کا خلیفہ ہو نہیں سکتا جب تک بموجب اس آیت کے زمین پر کامل حکومت و اختیار اسے حاصل نہو - وہ مسیحیت کے پوپ کی طرح محض ایک آسمانی و دینی اقتدار نہیں ہے جسکے لیے دلوں کا اعتقاد اور پیشانیوں کا سجدہ کافی ہو - وہ کامل معنوں میں سلطنت و فرمانروائی ہے - اسلام کے قانون میں دینی و روحانی اقتدار خداؤ رسول کے سوا کوئی انسانی وجود نہیں رکھتا - ایسے اقتدار کو قرآن نے شرک قرار دیا

ہے اور اسکا مٹانا اُس کے ظہور کا پہلا قدم تھا : اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللــــہ (۹ : ۳۲) اور ماکان لبشر ان یوتـــیہ اللہ الکتاب و الحکم و النبوۃ ، ثم یقول للناس کونوا عباداً لي من دون اللہ ، و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون - (۳ : ۷۹)

اللہ کے تمام وعدوں کي طرح یہ وعدہ بھي پورا ہوا - آٹھہ نو سال بعد جب داعي اسلام دنیا سے تشریف لیگئے تو تمام جزیرۃ عرب مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں آچکا تھا اور رومیوں کے مقابلہ کیلیے اسلامي فوجیں مدینہ سے نکل رھي تھیں - اس سلسلۂ خلافت اسلامیہ کا پہلا خلیفۃ اللہ خود حضرۃ داعي اسلام (صلی اللہ علیہ و سلم) کا وجود مقدس تھا ، اور آپنے اپنے بعد کے جانشینوں کو خود لفظ خـلفاء سے تعبیر فرماکر واضح کردیا تھا کہ وہ آپکے نائب اور قائم مقام ھونگے - " علیکم بسنتي و سنۃ الخلفاء الراشدین " (ابن ماجہ عن العرباض بن ساریہ) و امثالہا - آپکے بعـد حضرت ابوبکر رضي اللہ عنہ جب جانشین ھوے تو وہ خلیفۂ رسول اللہ تھے -

فصل

(خلافت خاصہ و خلافت ملوکي)

آنحضرۃ کے بعد خلافت اپنے خصائص و نتائـج کے اعتبار سے دو بڑے سلسلوں میں منقسم ھوگئي - خود آنحضــرت نے نہ صرف ان کي پیشتر سے خبر ھي دیدي تھي ، بلکہ تمام علائم و خصائص صاف صاف بیان کردیے تھے - اس بارے میں جو احادیث موجود ھیں ، وہ کثرت طرق ، شہرت متن ، قبول طبقات ، کي بنا پر حد تواتر تک پہنچ چکي ھیں - پہلا سلسلۂ خلافت خلفاء راشدین مہدیئین کا تھا جنکي خلافت منہاج نبوۃ پر تھي - یعني وہ صحیح و کامل معنوں میں منصب نبوت کے جا نشین اور جامعیۃ شخص رسالۃ کے قائم مقام تھے - انکا طریق کار ٹھیک ٹھیک طریق نبوت کے مطابق تھا ، اور اسلیے گویا عہد نبوت کا ایک آخري جزء تھا - اور جس طرح وجود نبوۃ میں مختلف حیثیتوں کا اجتماع تھا ، اسي طرح آنکي شخصیت بھي جامع و حاوي تھي - دیني دعوۃ اور شرعي اجتہاد و امر ، حکومت و فرمانروائي اور قوام و نظام شرع ، نظام شریعت اور نظام

سیاست، یہ تمام قوتیں آنکی ذات واحد میں جمع تہیں - آنکی حکومت سچے اور حقیقی اسلامی نظام پر تھی - یعنی حکومت شوری، جسکو آجکل کی زبان میں ایک ناقص تشبیہ کے ساتھہ ری پبلک کہہ سکتے ھیں - یہ سلسلہ حضرۃ علی علیہ السلام پر ختم ہوگیا -

دوسرا سلسلۂ خلافت منہاج نبوت سے الگ مجرد حکومت و پادشاہت کا تھا، جبکہ عجمی بدعتیں خالص اسلامی و عربی تمدن سے ملکر ایک نیا دور شروع کررھی تہیں - یہ سلسلۂ خلافت اگرچہ بعد کی خلافتوں کے مقابلے میں پہلے سلسلے سے اقرب تھا، لیکن خلافت راشدہ کے حقیقی خصائص ناپید ہوگئے تھے - خلفاء بنو امیہ سے لیکر آجتک جو سلسلۂ خلافت اسلامیہ جاری ھے، وہ اسی دوسری قسم میں داخل ھے - احادیث میں پہلے سلسلہ کو بوجہ غلبۂ طریق ھدایت و نبوۃ خلافت کے لفظ سے اور دوسرے کو بوجہ غلبۂ سیاست و شخصیت پادشاہت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ھے " الخلافۃ بعدی ثلاثون عاما ثم ملک بعد ذلک " [اخرجہ اصحاب السنن] اور حدیث ابو ھریرہ " الخلافۃ با لمدنیہ و الملک با لشام " ایک دوسری حدیث میں بالترتیب تین دور بتلاے گئے ھیں " نبوۃ و رحمۃ، ثم خلافۃ و رحمۃ " و فی لفظ " خلافۃ علی منہاج النبوۃ ثم یکون ملک عضوض (رواہ البزار و قال السیوطی حسن) امیر معاویہ نے اسیکی نسبت کہا تھا - ہم نے عہد ملوکی پر قناعت کرلی -

آخری حدیث کے مطابق تین دور ہوے - عہد نبوت و رحمت، خلافت و رحمت، پادشاہی و فرمانروائی - پہلا دور آنحضرۃ صلعم کی وفات پر ختم ہوگیا - دوسرا دور فی الحقیقت عہد نبوت کا ایک تتمہ اور لازمی جزء تھا (جیسا کہ سلسلۂ دعوۃ اور تکمیل کار و بار شرائع میں ہمیشہ سنۃ اللہ رھی ھے) جو حضرۃ امیر علیہ السلام پر ختم ہوگیا - اسکے بعد سے مجرد عہد پادشاہی و استبدادی شروع ہوا جو آجتک جاری ھے - اس دور کی بھی بہت سی مختلف شاخیں علحدہ علحدہ احادیث میں بتلائی گئی تہیں، اور وہ سب ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئیں - نبوت و رحمت کی برکات کی محرومی و فقدان کا ایک تدریجی تنزل تھا، اور بدعات و فتن کے ظہور و احاطہ کی ایک تدریجی ترقی تھی، کالحصیر عوداً عوداً، جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئی، اور جسقدر عہد نبوت سے دوری بڑھتی گئی، آتنی ھی عہد نبوت اور خلافت

رحمت کي سعادتوں سے امت محروم ہوتی گئي - یه محرومي صرف امامت و خلافت کبری کے معامله هي میں نہیں ہوئي ' بلکه قوام و نظام امت کے مبادیات و اساسات سے لیکر حیات شخصي و انفرادي کي اعتقادي و عملي جزئیات تک ' ساري باتوں کا یہي حال ہوا - فتنۂ و فساد کے اس سیلاب کو صرف ایک دیوار روکے ہوے تھی جو بقول حضرۃ حذیفه (اعلم الصحابۃ بالفتن) حضرۃ عمر (رض) کا وجود تھا - جونہي یه بنیان مرصوص هٹي ' وہ سیلاب عظیم اُمنڈا ' اور پھر کوئي سد و بند اُسکي راہ نه روک سکا - اسي سیلاب کو حضرۃ حذیفه کي روایت میں " التي تموج کموج البحر " (رواہ البخاري) سے تعبیر کیا گیا تھا - یعنی سمندر کي موجوں کي طرح اسکي موجیں اُتھینگي - سو واقعي اُتھیں ' اور دور خلافت و رحمت اور " خلافۃ علی منہاج النبوۃ " کي عظیم الشان عمارت اسکے طلاطم و طغیان میں آناً فاناً بہه گئي -

احادیث میں نہایت کثرت کے ساتھه اسلام کے ایک آخري دور کی بھی خبر دي گئي هے جو اپنے برکات کے اعتبار سے دور اول کے خصائص تازہ کردیگا ' اور جسکا حال یه هوگا که " لا یدری اولہا خیر ام آخرہا " نہیں کہا جاسکتا که اُمت کي ابتدا زیادہ کامیاب تھي یا اُسکا اختتام ؟ یہي وہ آخري زمانه هوگا جب الله کا اعلان اپنے کامل معنوں میں پورا هوکر رهیگا که :

لیظهرہ علی الدین کله ولو کرہ المشرکون - (۶۱ : ۹)	دین اسلام اور اُسکا رسول اسلیے آیا تاکه تمام دینوں اور قوموں پر بالاخر غالب هوکر رهے (کیونکه آخری غلبه و بقاء صرف اصلح کیلیے هے اور تمام دینوں میں اصلح صرف اسلام هي هے)

یہی وجه هے که مایوسیوں اور نامرادیوں کي اس عالمگیر تاریکي میں بھي جو آج چاروں طرف پھیلي ہوئي هے ' ایک مومن قلب کیلیے فتح و اقبال کي روشنیاں برابر چمک رهي هیں - بلکه جسقدر تاریکی بڑھتي جاتي هے ' اُتنا هی زیادہ طلوع صبح کا وقت قریب آتا جاتا هے : ان موعدهم الصبح ' الیس الصبح بقریب !

تفاوت ست میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب مي شنوم !

فصل

(عہد اجتماع و ائتلاف ، و دور اشتات و انتشار)

آپ آزردہ خاطر نہوں اگر موضوع کی وسعت چند لمحوں کیلیے مجھے اپنے اطراف و جوانب کی طرف بے اختیار مائل کرلے - اس مقام کی مزید وضاحت کیلیے بہتر ہوگا کہ دو خاص اصطلاحی لفظوں کے معانی پر آپ پہلے غور کرلیں - ایک " اجتماع " اور " ائتلاف " ہے - دوسرا " اشتات " اور " انتشار " - نہ صرف امۃ اسلامیہ بلکہ تمام اقوام عالم کی موت و حیات ترقی و تنزل، اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب قران حکیم نے بیان کیے ہیں ، اُنکی سب سے زیادہ اہم حقیقت انہی الفاظ کے اندر پوشیدہ ہے - " اجتماع " کے معنی ہیں " ضم الشئ بتقریب بعضہ من بعض " (مفردات امام راغب : ۹۵) یعنی مختلف چیزوں کا باہم اکٹھا ہو جانا - اور ائتلاف " الف " سے ہے - اسکے معنی ہیں " ما جمع من اجزاء مختلفۃ ، و رتب ترتیباً ، قدم فیہ ما حقہ أن یقدم ، و اخر فیہ ما حقہ أن یؤخر " (مفردات : ۱۹) یعنی مختلف چیزوں کا اس تناسب اور ترتیب کے ساتھہ اکٹھا ہوجانا کہ جس چیزکو جس جگہ ہونا چاہیے وہی جگہ اُسے ملے جو پہلے ہونے کی حقدار ہے وہ پہلے رہے - جسکو آخری جگہ ملنی چاہیے ، وہ آخری جگہ پاے - "عہد اجتماع و ائتلاف" سے مقصود وہ حالت ہے جب مختلف کارکن قوتیں کسی ایک مقام ، ایک مرکز ، ایک سلسلے ، ایک وجود ، ایک طاقت ، اور ایک فرد واحد میں اپنی قدرتی اور مناسب ترکیب و ترتیب کے ساتھہ اکٹھی ہو جاتی ہیں ، اور تمام مواد ، قوی ، اعمال ، اور افراد پر ایک اجتماعی و انضمامی دور طاری ہو جاتا ہے - بحدیکہ ہر قوت اکٹھی ، ہر عمل باہمدگر جڑا اور ملا ہوا ، ہر چیز بندھی اور سمٹی ہوئی ، ہر فرد زنجیرکی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متحد و متصل ہو جاتا ہے - کسی چیز، کسی گوشے ، کسی عمل میں علحدگی نظر نہیں آتی - جدائی ، انتشار، اور الگ الگ ، جزء جزء ، فرد فرد، ہوکر رہنے والی حالت نہیں ہوتی - مادہ میں جب یہ اجتماع و انضمام پیدا ہو جاتا ہے ، تو اسی سے تخلیق و تکوین اور وجود و ہستی کے تمام مراتب ظہور میں آتے ہیں - اِسی کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں مرتبۂ " تخلیق " و " تسویہ " سے بھی تعبیر کیا

ہے : الذي خلق فسوی (۸۷ : ۲) یعنی زندگی اور زندہ رہنا ہے مگر اجتماع و ائتلاف، اور موت و فنا نہیں ہے مگر اسکی ضد - یہی حالت جب افعال و اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اخلاق کی زبان میں اسکو " خیر " اور شریعۃ کی زبان میں " عمل صالح " اور " حسنات " کہتے ہیں - جب جسم انسانی پر طاری ہوتی ہے تو طب کی اصطلاح میں " تندرستی " سے تعبیر کی جاتی ہے اور حکیم کہتا ہے کہ یہ " زندگی " ہے - اور پھر یہی حالت ہے کہ جب قومی و جماعتی زندگی کی قوتوں اور عملوں پر طاری ہوتی ہے تو اُس کا نام " حیات قومی و اجتماعی " ہوتا ہے ' اور اُسکا ظہور قومی اقبال و ترقی اور نفوذ و تسلط کی شکل میں دنیا دیکھتی ہے - الفاظ بہت سے ہیں - معنی ایک ہے - مظاہر دو مختلف ہیں مگر اُس حکیم یگانہ و واحد کی ذات کی طرح ' اُسکا قانون حیات و وجود بھی اس کائنات ہستی میں ایک ہی ہے - و لنعم ما قیل :

عبارا تنا شتی و حسنک واحد
و کل الی ذاک الجمال یشیر !

اُس حالت کی ضد " اشتات و انتشار " ہے - اشتات " شتت " سے ہے جسکے معنی لغۃ میں " تفریق " اور الگ الگ ہو جانے کے ہیں - " یقال شت جمعھم شتا و شتاتاً ' و جاؤا اشتاتاً - ای متفرقی النظام " (مفردات : ۲۵٦) قرآن حکیم میں ہے : یومئذ یصدر الناس اشتاتا (۹۹:٦) اور من نبات شتی (۲۰:۵۳) اور و قلوبہم شتی (۵۹:۱۴) ای مختلفہ - انتشار " نشر " سے ہے - اسکے معنی بھی الگ الگ ہو جانے کے ہیں - یعنی تفرق کے - سورۂ جمعہ میں ہے : فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا - یعنی تفرقوا - " اشتات و انتشار " سے مقصود وہ حالت ہے جب اجتماع و ائتلاف کی جگہ الگ الگ ہو جانے ' متفرق اور پراگندہ ہونے ' اور باہمدگر علحدگی و بیگانگی کی حالت طاری ہوجاے - مواد میں ' قوی میں ' اعمال میں ' افراد میں ' ہر بات میں پہلی حالت سے بالکل متضاد حالت پیدا ہوجاے - یہ حالت جب مادہ پر طاری ہوتی ہے تو " تکوین " کی جگہ " فساد " اور " وجود " کی جگہ " عدم و فنا " کا اُسپر اطلاق ہوتا ہے جسم پر طاری ہوتی ہے تو اُسکا نام پہلے " بیماری " اور پھر " موت " ہے - اعمال پر طاری ہوتی ہے تو اُسی کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں " عمل سوء " اور " عصیان " سے تعبیر کرتا ہے - اور پھر یہی چیز ہے کہ جب

قوموں اور امتوں کي اجتماعي زندگي پر طاري هوجاتي هے تو دنيا ديکهتي هے که اقبال کي جگه ادبار' عروج کي جگه تسفل' ترقي کي جگه تنزل' عظمت کي جگه ذلت' حکومت کي جگه محکومي' اور بالآخر زندگي کي جگه موت اُس پر چها گئي هے!

يهي وجه هے که قرآن حکيم نے جا بجا "اجتماع و ائتلاف" کو قومي زندگي کي سب سے بڑي بنياد' اور اسليے انسان کيليے الله کي جانب سے سب سے بڑي رحمت و نعمت قرار ديا هے' اور اسکو "اعتصام بحبل الله" اور اسي طرح کي تعبيرات عظيمه سے موسوم کيا هے - مسلمانوں کے اولين مادۂ تکوين امت يعني اهل عرب کو مخاطب کرکے اور پهر تمام عرب و عجم سے فرمايا:

واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا! واذکروا نعمت الله عليکم اذ کنتم اعداءً فالف بين قلوبکم فاصبحتم بنعمة اخوانا - (۱۰۳:۲)

سب مل جلکر اور پوري طرح اکٹهے هوکر الله کي رسي مضبوط پکڑلو - سب کے هاتهه اسي ايک حبل‌الله سے وابسته هوں - الله کا يه احسان ياد کرو که کيسي عظيم الشان نعمت هے جس سے سرفراز کيے گئے؟ تمهارا حال يه تها که بالکل بکهرے هوے اور ايک دوسرے کے دشمن تهے - الله نے تم سب کو باهم ملاديا اور اکٹها کرديا - پہلے ايک دوسرے کے دشمن تهے تو اب بهائي بهائي هوگئے!

اس کے بعد فرمايا که اشتات و انتشار کي زندگي کو بقاؤ قيام نهيں هوسکتا - وه هلاکي کي ايک آگ هے جسکے دهکتے هوے شعلوں کے اوپر کبهي قومي زندگي نشو و نما نهيں پاسکتي:

وکنتم على شفا حفرة من النار' فانقذکم منها کذلک يبين الله لکم آياته لعلکم تهتدون - (۱۰۳:۶)

اور تمهارا حال يه تها که آگ کے دهکتے هوے گڑهے کے کنارے کهڑے تهے' پر الله نے تمهيں بچاليا - الله اپنے فضل و رحمت کي نشانياں اسي طرح کهولتا هے تا که کاميابي کي راه پالو!

يه بهي جابجا بتلاديا که قوموں اور ملکوں ميں اس اجتماع و ائتلاف کي صالح و حقيقي زندگي پيدا کردينا محض انساني تدبير سے ممکن نهيں دنيا ميں کوئي انساني تدبير امت نهيں پيدا کرسکتي - يه کام صرف الله هي کي توفيق و رحمت اور اُسکي وحي و تنزيل کا هے که بکهرے هوے ٹکڑوں کو جوڑ کر ايک بنادے

لو انفقت ما في الارض جميعا ' ما الفت بين قلوبهم - و لكن الله الف بينهم - انه عزيز حكيم (۸ : ۶۹)	اگر تم زمین کا سارا خزانه بهي خرچ کرڈالتے جب بهي ان بکهرے هوے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتهه جوڑ نہیں سکتے تھے - یه الله هي کا فضل هے جس نے متفرق دلوں کو اکٹها کردیا -

اور اسیلیے قرآن حکیم ظہور شریعت و نزول وحي کا پہلا نتیجه یه قرار دیتا هے که اجتماع و ائتلاف پیدا هو ' اور بار بار کہتا هے که تفرقۃ و انتشار شریعت و وحي کے ساتهه جمع نہیں هوسکتے - اور اسیلیے یه نتیجه شریعت سے بغي و عدوان اور اسکو بالکل ترک کردینے کا هے : فما اختلفوا حتی جاء هم العلم (۱۳ : ۹۳) و آتینا هم بینات من الامرء فما اختلفوا الا من بعد ماجاء هم العلم بغیاً بینهم (۴۵ : ۱۶) و لا تکونوا کالذین تفرقوا من بعد ما جاء هم البینات (۲ : ۱۰۴)

اور اسي بنا پر شارع نے اسلام اور اسلامي زندگی کا دوسرا نام "جماعت" رکها هے ' اور جماعت سے علحدگی کو " جاهلیۃ " اور " حیاۃ جاهلي " سے تعبیر کیا هے ' جیساکه آگے بالتفصیل آئیگا : " من فارق الجماعه ' فمات ' فمیتۃ جاهلیه " وغیر ذلك ' اور اسي بنا پر بکثرت وہ احادیث و آثار موجود هیں جن میں نہایت شدت کے ساتهه هر مسلمان کو هر حال میں التزام جماعت اور اطاعت امیر کا حکم دیا گیا ' اگرچه امیر غیر مستحق هو ' نا اهل هو ' فاسق هو ' ظالم هو ' کوئی هو ' بشرطیکه مسلمان هو اور نماز قائم رکهے (ما اقاموا الصلوۃ) اور ساتهه هي بتلادیا گیا که جس شخص نے جماعت سے علحدگي کي راہ اختیار کي تو اس نے اپنے تئیں شیطان کے حوالے کردیا - یعني گمراهی اور ٹهوکر اسکے لیے ضروري هے - زنجیر کا توڑنا مشکل هوتا هے ' لیکن کوئي کڑی زنجیر سے الگ هوگئي هو تو ایک چهوٹے سے حلقه کا حکم رکهتي هے جسکو انگوٹهے سے مسل دیا جاسکتا هے - حضرۃ عمر اپنے خطبوں میں بار بار آنحضرۃ صلعم سے روایت کرتے " علیکم بالجماعه فان الشیطان مع الفذہ و هو من الاثنین ابعد " دوسری روایت میں هے " فان الشیطان مع الواحد " یعني جماعت سے الگ نہو - همیشه جماعت بنکر رهو - کیونکه جب کوئی تنہا اور الگ هوا تو شیطان اسکا ساتهي هوگیا - دو انسان بهی ملکر رهیں تو شیطان انسے دور رهے - یعني اتحادي و جماعتی قوت ان میں پیدا هوگئی - اب وہ راہ حق سے نہیں بهٹک سکتے - یه الفاظ مشہور

خطبۂ جابیہ کے ھیں جو عبد اللہ بن دینار، عامر بن سعد، سلیمان بن یسار، وغیرھم سے مروي ھے، اور بیہقي نے اِمام شافعي کے طریق سے نقل کیا کہ انھوں نے اجماع کے اثبات میں اسی روایت سے استدلال کیا - اسي طرح حدیث متواتر بالمعني " علیکم بالسواد الاعظم " اور " فانه من شذ شذ في النار" اور " ید اللہ علي الجماعة " اور " لایجمع اللہ امتي علی الضلالة " اوکما قال - اور خطبۂ حضرۃ امیرکہ " و ایاکم و الفرقة، فان الشاذ من الناس للشیطان، کما ان الشاذ من الغنم للذئب - الا، من دعا الي هذا الشعار فاقتلوه و لو کان تحت عمامتي هذا " وغیرذلک اس بارے میں معلوم و مشہور ھیں - آخري قول دیگر روایات میں بطریق مرفوع بھي منقول ھے - خلاصہ ان سب کا یہ ھے کہ ھمیشہ جماعت کے ساتھہ ھوکر رھو - جو جماعت سے الگ ھوا اسکا ٹھکانا دوزخ ھے - افراد تباہ ھوسکتے ھیں مگر ایک صالح جماعت کبھي تباہ نہیں ھو سکتي - اسپر اللہ کا ھاتھہ ھے - اللہ کبھي ایسا ھونے نہ دیگا کہ پوري امت گمراھي پر جمع ھوجاے -

اسي طرح نماز کي جماعت کي نسبت ھر حال میں التــزام پر زور دینا، اور اگرچہ امام نا اھل ھو لیکن سعي قیام اھل کے ساتھہ التزام جماعت کو بھي جاري رکھنا، حتی کہ " صلـوا خلف کل برو فاجر" تو اسمیں بھي یہي حقیقت مضمر ھے کہ زندگی جماعتي زندگي ھے - انفراد و فرقـة ھرحال میں بربادي و ھـلاکت ھے - پس جماعت سے کسي حال میں باھر نہ ھوناچاھیے -

او ریہي سبب ھے کہ سورۂ فاتحہ میں جو قومي دعا مسلمـانوں کو سکھلائي گئي، اسمیں متکلم واحد نہیں ھے بلکہ جمع، حالانکہ وہ دعا فرداً فرداً ھر مومن کي زبان سے نکلنے والي تھي " اھدنا الصراط المستقیم " فرمایا - " اھدني " نہیں کہا گیا - یہ اسیلیے ھے کہ قرآن کے نزدیک فرد اور فرد کي ھستی کوئي شے نہیں ھے - ھستي صرف اجتماع او ر جماعت کي ھے، اور فرد کا وجود او ر اعمال بھي صرف اسي لیے ھیں تاکہ اُنکے اجتماع و تالیف سے ھئیۃ اجتماعیہ پیدا ھو - اسي لیے اس دعا میں کہ حاصل ایمان، و خلاصۂ قرآن، و عصارۂ اسلام ھے، متکلم جمع کا صیغہ آیا نہ کہ واحد کا - اور اسي لیے مسلمانوں کي باھمي ملاقات کے وقت جو امتیازي دعا سکھلائي گئي، وہ بھي بصیغۂ جمع آئي اگرچہ مخاطب واحد ھو - یعني

" السلام علیکم " - " السلام علیک " نہیں قرار دیا گیا - اسي طرح نماز سے باہر آنے کیلیے بھي " السلام علیکم " بصیغۂ جمع رکھا گیا - واحد کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا - علت اسکي یہي ہے - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھي -

اور اسي بنا پر احکام و اعمال شریعت کے ہر گوشے اور ہر شاخ میں یہي اجتماعي و ائتلافي حقیقت بطور اصل و اساس کے نظر آتي ہے - نماز کي جماعت خمسہ اور جمعۂ و عیدین کا حال ظاہر ہے - حج بجز اجتماع کے اور کچھہ نہیں - زکواۃ کي بنیاد ہي اجتماعي زندگي کا قیام اور ہر فرد کے مال و اندوختہ میں جماعت کا ایک حصہ قرار دیدینا ہے - علاوہ بریں اسکي ادائیگي کا نظام بھي انفرادي حیثیت سے نہیں رکھا گیا بلکہ جماعتي حیثیت سے - یعنے ہر فرد کو اپني زکواۃ خود خرچ کردینے کا اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ بد قسمتي سے آج مسلمان کررہے ہیں اور جو صریح غیر شرعي طریقہ ہے ' بلکہ مصارف زکواۃ متعین کرکے حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپني زکواۃ کي رقم امام و خلیفۂ وقت کے سپرد کردے - پس اسکے خرچ کي بھي اصلي صورت جماعتي ہے نہ کہ انفرادي - یہ امام کا کام ہے کہ اسکا مصرف تجویز کرے اور مصارف منصوصہ میں سے جو مصرف زیادہ ضروري ہو ' اسي کو ترجیح دے - ہندوستان میں اگر امام کا وجود نہ تھا ' تو جس طرح جمعہ و عیدین وغیرہ کا انتظام عذر کي بنا پر کیا گیا ' زکواۃ کا بھي کرنا تھا -

اور پھر یہ حقیقت کسقدر واضح ہوجاتي ہے جب اُن تمام مشہور احادیث پر غور کیا جاے جن میں مسلمانوں کي متحدہ قومیت کي تصویر کھینچي گئي ہے " مثل المومنین فی توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد الواحد - اذا اشتکي منہ عضوٌ تداعي لہ سائر الجسد بالسہر والحمي " (صحیحین) اور " المسلم للمسلم کالبنیان - یشد بعضہ بعضا " (بخاري) یعني مسلمانوں کي قومیت ایسي ہے جیسے ایک جسم اور اسکے مختلف اعضا - ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم محسوس کرتا ہے ' اور اسکي بے چیني اور تکلیف میں اسي طرح حصہ لیتا ہے جیسے خود اسکے اندر درد اُتھہ رہا ہو - اور انکي مثال دیوار کي سي ہے - ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پاتي اور سہارا دیتي ہے - پھر تشبیک اصابع کرکے اسکي تصویر بتلادی - یعني ایک ہاتھہ کي انگلیاں دوسرے ہاتھہ کي انگلیوں میں رکھکر دکھلادیا کہ اس طرح ایک دوسرے سے جڑا ہوا اور متصل ہے - سو ان تمام تصریحات میں بھي اسي حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسلام کي قومیت متفرق

اینٹوں کا نام نہیں ھے - دیوار کا نام ھے - الگ الگ اینٹ کا کوئي مستقل وجود نہیں - ھے تو اجتماعي وجود ھے - یعني دیوار کا ایک جزء ھے ' اور انھي اجزاء کے ملنے سے دیوار متشکل ھوتي ھے -

اور یاد رھے کہ یہ جو نماز میں تسویۂ صفوف پر سخت زور دیا گیا - یعنی صف بندي پر ' اور سب کے سروں ' سینوں ' پاؤں کے ایک سیدھہ میں ھونے پر - " لتسون صفوفکم أو لیخالفن الله بین وجوھکم " (بخاري) اور روایت انس کہ " سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوة " (بخاري) و في لفظ " من تمام الصلوة " تو اسمیں بھي یہي بھید ھے اور تشریح کا یہ موقعہ نہیں - قرآن و سنت کي تصریحات و حکمیات اس بارے میں اسقدر کثرت سے اور محتاج تفسیر و کشف ھیں کہ ایک ضخیم مجلد مطلوب - تفسیر البیان میں مفصل لکھہ چکا ھوں

فصل

(جمع و تفرقۂ قوی و مناصب)

اس قانون الھي کے مطابق مسلمانوں کي قومي زندگي و عروج کا اصلي دور رھي تھا ' جب اُنکي قومي و انفرادي ' مادي و معنوي ' اعتقادي و عملي زندگي پر اجتماع وائتلاف کي رحمت طاري تھي ' اور اُنکے تنزل و ادبار کي اصلي بنیاد اُسي دن پڑي ' جب اجتماع و ائتلاف کي جگہ اشتات و انتشار کي نحوست چھاني شروع ھوگئي - ابتدا میں ھر مادہ مجتمع تھا ' ھر طاقت سمٹي ھوئی تھي ' ھر چیز بندھي ھوئي تھي ' لیکن بہ تدریج تفرقۂ و انتشار کي ایسي ھوا چلي کہ ھر بندھن کھلا ' ھر جماؤ پھیلا ' ھر ملي جلي اور اکٹھي طاقت الگ الگ ھوکر منتشر اور تتر بتر ھوگئي - قرآن حکیم کے بتلاے ھوے قانون تنزل اقوام کے مطابق یہ حالت ھر چیز اور ھر گوشۂ وجود و عمل پر طاري ھوئي ' اور ایک ھزار برس پر تین صدیاں گزرچکي ھیں کہ برابر طاري ھو رھي اور بڑھتي جاتي ھے - لوگ اسباب تنزل امت پر بحث کرتے اور پھر طرح طرح کي علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے ناموں سے موسوم کرتے ھیں ' حالانکہ قرآن و سنۃ اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات و نتائج صرف اِسي ایک چیز کا نتیجہ ھیں - اس ایک حقیقت کو کتنے ھي مختلف ناموں سے پکار لو ' مگر اصلي علت اسکے سوا کوئي نہیں -

قوتوں کے انتشار کا دور ساري چيزوں پر طاري ھوا ' ليکن يہاں صرف ايک ھي پہلو واضح کرنا مقصود ھے - آنحضرۃ صلى الله عليه وسلم کا وجود اسلامي طاقت کي اصلي شخصيت تھي - آپ جب دنيا سے تشريف ليگئے تو صرف ايک داعي شريعت يا حامل وحي ھي کي جگہ خالي نہيں ھوئي ' بلکہ اُن ساري قوتوں ' سارے منصبوں ' ساري حيثيتوں ' اور ھر طرح کے نظري و عملي اختيارات و قوىٰ کي ' جو آپکي شخصيت مقدسہ ميں اکٹھي تھيں ' اور جنکا آپکے تنہا وجود مقدس ميں جمع ھونا اسلام کي شرعي و ديني خصوصيات ميں سے تھا - اسلام کا داعي مسيحيت کے مقدس پہاڑي واعظ کي طرح صرف ايک اخلاقي معلم ھي نہ تھا ' اور نہ دنيا کے فاتح حکمرانوں کي طرح محض ايک جہانگير اور عالم ستاں شہنشاہ - اسلام نے دين کو دنيا سے اور شريعت کو حکومت و جہانباني سے الگ نہيں رکھا - وہ تو يہ سکھلانے آيا تھا کہ دين و دنيا دو نہيں ايک ھي چيز ھيں ' اور شريعت سے حکومت و سلطنت الگ نہيں ھے ' بلکہ سچي حکومت اور خدا کي مرضي کے مطابق سلطنت وھي ھے جسکو شريعت نے خود پيدا کيا ھو ' پس اسلام کے داعي کا وجود ايک ھي وقت ميں اُن تمام حيثيتوں اور منصبوں کا جامع تھا ' جو ھميشہ دنيا کي صدھا مختلف شخصيتوں کے اندر منقسم رھي ھيں - وہ الله کا پيغمبر تھا ' شريعت کا مقنن تھا ' اُمت کا باني تھا ' ملکوں کا حاکم اور سلطنت کا مالک تھا - وہ اگر پتوں اور چھال سے پٹي ھوئي مسجد کے ممبر پر وحي الہي کا ترجمان اور انساني سعادت و ھدايت کا واعظ تھا ' تو اُسي کے صحن ميں يمن کا خراج تقسيم کرنے والا اور فوجونکو ميدان جنگ ميں بھيجنے کيليے سپہ سالار لشکر بھي تھا - وہ ايک ھي وقت اور ايک ھي زندگي ميں گھرونکا نظام معاشرت درست کرتا اور نکاح و طلاق کے قوانين نافذ کرتا اور ساتھہ ھي بدر کے کنارے دشمنوں کا حملہ بھي روکتا ' اور مکہ کي گھاٹيوں ميں سے ايک فاتح حکمراں کي طرح نماياں بھي ھوتا تھا - غرضکہ اُسکي ايک شخصيت کے اندر مختلف حيثيتيں اور منصب جمع تھے ' اور اسلام کا نظام ديني يہي تھا کہ يہ ساري قوتيں ايک ھي فرد ميں جمع رھيں -

جب آپ دنيا سے تشريف ليگئے تو خلفاء راشدين کي خلافت خاصہ اسي اجتماع قوىٰ و مناصب پر قائم ھوئي ' اور اسي ليے اُسکو " منہاج نبوۃ " سے تعبير کيا گيا - يعني يہ نيابت ٹھيک ٹھيک ھر لحاظ اور ھر پہلو سے شخص جامع نبوۃ کي سچي قائمقامي اپنے اندر رکھتي تھي -

منصب نبوۃ مختلف اجزاء نظر و عمل سے مرکب ہے - ازاں جملہ ایک جزء وحي و تنزیل کا مورد ہونا اور شریعت میں تشریع و تاسیس قوانین کا اختیار رکھنا ہے - یعنے قانون وضع کرنا اور اسکے وضع و قیام کي معصومانہ و غیر مسئولانہ قوت - اس جزء کے اعتبار سے نبوت آپکے وجود پر ختم ہوچکي تھي اور قیامت تک کیلیے شریعت و قانون کے وضع و قیام کا معاملہ کامل ہوچکا تھا - جب نعمت کامل ہوگئي تو پھر کامل چیز ھي کو ہمیشہ باقي رہنا چاہیے - اسکي جگہ کسي دوسري چیز کا آنا نقص کا ظہور ہوگا نہ کہ تکمیل کا : الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتي و رضیت لکم الاسلام دینا (۵ : ۴)

لیکن منصب نبوت اس اصلي جزء کے ساتھہ بہت سے تبعي اجزاء پر بھي مشتمل تھا ' اور ضرور تھا کہ انکا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے - اس چیز کو مختلف احادیث میں مختلف تعبیرات سے موسوم کیا ہے - حضرۃ عمر کیلیے " محدث " (بالفتح) کا مقام بتلایا گیا - علماء کو انبیاء کا وارث کہا گیا - مبشرات صادقہ کو نبوت کا چالیسواں جزء قرار دیا - " لم یبق الا المبشرات " حدیث تجدید بھي اسي سلسلہ میں داخل ہے - پس خلفاء راشدین کو جو نیابت پہنچي ' اسمیں وحي و تشریع کي قائم مقامي تو نہیں ہوسکتي تھي ' لیکن اور تمام اجزاء و خصائص نبوت کي نیابت داخل تھي - داعي اسلام کا وجود نبوت کے ساتھہ خلافت ارضي ' حکومت و سلطنت ' نظام و قوام سیاست ' قیادۃ فوج و حرب ' فتح و عمران ممالک ' ریاست مجالس شوري ' وغیرہ ' جہان باني و حکمراني کے تمام منصب تنہا اپني شخصیت کے اندر رکھتا تھا ' اسلیے ٹھیک ٹھیک اسي طرح خلافت خاصہ میں بھي خلفاء راشدین کا تنہا وجود ان ساري نظري و عملي قوتوں اور تمام منصبوں کا جامع ہوا - وہ ایک ھي وجود کے اندر صاحب امامت و خلافت بھي تھے ' صاحب اجتہاد و قضاء بھي تھے ' اور صاحب سیاست و نظم احکام و بلاد بھي - اصلاً " امامت کبری " کا مقام اجتہاد دیني اور سیاست ملکي ' دونوں سے مرکب ہے - اسلیے انکي امامت میں یہ دونوں قسمیں اپني تمام شاخوں کے ساتھہ اکٹھي تھیں - حضرۃ عمر مسجد کے دار الشوری میں مسائل شرعیہ کا بہ حیثیت ایک مجتہد کے فیصلہ کرتے تھے ' عدالت میں مقدمات سنتے تھے ' اور دیوان فوجي میں فوجوں کو تنخواہ بھي بانٹتے تھے - اگر وہ نماز جنازہ کي معین تکبیرات پر صحابہ کا اجماع کراتے

تھے ' تو راتوں کو شہر میں گشت لگاکر احتساب کا فرض بھي ادا کرتے تھے
میدان جنگ میں احکام بھي وھي بھیجتے' اور رزم کے سفیرکو به حیثیت
شہنشاہ اسلام اپنے سامنے بھي وھي بلاتے !

اسي طرح نبوت کا مقام ' تعلیم و تربیت امت کي مختلف قوتوں سے
مرکب تھا - قرآن حکیم نے انکو تین اصولي قسموں میں بانت دیا ھے :
یتلو علیھم آیاته ' و یزکیھم ' و یعلمھم الکتاب و الحکمة (۳ : ۶۲) تلاوت
آیات - تزکیۂ نفوس - تعلیم کتاب و حکمت - خلفاء راشدین ان تینوں
منصبوں میں وجود نبوت کے نائب تھے - وہ منصب اجتہاد و قضاء شرع کے
ساتھہ قوت ارشاد و تزکیۂ و تربیت بھي رکھتے تھے - وہ ایک صاحب وحي
کي طرح خدا کے کلام کي منادي کرتے' ایک نبي کي طرح دلوں اور روحوں
کو پاکي بخشتے ' اور ایک رسول کي طرح تعلیم کتاب اور حکمت سنة سے
امت کي تربیت و پرورش کرنے والے تھے - وہ ایک ھي وجود میں
ابو حنیفۂ و شافعي بھي تھے (رح) اور جنید و شبلي بھي (رح) - نخعي
و حماد بھي تھے' اور ابن معین و ابن راھویه بھي (رح) جسموں کا نظام
بھي انھي کے ھاتھوں میں تھا - دلوں کي حکمراني بھي انھي کے قبضه
میں تھي - یہي حقیقي اور کامل معنی منصب نبوت کي نیابت کے
ھیں ' اور اسي لیے انکا وجود اور انکے اعمال بھي اعمال نبوت کا ایک
آخري جزء تھے کہ " علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین " اور اسي لیے
" و عضوا علیھا بالنواجذ " کے حکم میں نه صرف سنة عہد نبوت ' بلکه
خلافت راشدۂ و خاصه کي سنة بھي داخل ھوئي ' اور شرح اس سر الھي
کي بہت طولاني ھے - یہاں محض اشارات مطلوب -

لیکن جیسا کہ پہلے سے خبر دیدي گئي تھي ' اجتماع و ائتلاف کي یه
حالت حضرة علي علیه السلام پر ختم ھوگئي- اسکے بعد سے اشتات و انتشار کا
دور شروع ھوا - ازانجمله مرکزي قوتوں اور منصبوں کا انتشار واشتات تھا'
جس نے في الحقیقت امت کا تمام نظام شرعي و اصلي درھم و برھم کردیا -
خلافت خاصه کے بعد یه ساري یکجا قوتیں الگ الگ ھوگئیں - ایک وجود
کي جگه مختلف وجودوں میں انکا ظہور اور نشو و نما ھوا - حکومت و
فرماں روائي کا تکرہ الگ ھوکر مجرد پادشاھي کي شکل میں آگیا - اسي
کي طرف اشارہ تھا " الخلافة بعدي ثلاثون سنة ثم ملک " سر واقعي اسکے

بعد صرف پادشاهي هي رهگئی - اجتهاد اور قضاء شرعی کا جزء خلافت سے الگ هوا تو مجتهدین و فقهاء کي ایک الگ جماعت پیدا هوگئي - انهون نے یه کام سنبهالا - اسي طرح تعلیم و تربیت روحاني کے کار و بار سے نظام حکومت بالکل الگ هوگیا - پہلے خلافة کي ایک هي بیعت تمام مقاصد کي کفیل تهي - اب خلیفه کا وجود محض پادشاهي کیلیے اور فقهاء کا مجرد استنباط احکام و مسائل کیلیے رهگیا ' تو تزکیۂ نفوس اور ارشاد قلوب کیلیے ایک دوسري بیعت مستقلاً قائم هوئي ' جو بیعت توبۂ و ارشاد هوئي ' اور اسطرح اصحاب طریقت و تصوف کي بنیاد پڑي - پہلے صرف ایک وجود تها - وه پادشاه' مجتهد ' مرشد' قاضي القضاة ' سپه سالار جنگ' میر عدل و احتساب' سب کچهه تهـــا - اب یه ساري قوتیں الگ الگ هوگئیں - حـــکومت و فرمانروائي الگ ایک وجود میں آئي - اجتهاد و تفقه کیلیے دوسرا وجود مرکز بنا - قضاء کیلیے تیسرا - ارشاد و تزکیۂ قلوب کیلیے چوتها - و هلم جرا - غرضکه عهد اجتمـــاع قوی و مناصب کے بعد دور انتشار قوی و مناصب شروع هوکر رفته رفته کمال ظهور و بلوغ تک پهنچ گیا - حتی که یه تمام قوتیں اسطرح ایک دوسرے سے بیگانۂ و مخالف هوگئیں که یا تو ایک هي وجود میں جمع تهیں ' یا اب مختلف وجودوں میں بٹ کر بهی متفق نه رهسکیں - صرف اختلاف تعدد و تنوع هي نهیں رها ' بلکه اختلاف تضاد کي شکل پیدا هوگئي - یهی سب سے بڑي مصیبت و هلاکت تهي جو امت پر طاري هوئي - مسلمانوں کے تنزل و ادبار کي اصلی علت یه هے - وه افسانے نهیں هیں جنمیں تم سرمست هو - افسوس که سطحي و جزئي حالات کے استغراق نے اصلي اسباب و علل پر غور کرنے کی تمهیں کبهی مهلت نه دي ' اور نه بحث و نظر میں یورپ کي تقلید سے آزاد هوسکے که خالص اسلامي فکر و نظر اسباب ترقي و تنزل پر تدبر کرتے !

غرضکه خلافت راشدہ کے بعد جو سلسلۂ خلافت قائم هوا ' وه خواه قرشي رها هو یا غیر قرشي ' مجرد ملوکي و پادشاهي کا سلسله تها ' اور بجز چند مستثنی اوقات کے (جیساکه عهد حضرة عمر بن عبد العزیز) یه نیابت نبوت کے اور تمام اجزاء سے یکقلم خالي رها - منصب بٹ چکے تهے - قوتیں منتشر هو چکي تهیں - البته جو انقلاب سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں هوا اور جسکا نتیجه یه نکلا که سلاطین عثمانیه کي خلافت طریق استبدادي و شخصی سے طریق شوری میں تبدیل هوگئي ' سو بلا شبه

خلافت راشدہ کي طرف عود و رجعت کا یہ ایک مبارک قدم تھا ' جسکے لیے شوری اور پارلیمنٹ کا ہونا سب سے پہلي شرط ہے - لیکن ان جزئي مستثنیات کے علاوہ عام حالات و خصائص ہو دور اور ہر سلسلے کے وہي رہے جو ایک جامع لفظ " ملک عضوض " میں بتلادیے گئے تھے ' اور اس میں کبھي کوئي نمایاں اور پائدار تبدیلي نہ ہوئي -

فصل

(اطاعت خلیفہ و التزام جماعۃ)

اس اجمالي تمہید کے بعد سب سے زیادہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے - یعنے اسلام کا وہ نظام شرعي جو ہر مسلمان کو خلیفۂ وقت کي معرفت اور اطاعت پر اسي طرح مجبور کرتا ہے ' جس طرح اللہ اور اسکے رسول کي اطاعت پر - جب تک وہ اللہ اور اسکے رسول کے خلاف کوئي حکم نہ دے - اسلام کا قانون اس بارے میں اپني تمام شاخوں اور تعلیموں کي طرح في الحقیقت کائنات ہستي کے قدرتي نظام کا ایک جزء اور قوام ہستي کي زنجیر فطرۃ کي ایک قدرتي کڑي ہے - کائنات کے ہر حصہ اور ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کي قدرت و سنۃ ایک خاص نظام پر کار فرما ہے جسکو " قانون مرکز " یا " قانون دوائر " سے تعبیر کیا جاسکتا ہے - یعني قدرت نے خلقت و نظام خلقت کے بقا و قیام کیلیے ہر جگہ اور ہر شاخ وجود میں یہ صورت اختیار کر رکھي ہے کہ کوئي ایک وجود تو بمنزلۂ مرکز کے ہوتا ہے ' اور بقیہ اجسام ایک دائرہ کي شکل میں اسکے چاروں طرف وجود پاتے ہیں ' اور پورے دائرہ کي زندگي اور بقاء صرف اُس مرکزي وجود کي زندگي اور بقا پر موقوف ہوتي ہے - اگر ایک چشم زدن کیلیے بھي دائرہ کے اجسام اپنے مرکز سے الگ ہوجائیں ' یا مرکز کي اطاعت و انقیاد سے باہر ہوجائیں ' تو معاً نظام ہستي درہم برہم ہوجاے اور دائرہ کي اکیلي ہستیاں مرکز سے الگ رہکر کبھي قائم و باقي نہ رہسکیں - یہي وہ حقیقت ہے جسکو بعض اصحاب اشارات نے یوں تعبیر کیا کہ " الحقیقۃ کا لکرہ " اور صاحب فتوحات نے کہا کہ " دائرۂ قاب قوسین " ہے -

یہ قانون مرکزیۃ و دوائر نظام ہستي کے ہر جزء اور ہر حصہ میں صاف صاف دیکھا جاسکتا ھے - یہ نظام شمسي جو ہمارے اوپر ھے ' ستاروں کي یہ گنجان آبادي ' کروں کا یہ صحراے بے کنار ' زندگي اور حرکت کا یہ محیر العقول طلسم ' کیا ھے ؟ کس نظام پر یہ پورا کارخانہ چل رہا ھے ؟ اسي قانون مرکزیۃ پر - متحرک سیاروں کے حلقے اور دائرے ھیں ' ہر دائرہ کا نقطۂ حیات و بقا سورج کا مرکزي نقطہ ھے - تمام ستارے اپنے اپنے کعبۂ مرکز کا طواف کررھے ھیں اور ہر دائرہ کي ساري زندگي اور بقا صرف مرکز شمسي کی اطاعت و انقیاد پر موقوف ھے : ذلک تقدیر العزیز العلیم - خود ہماري زمین بھي ایک ایسے ھي دائرہ کي ایک کڑي ھے اور شب و روز اپنے مرکز کے طواف و انقیاد میں مشغول ھے - ہر ستارے کے طواف و دوران کیلیے حکمت الہي نے ایک خاص راہ اور ایک خاص زمانہ قرار دیدیا ھے - وہ اُس سے باہر نہیں جاسکتا - سب بحکم و لہ اسلم من في السماوات و الاض (۲ : ۸۳) اور ان اللہ یسجد لہ من في السماوات و من في الارض و الشمس و القمر و النجوم (۲۲ : ۱۹) خدا کے بناے ہوے قانون کے مطابق اپني اپني جگھوں میں کام کررھے ھیں : لا الشمس ینبغي لہا ان تدرک القمر ' و لا الیل سابق النہار ' و کل في فلک یسبحون (۳۶ : ۴۱)

قانون مرکزیۃ کا یہ پہلا اور بلند ترین نظارہ تھا - اب اسکے بعد جسقدر نیچے اُترتے آئینگے ' اور حرکت و حیات کي بلندیوں سے لیکر زندگي کے چھوٹے سے چھوٹے گوشوں تک نظر ڈالینگے ' ہر جگہ زندگي اور بقا اسي قانون سے وابستہ نظر آئیگي - عالم نباتات میں درخت کو دیکھو - اسکي ایک مجتمعہ وحدۃ کتني وسیع کثرت سے مرکب ھے ؟ ڈالیاں ھیں ' شاخیں ھیں ' پتے ھیں ' پھول ھیں - لیکن سب کي زندگی ایک ھي مرکز یعني جڑ سے وابستہ ھے - جڑ سے جہاں کوئي شاخ الگ ہوئي ' موت و فنا اُسپر طاري ہوگئي - آفاق کو چھوڑ کر عالم انفس کي طرف آؤ ' اور خود اپنے وجود کو دیکھو جسکے دیکھنے کیلیے نظر اُٹھانے کي بھي ضرورت نہیں - تمہارا وجود کتنے مختلف ظاہري و باطني اعضاء سے مرکب ھے ؟ جسموں اور وجودوں کي ایک پوري بستي ھے

جو تم میں آباد ھے - ھر جسم کا فعل ھے اور ایک خاصہ - لیکن دیکھو ! یہ ساري آبادي کس طرح ایک ھي مرکز کے آگے سر بسجود ھے ؟ سب کي حیات کا مرکز صرف قلب ھے - اس سے الگ رھکر ایک عضو بھي زندہ نہیں رھسکتا " اذا اصلحت ' صلحت کلھا ' و اذا فسدت ' فسدت کلھا "

اسلام في الحقیقت سنۃ اللہ اور فطرت اللہ ھي کا دوسرا نام ھے - اگر نوع انساني کي سعادت و ارتقاء کیلیے قانون اسلام اُسي فاطر السماوات و الارض کا بنایا ھوا ھے جسنے تمام کائنات کیلیے قانون حیات بنایا ' تو ضرور ھے کہ دونوں میں اختلاف نہو' بلکہ پہلا قانون پچھلے قانون عام کا ایک ایسا قدرتي جزء نظر آے ' جیسے زنجیر کي ایک کڑي - پس اسلام کا نظام شرعي بھي ٹھیک ٹھیک اسي قانون مرکزیۃ پر قائم ھوا - قرآن نے یہ حقیقت جا بجا واضح کي ھے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کي زندگي اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ھے ' اسي طرح نوع انساني اور اسکي جماعت و افراد کا جسماني و معنوي بقاء بھي قانون مرکزیۃ پر موقوف ھے - جس طرح ستاروں کي زندگي اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ھے - اسي طرح نوع انساني کا بھي مرکز سعادت انبیاء کرام کا وجود ھے - پس انکي اطاعت و انقیاد بقاء و حیات کیلیے ناگزیر ٹھہري : و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ (۴ : ۶۸) دنیا میں کوئي نبي نہیں آیا مگر اسلیے کہ اسکي اطاعت کي جاے ' اور اسي لیے فرمایا : فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ' ثم لا یجدوا في انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما (۴ : ۶۹) اور لقد کان لکم في رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - پھر قوم و ملت کے بقاء کیلیے ھر طرح کے دائرے اور ھر طرح کے مرکز قرار دیے - اعتقاد میں اصلي مرکز عقیدۂ توحید کو ٹھہرایا جسکے گرد تمام عقائد کا دائرہ قائم ھے : ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء (۴ : ۵۲) عبادات میں نماز کو مرکز عمل ٹھہرایا جسکے ترک کردینے کے بعد تمام دائرۂ اعمال منھدم ھوجاتا ھے - " فمن اقامھا اقام الدین ' و من ترکھا فقد ھدم الدین " اور اسي لیے یہ بات ھوئي کہ " کان اصحاب رسول اللہ صلعم لایرون شئیا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوۃ " (ترمذي) یعني صحابۂ کرام کسي عمل کے ترک کردینے کو کفر نہیں سمجھتے تھے مگر نماز کے ترک کو - اسي طرح تمام قوموں اور ملکوں کا ارضي مرکز سعادت وادي حجاز کا کعبۃ اللہ قرار پایا : جعل اللہ الکعبۃ البیت

الحرام قیاماً للناس ۔ "قیاماً للناس" پر غور کرو - اور چونکه یه مرکز ٹهرا ' اس لیے تمام دائرہ کا رخ بهي اسي طرف هوا - خواہ دنیا کي کسي جهت میں مسلمان هوں ' لیکن اُنکا منهه اسي طرف هونا چاهیے : و حیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطرہ (۲ : ۱۴۵)

پهر جس طرح شخصي اور اعتقادي و عملي زندگي کیلیے مراکز قرار پاے' ضرور تها که جماعتي اور ملي زندگی کیلیے بهي ایک مرکزي وجود قرار پاتا - لهذا وہ مرکز بهي قرار دیدیا گیا - تمام امت کو اس مرکز کے گرد بطور دائرہ کے ٹهرایا - اُسکي معیت ' اُسکي رفاقت ' اُسکي اطاعت ' اُسکي حرکت پر حرکت ' اُسکے سکون پر سکون ' اسکي طلب پر لبیک ' اُسکي دعوۃ پر انفاق جان و مال ' هر مسلمان کیلیے فرض کردیا گیا - ایسا فرض جسکے بغیر وہ جاهلیة کي ظلمت سے نکلکر اسلامي زندگي کي روشني میں نهیں آسکتا - اسلام کي اصطلاح میں اسي قومي مرکز کا نام " خلیفه " اور امام هے ' اور جب تک یه مرکز اپني جگه سے نهیں هٹتا هے - یعني کتاب و سنة کے مطابق اُسکا حکم هے ' هر مسلمان پر اسکي اطاعت و اعانت اُسي طرح فرض هے جس طرح خود الله اور اُسکے رسول کی :

یا ایها الذین آمنو اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم - فان تنازعتم في شي فردوہ الی الله و الرسول ' ان کنتم تومنون بالله و الیوم الاخر - ذلک خیر و احسن تاویلا - (۴ : ۶۳)

مسلمانو ! اطاعت کرو الله کي ' اُسکے رسول کي ' اور تم میں جو اولو الامر هو ' اُسکي - پهر اگر کسي معامله میں تم مختلف هوجاؤ تو چاهیے که الله اور اسکے رسول کي طرف لوٹو اور اسکے فیصله پر متفق هوجاؤ -

اس آیت میں بالترتیب تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا هے - الله کي ' رسول کي ' مسلمانوں میں جو اولو الامر هو ' اسکي - الله کي اطاعت کتاب الله کي اطاعت هے - رسول کي اطاعت سے مقصود سنت قولي و فعلي هے - باقي رهي اطاعت اولوالامر ' تو نهایت قوي و روشن وجوہ موجود هیں که " اولو الامر " سے مقصود مسلمانوں کا خلیفۂ و امام هے جو کتاب و سنت کے احکام نافذ کرنے والا ' نظام امت قائم رکهنے والا ' اور تمام اجتهادي امور میں صاحب حکم و سلطان هے :

اولاً ٗ بحکم " القران یفسر بعضه بعضا " اولو الامر کي تفسیر خود قرآن هي کے اندر تلاش کرني چاهیے - اسي سورت میں آگے چلکر یه لفظ دوبارہ آیا هے :

و اذا جاء هم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ٗ ولو ردوه الی الرسول و الی اولی الامر منهم ٗ لعلمه الذین یستنبطونه منهم - (۴ : ۸۶)	اور جب کوئي امن یا خوف کي خبر اُن تک پهونچتي هے ٗ تو بلا سونچے سمجهے لوگوں میں پهیلادیتے هیں - حالانکه اگر وہ الله کے رسول کي طرف اور اُن لوگوں کي طرف رجوع کرتے جو اُن میں " اولوالامر"

هیں ٗ تو فوراً اصلیت کهل جاتي اور وہ اُس خبر کے سچے جهوٹے هونے کا پته لگالیتے -

اس آیت میں ایسے وقتوں کا ذکر کیا گیا هے جب امن و خوف یعني صلح و جنگ اور فتح و شکست کي افواهیں ملک میں پهیلتي هیں اور بے اصل خبروں کي اشاعت سے لوگوں میں اضطراب و غلط فهمي پیدا هوجاتي هے - ایسی صورتیں منافقین اور بعض ضعیف القلب مسلمانوں کي وجه سے عهد نبوي میں بهي پیش آجاتي تهیں - پس فرمایا که جب کوئي افواہ سنو تو پہلے الله کے رسول اور اپنے " اولوالامر" تک پهنچاؤ - تا که وہ اس کي صحت وعدم صحت کي تحقیق کرلیں اور خبر کي نوعیت اور راویوں کي حالت پر غور کرکے صحیح نتائج کا استنباط کریں - ایسا نه کرو که جهاں کوئي افواہ سني ٗ فوراً اسپر یقین کرلیا اور لوگوں میں پهیلانا شروع کردیا -

اب غور کرنا چاهیے که اس آیت میں " اولو الامر" سے مقصود کون لوگ هوسکتے هیں ؟ یه ظاهر هے که ذکر امن و خوف کے حالات کا هے - یعني صلح و جنگ اور فتح و شکست کا - ان حالات کا تعلق صرف حکام و امراء ملک هي سے هوسکتا هے- علما اور فقهاء سے نهیں هوسکتا - معامله نظم ملک و قیام امن کا هے - استنباط مسائل اور حلال و حرام کا نهیں هے - پس لامحاله تسلیم کرنا پڑیگا که اولو الامر سے مقصود وهي لوگ هیں جنکے سپرد ملک کا انتظام اور جنگ و امن کا نظم و نسق هوتا هے ٗ اور جو اُن خبروں کي تحقیق کرسکتے هیں جنکا اثر ملک کے امن و خوف پر پڑسکتا هے - یعني ارباب حکومت و امارت -

ثانیاً ٗ کتاب و سنۃ اور صدر اول کے آثار عربیۃ پر غور کرنے سے معلوم هوتا هے که لفظ " امر" جب ایسي ترکیب کے ساتهه بولا جاے جیسی که یهاں هے ٗ

تو اُسکا اطلاق عموماً حکومت و سلطنت ھی کے معنوں پر ھوتا ھے - احادیث میں یہ استعمال اس کثرت سے موجود ھے کہ ایک صاحب نظر کیلیے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں - نیز لغۃ کی بنا پر بھی ظاھر ھے کہ " امر " کے معنی حکم کے ھیں ' اور " اولی الامر " کے معنی امام بخاری نے " ذوی الامر " کے کیے ھیں - یعنے " حکم والا " اور معلوم ھے کہ صاحب حکم وھی ھوسکتا ھے جو صاحب حکومت ھو -

ثالثاً ' احادیث صحیحہ سے ثابت ھے کہ خود یہ آیت جس واقعہ کی نسبت اتری ' وہ امیر جماعت کی اطاعت ھی کا معاملہ تھا - بخاری و مسلم میں ھے " عن ابن عباس نزلت في عبد الله بن حذافه بن قيس ابن عدي اذ بعثه النبي صلعم في سرية " اور امام طبری نے تفسیر میں ایک روایت درج کی ھے کہ عمار بن یاسر اور خالد بن ولید کی باھمی نزاع کے بارے میں اتری - خالد امیر تھے اور عمار نے بلا اُنکے حکم کے ایک شخص کو مزدوری پر رکھہ لیا تھا " نزلت في قصة جرت لعمار مع خالد وكان خالد اميراً فاجار عمار رجلا بغير امره فتخاصما " دونوں روایتوں سے ثابت ھوتا ھے کہ معاملہ امیر کی اطاعت و عدم اطاعت کا تھا ' نہ کہ احکام و مسائل کے حکم و افتاء کا -

رابعاً ' اکثر اقوال مرویۂ صحابۂ و تابعین سے بھی یہی تفسیر ثابت ھوتی ھے - بلکہ صدر اول میں صرف یہی تفسیر مشہور و معلوم تھی - بہت سی موشگافیاں جو پیدا کی گئی ھیں ' سب بعد کے مفسرین کی طبع زاد ھیں - حافظ ابن حجر نے ابن عیینہ کا قول نقل کیا ھے " سألت زيد بن اسلم عنها و لم يكن بالمدينة احد يفسر القران بعد محمد بن كعب مثله - فقال اقرأ ما قبلها تعرف - فقرأت : ان الله يامر ان تؤدوا الامانات الى اهلها و اذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل - فقال هذه في الولاة " (فتح ۱۳ : ۹۹) یعنی مدینہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم سے بڑھکر قران کا کوئی مفسر نہ تھا - میں نے انسے اس بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے کہا - اس آیت سے ما قبل آیت پڑھو - میں نے پڑھا " ان الله يامر ان تؤدوا الامانات الى اهلها و اذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل " پس کہا کہ مقصود اس سے حکام ھیں - یعنی چونکہ پہلے سے ذکر حکومت و قضا کا ھو رھا ھے ' پس اولو الامر سے مقصود وھی ارباب اقتدار ھیں جو حکومت رکھتے ھوں - طبری نے بسند صحیح حضرۃ ابو ھریرہ اور میمون بن مہران وغیرہ سے

نقل کیا ھے " هم الامراء " اور علامۂ ابن حزم نے اُن تمام صحابۂ و تابعین کو شمار کیا جن سے یہ تفسیر منقول ھے تو ۱۳ - سے زیادہ ثابت ھوے - باقی رھا بعض صحابۂ و تابعین کا یہ کہنا کہ مقصود اھل علم و نظر ھیں - مثلاً جابر بن عبد اللہ کا قول کہ " هم اهل العلم و الخير " اور مجاهد و عطاء و ابو العالیہ کا قول کہ " هم العلماء " تو ان اقوال میں اور صحابہ کی مشہور تفسیر میں کوئي اختلاف نہیں ھے - در اصل اسلام کا نظام حکومت و جماعت تو یہي تھا کہ حکومت و ولایت کا منصب تمام شرعی و علمي قوتوں سے مرکب ھو ' اور اُسوقت تک قوتوں کے انتشار اور مناصب کے تفرقہ کی بنیادیں نہیں پڑي تھیں - پس جو شخص والی ملک اور حاکم مسلمین ھوتا تھا ' وہ بدرجۂ اولی عالم و فقیہ بھی ھوتا تھا - پس جن صحابۂ و تابعین نے " اولو الامر " کي تفسیر میں علم و خیر کا ذکر کیا ' انھوں نے واقعی بہت صحیح تفسیر کی - گویا ظاھر کردیا کہ مسلمانوں کا اولو الامر ایسے ھي افراد کو ھونا چاھیے جو اھل علم و خیر ھوں - مگر اس سے یہ کہاں ثابت ھوا کہ اولو الامر سے مقصود علماء و فقہا کا وہ مخصوص و متعارف گروہ ھے جو اسلام کے نظام جماعت کے انقراض کے بعد پیدا ھوا ' اور جسکا صدر اول کے مفسرین کو وھم و گمان بھی نہ ھوا ھوگا ؟

امام ابن جریر نے عکرمہ کا ایک قول نقل کیا ھے " ابو بکر و عمر " اس سے بھي اُنکا مقصود یہي ھے کہ اولو الامر مسلمانوں کا خلیفۂ و امام ھے - جیسے ابوبکر و عمر - رضي اللہ عنهما

اصل یہ ھے کہ ظہور اسلام سے پہلے حجاز میں ایک طرح کي با قاعدہ طوائف الملوکي قائم تھي ' اور مکہ میں قریش کا قبیلہ بالکل خود مختار اور غیر مسئول تھا - اسلام کا جب ظہور ھوا تو اُس نے " جماعت " اور " امارت " کے نظام پر زور دیا ' اور بڑے بڑے گردن کشوں کو بھي مجبور کردیا کہ اطاعت امیر و التزام جماعت سے باھر نہوں - قریش کي نسلي فطرۃ اس اطاعت کیشي کے خلاف تھی ' اسلیے خصوصیت کے ساتھ اُنکو اس بات کا خوگر بنانا تھا - حافظ عسقلاني نے امام شافعي کا قول نقل کیا ھے " و رجح الشافعي الاول و احتج بأن قريشا كانوا لا يعرفون الامارة و لا ينقادون الى امير ' فامروا بالطاعة لمن ولي الامر ' و لذلک قال صلعم ' من اطاع اميري فقد اطاعني " (فتح ۸ : ۱۹۱)

خامساً ' تاریخ اسلام کے سب سے بڑے فقیه یعني امام بخاري کا بهي مذهب یهي هے - کتاب الاحکام میں باب باندها هے " اطیعو اللـــه و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم " اور اس میں حضرت ابو هریرة کی روایت درج کی هے " من اطـــاع امیري فقد اطـــاعني " الخ جس نے میرے امیر کی اطـــاعت کی اسنے خود میري اطاعت کی - جس نے اُس سے انکار کیا اُس نے خود مجهسے انکار کیا - اس سے معلوم هوا که اُن کے نزدیک اولی الامر کی اطاعت سے مقصود امیر و امام هی کی اطاعت هے - حافظ عسقلاني لکهتے هیں " في هذا اشارة من المصنف الی ترجیح القول الصائر الی أن الآیة نزلت في طاعة الامراء ' خلافا لمن قال نزلت في العلماء " (فتح ۱۳ : ۹۹)

سادساً ' سب سے زیادہ قدیم اور مکمل تفسیر جو اسوقت همارے پاس موجود هے ' وہ امام ابن جریر طبري کي تفسیر هے ' اور صحابۂ و تابعین کي تفاسیر پر اُنکا احاطۂ و نظر معـــلوم ' انهوں نے بهي تمام اقوال نقل کرکے ترجیح اسی تفسیر کو دي هے -

سابعاً ' اس نکته پر نظر رهني چاهیے که تفسیر قران کے معامله میں جسقدر اختلافات کي کثرت اور مذاهب و طرق کا تعدد و تنوع نظر آتا هے ' وہ تمام تر متاخرین کي فلسفیانه کاوش پسندي کا نتیجه هے جبکه معقولات کے شیوع اور یونانیة کے غلبۂ و احاطه سے علوم دینیه میں اُس " تعمق " کي بنیادیں پوري طرح پڑچکي تهیں جسکي نسبت کها گیـا تها که " هلک المتعمقون " - فکر و نظر میں عجمیة کے ظهور ' عربیة خالصۂ و صالحه کے بعد ' اور علوم سنة کے ترک و هجر نے اس معامله کو اور زیادہ گهرا اور وسیع کردیا - لیکن اوائل و سلف میں یه تمام اختلافات یکقلم ناپید تهے - هر آیت اور هر لفظ کے ایک هي صاف اور سادہ معني تهے جو عربي لغة و محاورہ میں هوسکتے هیں اور لوگ اُس پر قانع تهے - ابداع معـــاني کثیرہ اور تفحص اشارات و مفهومات بعیدہ کي کاوش هي نهیں کي جاتي تهي - نه فرضی و تخمیني شکوک و ایرادات گڑهکر نئے نئے معاني فرض کیے جاتے تهے - " اولو الامر " کا لفظ جب کبهي ایک ایسے عرب کے سامنے کها جائیگا جسکي عربیة خالص و صحیح هو ' تو صـــرف ایک هي معني اُس کے ذهن میں آئینگے - یعني صـــاحب حکومت - کسي دوسرے مفهوم کا اسے وهم بهي نهیں گزرے گا - صحابۂ و تابعین اسپر قانع تهے - لیکن امام رازي کي دقیقه سنجي اس سهل پسندي اور لغوي سادگي پر قانع نهیں هوسکتي - اس لیے وہ امکاني مطالب کا وسیع

سے وسیع میدان ڈھونڈھتے ھیں اور ھر ممکن مفہوم کو بحث و نظر کی ورزش کیلیے اختیار کرلینا چاھتے ھیں - پس متاخرین کے اختلافات سے متاثر نہیں ھونا چاھیے - صرف اُسی تفسیر کو اختیار کرنا چاھیے جو حدیث و آثار سے ماخوذ ھو ' اور لغۃ و عربیۃ اسکی تصدیق کرے - متاخرین کی کاوشیں در اصل ایک طرح کا منطقی تفنن ھے جس سے دماغ کو ورزش ملتی اور ذھن میں حدت پیدا ھوتی ھے - لیکن تفسیر قران نہیں ھے - قران کی تفسیر صرف وھی ھوسکتی ھے جو خود حامل قران کے علوم سے ماخوذ ھو' اور اُن لوگوں نے بتلائی ھو جنکے علم و عمل پر خود اللہ نے اپنی رضاء و پسندیدگی کی شہادت دی ھے : رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ! اگر سلف سے اعراض و انکار اس بنا پر ھے کہ اصول فقہ و علم کلام کی یونانی دقیقہ سنجیوں سے نا آشنا تھے ' تو کم از کم قران کا علم تو اُنکے لیے چھوڑ دینا چاھیے - یہ کیا مصیبت ھے کہ قرآن نازل تو ھوا ھو محمد عربی (صلی اللہ علیہ و سلم) پر ' لیکن اُسکے معانی و مطالب اُس وقت تک مسلمانوں کو معلوم نہوں جب تک ارسطوے یونانی اُنکی رھنمائی نہ کرے ؟

امام رازی (رح) وغیرہ کو زیادہ حیرانی اس بنا پر ھوئی ھے کہ اولو الامر کی اطاعت کا ذکر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھہ کیا گیا ھے ' اور عطف تسویہ پیدا کر رھا ھے ' پس اولو الامر ایسا ھونا چاھیے جسکی اطاعت عین خدا کی اطاعت ھو ' سلاطین و امراء کو یہ منصب کیونکر حاصل ھوسکتا ھے ؟ حالانکہ بات بالکل صاف تھی - حیرانی کی کوئی وجہ نہیں قرآن و سنت قانون ھے ' لیکن قانون بالکل بیکار ھے اگر کوئی قوت نافذہ نہو - یعنی اس قانون پر عمل کرانے والی قوت ' اور ظاھر ھے کہ جو قوت نافذہ ھوگی ' اسکی اطاعت عین قوت مقننہ کی اطاعت ھوگی - ایک دھقانی تک جانتا ھے کہ گورنر اور نائب السلطنت کی اطاعت عین پادشاہ کی اطاعت ھے - بلکہ ایک سپاھی کی اطاعت بھی عین قانون اور پادشاہ کی اطاعت ھوتی ھے - اور اس سے مقابلہ کرنا عین قانون اور پادشاہ سے بغاوت کرنا - یہ ساری بحثیں اسلیے پیدا ھوگئیں کہ اسلام کے جماعتی نظام کی اھمیت پر نظر نہ ڈالی گئی - اگر یہ حقیقت پیش نظر ھوتی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے قوام و نظام کیلیے ایک مرکزی اقتدار ناگزیر ھے اور وھی امام اور اُسکے نائب امراء ھیں ' تو اولی الامر کا مطلب بالکل صاف تھا - کسی کاوش و بحث کی ضرورت ھی نہ تھی -

" فان تنازعتم " الخ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اسلامی خلیفہ کا وجود مسیحیت کے پوپ سے کس درجہ مختلف ہے جو اسلام کے نزدیک اربابا من دون اللہ میں داخل ہے - مسیحیت کا خلیفہ' ارضی خلیفہ نہیں ہے - آسمانی و دینی فرمانروا ہے جو مذہب کی آخری طاقت اپنے قبضہ میں رکھتا ہے - لیکن اسلامی خلافت کی اصلی بنا خلافت ارضی یعنی حکومت و سلطنت ہے - وہ صرف شریعت اور امت کی حفاظت کرنے والا اور احکام شریعت نافذ کرنے والا ہے - یعنی محض ایک قوت نافذہ ہے - نہ کہ مقننہ - اسکی ذات کو اصل شریعت اور اسکے احکام میں کوئی دخل نہیں - اگر ایسا نہ ہوتا تو فردوہ الی اللہ و الرسول نہ فرمایا جاتا - یعنی اگر کوئی ایسی صورت پیش آجاے جسمیں نزاع و اختلاف پیدا ہو' تو پھر اسکے آخری فیصلہ کی قوت خلیفہ کا حکم نہیں ہے بلکہ مرکز اولی و حقیقی کا - یعنی قرآن و سنت کا - اور خود خلیفہ بھی اسکی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح جماعت امت کا ہر عام فرد -

یہی وجہ ہے کہ " اطیعوا اللہ " کے بعد پھر اطیعوا الرسول " میں فعل کا اعادہ کیا گیا مگر " اولی الامر " میں نہیں کیا گیا - تاکہ واضح ہوجاے کہ اصل اطاعت جو مطلوب ہے وہ اللہ کی ہے اور رسول کی ہے - یعنی کتاب و سنت کی' اور اولو الامر کی اطاعت صرف اسیلیے ہے تاکہ کتاب و سنت کی اطاعت کی جاے - بالاستقلال نہیں ہے - پھر " فان تنا زعتم " کہکر اور زیادہ واضح کردیا کہ اگر اولو الامر کتاب وسنت کے خلاف حکم دے تو پھر اس حکم میں انکی اطاعت نہیں ہے - اللہ اور اسکے رسول ہی کے حکم کی طرف لوٹنا چاہیے - قالہ الطیبی فی الشرح -

بعض امراء بنو امیہ نے اپنے مظالم و بدعات کی اطاعت کرانے کیلیے جب اس آیت سے استدلال کیا اور کہا " الیس اللہ امرکم ان تطیعونا فی قولہ و اولی الامر منکم " ؟ کیا خدانے تم لوگوں کو ہماری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے کہ و اولی الامر منکم ؟ تو بعض آئمۂ تا بعین نے کیا خوب جواب دیا " الیس قد نزعت عنکم بقولہ فان تنا زعتم " ؟ ہاں' مگر پھر اس منصب سے تم محروم بھی تو کردیے گیے جب فرمایا کہ فان تنا زعتم فی شی فردوہ الی اللہ والرسول -

غرضکه اس ایة کریمه میں قرآن نے اس قانون شریعت کا اعلان کیا ھے که خلیفۂ و امام کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ھے ' اور اسي کا وجود نظام جماعت کا مرکزي اقتدار ھے -

فصل

(شـرح حدیث حارث اشعري)

احادیث صحیحه سے اسکي مزید توضیح هوتي ھے - اس بارہ میں اس کثرت کے ساتھہ حدیثیں موجود هیں' اور عهد صحابه سے لیکر عهد تدوین کتب تک مختلف طبقات رواۃ و حفاظ میں اسقدر اُنکی شهرت رهچکي ھے که اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت کے بعد شاید هي کوئي اور چیز اس درجه تواتر و یقین تک پہنچي هوگي -

سب سے پہلے میں مسند امام احمد وغیرہ کي ایک روایت نقل کرونگا جسمیں بالترتیب اسلام کا نظام عمل بیان کیا گیا ھے :

قال صلی الله علیه وسلـــم : " انا امرکم بخمس ' الله امرني بهن : الجماعـــة ' و السمع ' والطاعـــه ' والهجرة ' والجهاد في سبیل الله - فانه من خرج من الجماعة قید شبر' فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان یراجع' و من دعا بدعوي جاهلیة فهو من جثي جهنم - قالوا یا رسول الله و ان صام وصلي ؟ قال و ان صلی وصام و زعم انه مسلم " اخرجه احمد و الحاکم من حدیث " الحارث الاشعري علی شرط الصحیحین - قال ابن کثیر هذا حدیث حسن و له الشواهـــد -

یعني فرمایا - میں تم کو پانچ باتوں کیلیے حکم دیتا هوں جنکا حکم الله نے دیا ھے - جماعت ' سمع ' طاعة ' هجرة ' اور الله کي راہ میں جهاد - یقین کرو که جو مسلمان جماعت سے ایک بالشت بھر بھي باهر هوا تو اس نے اسلام کا حلقه اپني گردن سے نکال دیا ' اور جس نے اسلام کي جماعتي زندگي کي جگه جاهلیة کي بے قیدي کي طرف بلایا تو اُسکا ٹھکانا جهنم ھے - لوگوں نے عرض کیا - کیا ایسا شخص جهنمي هوگا اگرچه روزہ رکھتا هو اور نماز پڑھتا هو؟ فرمایا هاں - اگرچه روزہ رکھتا هو' نماز پڑھتا هو' اور اپنے زعم میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا هو -

اس حدیث میں پانچ باتیں بتلائی ھیں :

(۱) پہلی چیز "جماعت" ھے - یعني تمام اُمت کو ایک خلیفه و امام پرجمع هوکر اور اپنے مرکز قومی سے جڑ کے رهنا چاهیے- الگ الگ نهیں رهنا چاهیے - آگے چلکر کثرت کے ساتھه وه حدیثیں ملینگي جن سے معلوم هوگا که جماعت سے الگ هوکر رهنے کو یا ایسي منتشر زندگي کو جو ایک بندھي اور سمٹي هوئي جماعت کي شکل نه رکھتي هو اور کسي امیر کے تابع نهو' اسلام نے غیر اسلامي اور ابلیسي راه قرار دیا ھے - انفرادي زندگي کو وه زندگي هي نهیں مانتا - اسلامي زندگي "جماعت" ھے -

" جماعت " سے مقصود افراد کا ایک ایسا مجموعه ھے جس میں اتحاد ' ائتلاف ' امتزاج ' اور نظم هو -

" اتحاد" سے مقصود یه ھے که اپنے اعمال حیات میں منتشر نهوں - ایک دوسرے سے ملے هوے هوں اور انکے تمام اعمال مل جلکر انجام پائیں - کسي گوشۂ عمل میں بھي پھوٹ اور بیگانگي نهو-

" ائتلاف " کا مرتبه " اتحاد " سے بلند تر ھے - " اتحاد " صرف باهم مل جانا ھے - ضرور نهیں که کسی تناسب کے ساتھه ترکیب هوئی هو- لیکن " ائتلاف " سے مقصود ایسا اتحاد ھے جو محض اتحاد هی نه هو بلکه ایک صحیح و مناسب ترکیب کے ساتھه اتحاد هو- یعنے منتشر افراد اسطرح باهم ملے هوں که جس فرد کو اسکی صلاحیت و قوت کے مطابق جو جگه ملنی چاهیے ' وهي جگه اُسے ملی هو- اور هر فرد کي انفرادی قوت کو جماعتی ترکیب میں اُتنا هی دخل دیا جاے ' جتنی مقدار میں دخل پانے کی اسمیں استعداد هو- ایسا نهو که زید کو سردار هونا چاهیے اور اس سے چاکري کا کام لیا جاے ' اور عمرو کی قابلیت کا عنصر صرف چھٹانک بھر جزو جماعت هونے کی صلاحیت رکھتا ھے - اسکو سیر بھر قرار دیدیا جاے -

" امتزاج " ترکیب کا تیسرا مرتبه ھے - اسمیں کمیت سے زیاده کیفیت کا اتحاد هونا چاهیے - یعنی مختلف افراد کو باهم اسطرح ملایا جاے که جس فرد کا اجتماعي مزاج جس قسم کے مزاج کے ساتھه ملکر ایک متحده کیفیت حاصل کرسکتا ھے ' ویسا هي مزاج اسکے ساتھه ملایا جاے - یه نهو که دو ایسے آدمیوں کو ملا دیا گیا جنکي طبیعت و خصلت اور استعداد و صلاحیت باهمدگر میل نهیں کھا سکتي اور اسلیے خواه کتنا هي دونوں کو

ملاؤ، لیکن تیل اور پانی کی طرح همیشه الگ الگ هی نظر آئیں، باهم ملکر ایک جان نه هو جائیں- الله تعالی نے جس طرح عناصر کو اسلیے پیدا کیا هے که باهمدگر ملکر ایک نئے مرکب وجود میں متشکل هوں، اسی طرح افراد انسانی کو بهی اسلیے پیدا کیا تاکه آنکے باهم ملنے سے جماعت پیدا هو- "جماعت" ایک مرکب وجود هے - افراد اسکے عناصر هیں - فرد بجاے خود کوئی کامل وجود نہیں رکھتا - محض ایک مثنی هے، اور جب تک اپنے بقیه ٹکروں سے مل نه جاے کامل وجود نہیں پاسکتا - لیکن یه باهم ملنا "امتزاج" کے ساتهه هونا چاهیے - تا که هر ٹکرہ اپنے صحیح و مناسب ٹکرہ کے ساتهه ملکر اسطرح جڑ جاے که معلوم هو، یه نگینه اسی انگشتری کے لیے تها !

"نظم" سے مقصود جماعت کی وہ ترتیبی و تقویمی حالت هے جب اسکے تمام افراد اپنی اپنی جگهوں میں قائم، اپنے اپنے دائرہ میں محدود، اور اپنے اپنے فرائض و اعمال کے انجام دینے میں سرگرم هوں -

اجتماع کے یه خواص و اوصاف نه تو حاصل هوسکتے هیں، نه قائم رہ سکتے هیں، جب تک کوئی بالا تر فعال و مدبر طاقت وجود میں نه آے، اور وہ منتشر افراد کو ایک متحد، مؤتلف، ممزوج، اور منظم جماعت کی شکل میں قائم نه رکھے - پس ایک "امام" کا وجود ناگزیر هوا، اور اسی لیے ضروری هوا که سب سے پہلے تمام افراد ایک ایسے وجود کو اپنا امام و مطاع تسلیم کر لیں جو بکهرے هوے اجزاء کو اتحاد و ائتلاف اور امتزاج و نظم کے ساتهه جوڑ دینے اور اڑتے هوے ذروں سے ایک حی و قائم جماعتی وجود پیدا کردینے کی قابلیت رکهتا هو - اصل مرکز اس طاقت کا امام اعظم یعنی خلیفه هے - اور پهر هر ملک، هر آبادی، هر گروہ میں اسکے ماتحت امام جماعت هونے چاهئیں - مسلمانوں کے کسی چهوٹے سے چهوٹے گروہ کیلیے بهی شرعاً جائز نہیں که بلا قیام امام کے زندگی بسر کریں - حتی که اگر صرف تین مسلمان بهی هوں، تو چاهیے که ایک ان میں سے امام تسلیم کرلیا جاے - "اذا کان ثلاثة فی سفر، فلیؤمروا احدهم"

پانچ وقت کی جماعت نماز میں جماعتی نظام کا پورا پورا نمونه مسلمانوں کو دکهلا دیا گیا - کیونکه نماز هی وہ عمل عظیم هے جو اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا جامع ترین نمونه هے - کس طرح سیکڑوں هزاروں منتشر افراد مختلف مقاموں، مختلف جہتوں، مختلف شکلوں، اور مختلف

انباسری میں آتے ھیں ' لیکن یکایک صداے تکبیر سب کے انتشار کو ایک کامل اتحادي جسم میں تبدیل کردیتي ھے - یہانتک کہ ھزاروں اجزاء کا یہ منتشر مواد بالکل ایک جسم واحد کي صورت اختیار کرلیتا ھے - سب کے وجود ایک ھي صف میں جڑے ھوے ' سب کے کاندھے ایک دوسرے سے ملے ھوے ' سب کے قدم ایک ھي سیدھہ میں ' سب کے چہرے ایک ھي کي جانب - قیام کي حالت ھے تو سب ایک جسم واحد کي طرح کھڑے ھیں ' جھکاؤ ھے تو تمام صفیں بہ یک وقت جھکي ھوئي ھیں - ظاھر کے ساتھہ باطن بھي یکسر متحد و ممزوج - سب کے دل ایک ھي کي یاد میں محو ' سب کي زبانیں ایک ھي کے ذکر میں مترنم - پھر دیکھو ' سب کے آگے صرف ایک ھي وجود امام کا نظر آتا ھے جسکے اختیار میں جماعت کے تمام اعمال و افعال کي باگ ھوتي ھے - جب چاھے سب کو جھکا دے - جب چاھے سب کو اُٹھا دے -

اسلام کي زبان میں " جماعت " سے مقصود ایسا اجتماع ھے - انبوہ اور بھیڑ کا نام جماعت نہیں ھے -

جماعت کے جن اوصاف و خواص کا اوپر ذکر کیا گیا ' وہ تمام تر قرآن و سنت سے ماخوذ ھیں - لیکن شواھد کي تفصیل کا یہ موقعہ نہیں -

(۲) دوسري چیز " السمع " ھے - یعني امام جو احکام دے ' اُسکو سننا ' اور اس سے تعلیم و ارشاد حاصل کرنا - " سمع " کے لفظ میں قبولیت احکام و طلب تعلیم ' دونوں کي طرف توجہ دلائي ھے اور امام کي معلمانہ حیثیت کو نمایاں کیا ھے -

(۳) تیسري چیز " طاعت " ھے - یعني امام کي کامل درجہ اطاعت و فرماں برداري ' اور اپني تمام عملي قوتوں کو اُس کے سپرد کردینا ' اور اس کے ھر حکم کي بلا چون و چرا تعمیل کرنا - البتہ اطاعت معروف میں ھے - نہ کہ معصیت میں کہ " انما الطاعة في المعروف "

(۴) چوتھي بات " ھجرۃ " ھے - ھجرۃ ھجر سے ھے جسکے معنی ترک کردینے اور چھوڑ دینے کے ھیں " الهجر والهجران مفارقة الانسان غيرہ ' اما بالبدن او باللسان او بالقلب - و المهاجرۃ' مصارمة الغير و متاركة " (۵۵۸) اسلام کي اصطلاح میں جب کبھي کوئي فرد یا جماعت سعادت و صداقت کے کسي مقصد اعلی کیلیے اپني دنیوي محبوبات و مالوفات ترک کردے - مثلاً دولت کو ' آرام و راحت کو ' عزیز و اقرباء کے قرب کو ' وطن و مکان کو ' تو اسکا نام

ہجرۃ الی اللہ اور ذہاب الی اللہ ہے - خدا کے ہر رسول اور انکے پیرؤں کو قیام حق کی راہ میں یہ منزل طی کرني پڑي : اني مہاجر الی ربي - اور اني ذاہب الی ربي - چونکہ وطن و مکان کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جسکے ترک کرنے میں اہل و عیال ' مال و متاع ' دوست و احباب ' ہر طرح کے علاقوں کو ترک کردینا پڑتا ہے ' اور اسکي محبت و الفت کي زنجیر اور ساري زنجیرون سے بھاري ہے ' اسلیے ترک وطن کي ہجرۃ اعلی اور جامع قسم کي ہجرۃ ہوئي ' اور زیادہ تر مہاجرۃ کا اطلاق تارکین وطن ہي پر کیاگیا - " ولکل امري ما نوي - فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ ' فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ' و من کانت ہجرتہ لدنیا یصیبہا ' اوامرأۃ یتزو جہا ' فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ" (بخاري عن عمر رض) یعني ہر شخص کیلیے وہ ہے جسکي اس نے نیت کي - پس جس نے اللہ اور اسکے رسول کیلیے ہجرۃ کي تو اسکي ہجرۃ اللہ اور اسکے رسول کیلیے ہوئي ' اور جس نے اسلیے گھر چھوڑا کہ دنیا کماے یا نکاح کرے ' تو اسکي ہجـــرۃ اسي کام کیلیے ہوئي جسکے لیے اس نے گھر چھوڑا - پھر ہجرۃ کے بھي اقسام ہیں اور مراتب - بعضہا فوق بعض - کتاب و سنت اسکي تفصیل سے لبریز ہیں - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں -

پانچویں چیز "جہاد في سبیل اللہ " ہے - "جہاد" جہد سے ہے جسکے معنی " استفراغ الوسع في مدافعۃ العدو ظاہراً و باطناً " ہیں (مفردات راغب) یعني دشمن اور دشمن کي تمام قوتوں کے دور کرنے اور اپنے کو قائم وباقي رکھنے کیلیے انتہا درجہ کي کوشش کرنا - یہ کوشش زبان سے بھي ہوتي ہے - مال سے بھي ہوتي ہے - جان سے بھي ہوتي ہے - جس قسم کي کوشش کي ضرورت ہو - ہر قسم جہاد في سبیل اللہ میں داخل ہے - " و جاہدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم " (رواہ ابوداؤد ' و احمد ' و نسائي ' و ابن حبان ' عن انس)

یہ کہنا ضروري نہیں کہ یہي پانچ چیزیں دنیا میں قوموں اور ملکوں کے بقاؤ قیام کي اصلي بنیاد ہیں - دنیا میں کوئي قوم زندہ نہیں رہسکتي جسکي قومي ہستي ان پانچ عنصروں سے مرکب نہو - سعي و عمل کا کوئي گوشہ ہو ' کامیابي بغیر ان اصول خمسہ کے نہیں مل سکتي - تم مٹھي بھر گیہوں کے طالب ہو یا قطب شمالي کي تحقیق کے ' مگر کوئي چیز بھي بغیر

جماعت، اطاعت، ہجرۃ، اور جہاد کے حاصل نہ ہو سکیگی - دنیا نے آجتک جو کچھہ پایا ہے، غور کروگے تو وہ سب انہی پانچ سچائیوں کے ثمرات و نتائج ہیں -

دنیا کے تمام نزاعات و اختلافات کی ایک سب سے بڑی علت حقیقت کی وحدت اور اسماء و مصطلحات کی کثرت ہے - طلب صداقت کے اکثر جھگڑے حکایت شہد و عسل سے زیادہ نہیں - یعنی سچائی ہر جگہ اور ہر گوشۂ عمل میں حقیقت و مسمی کے اعتبار سے ایک ہی ہے، لیکن بھیس مختلف ہوگئے ہیں اور نام متعدد - مصیبت یہ ہے کہ دنیا معانی کی جگہ لفظوں کی پرستش کرتی ہے، اور گو سب طلبگار و پرستار ایک ہی حقیقت کے ہیں، لیکن محض ناموں کے اختلاف کی وجہ سے باہمدگر لڑ رہے ہیں - ایک کہتا ہے شہد - دوسرا کہتا ہے عسل - مگر کوئی نہیں جو دونوں کو سمجھا دے کہ مقصود دونوں کا ایک ہی ہے - اختلاف مسمی میں نہیں ہے - صرف اسم میں ہے - ایک شخص شب و روز ایک حقیقت کو مانتا اور جانتا ہے، لیکن اپنی اصطلاح و رسم میں کسی خاص لقب سے پکارتا ہے - وہی حقیقت جب ایک دوسرے نام سے اسکے سامنے پیش کی جاتی ہے تو فوراً انکار کردیتا ہے اور اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس سے ہر طرح نفرت کرے - مذاہب کے اختلافات سے لیکر معاشرت و رسوم کے چھوٹے چھوٹے اختلافات تک، ہر جگہ یہی علت کام کر رہی ہے - اگر کبھی ایسا ہوسکے کہ ظواہر و اسماء کے تمام پردے اٹھادیے جائیں اور حقیقت بے نقاب ہوکر سب کے سامنے آ جاے، تو یکایک دنیا کے تمام نزاعات ختم ہو جائیں، اور تمام لڑنے والے دیکھہ لیں کہ سب کا مطلوب ایک ہی ہے اگرچہ بھیس مختلف ہیں، اور سب کا مقصود ایک ہی ہے اگرچہ نام بہت سے ہیں:

عباراتنا شتی و حسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر!

علوم و حقائق کے مشاہد و مناظر میں یہ مشہد سب سے اعلی و ارفع مقام رکھتا ہے - اسی کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "علم الجمع بین المختلفات" سے تعبیر کرتے ہیں (۱) اور عامۂ اصحاب اشارات

---

(۱) تفہیمات میں لکھتے ہیں "لما تمت بی دورۃ الحکمۃ، البسنی اللہ خلعت المجددیۃ، فعلمت علم الجمع بین المختلفات"

و سلوک نے "مشہد وحدۃ" کی اصطلاح اختیار کی ہے جو سالک طریق کیلیے کشف حجب اور سیر حقائق کا سب سے بلند تر مقام ہے - مقصود اس سے وہ قوت نظر و فکر ہے جو ظواہر سے گزرکر حقیقت تک پہنچ جاے' اور اسماء و تعبیرات کے اختلافات دور کرکے مقاصد و معانی کا اتحاد معلوم کرلے - بعدیکہ سارے نزاعات و اختلافات دور ہو جائیں' اور سخت سے سخت منازع و متضاد راہوں پر چلنے والے بھی دیکھہ لیں کہ اصل مطلوب دونوں کا ایک ہی ہے -

اس اصل کو پیش نظر رکھکر اگر غور کروگے تو واضح ہو جائیگا کہ جماعت' تعلیم' اطاعت' ہجرت' اور جہاد' دنیا کی وہ عالمگیر صداقتیں ہیں' جنکی حقیقت سے کسی فرد بشر کو انکار نہیں ہوسکتا - دنیا کی کوئی صالح جماعت ایسی نہیں ہے جس نے انسے الگ رہکر کامیابی حاصل کی ہو - ہر عقل نے انکا اقرار کیا ہے' ہر دل میں انکا اعتقاد موجود ہے' اور ہر عامل جماعت شب و روز انپر عمل کر رہی ہے - البتہ ناموں کے اختلاف نے ساری اُلجھن ڈال دی ہے - اسلام نے جن ناموں سے انکو تعبیر کیا ہے' انسے دنیا کو اختلاف ہے' لیکن اسلام جن حقیقتوں کو پیش کرتا ہے' انسے دنیا اختلاف نہیں کرسکتی - اگر کرے تو زندگی اور مراد سے محروم ہو جاے -

اس نظام میں پہلی چیز "جماعت" ہے جسکی مختصر تشریح اوپر گزر چکی - غور کرو' دنیا کا کونسا کام ایسا ہے جسکو بلا اجتماع و جماعت کے انجام دیا جاسکتا ہے؟ جماعت کی زیادہ دقیق اور فلسفیانہ تعریف چھوڑ دو - صاف اور سیدھے سادے معنی جو ہوسکتے ہیں' صرف اُنہیں پر غور کرلو - سوسائٹی' پارٹی' کمیٹی' کلب' انجمن' کانفرنس' پارلیمنٹ' بلکہ قوم' ملک' فوج' ان سب سے مقصود کیا ہے؟ یہی کہ "جماعت" اور "التزام جماعت" - وحشی قوموں تک کو دیکھتے ہو کہ جنگل کے درختوں کے نیچے اکٹھے ہوجاتے ہیں' اور مل جلکر اپنے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں - پھر جماعت بے سود ہے اگر اسکا نظام نہو اور کوئی سردار و رہنما نہو - تم پانچ آدمیوں کی بھی کوئی مجلس منعقد کرتے ہو' تو سب سے پہلے ایک پریسیڈنٹ کا انتخاب کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جب تک کسی کو صدر مجلس نہ مان لینگے' یہ پانچ آدمیوں کی مجلس بھی باقاعدہ کام نہ کرسکیگی - فوج ترتیب دیتے ہو تو دس آدمیوں کو بھی بغیر ایک افسر کے نہیں چھوڑتے -

اسکي اطاعت ماتحتوں کیلیے فرض سمجھتے هو اور یقین کرتے هو کہ بغیر اسکے فوج کا نظام قائم نہیں رهسکتا - پانچ دس آدمي بھي اگر بغیر امیر کے کام نہیں کرسکتے تو قومیں کیونکر اپنے فرائض بلا امیر کے انجام دے سکتي هیں ؟ اس سے بھي سادہ تر مثال یہ ھے کہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کو دیکھو ! خود تمھارا گھر بھي تو ایک چھوتي سي آبادي ھے ؟ اگر بیوي تمھارا حکم نہ مانے تو تم کیوں بگڑتے هو ؟ اگر گھر کے لوگ تمھارے کہنے پر نہ چلیں ' تو تم کیوں لڑتے هو ؟ تم کہتے هو کہ فلاں گھر میں امن و انتظام نہیں - روزخانہ جنگي هوتي ھے - یہ سب کیوں ھے ؟ صرف اسلیے کہ " الجماعــة ' و السمــع ' و الطاعــة " کوئي جماعت امن و نظم نہیں پاسکتي جب تک اسکا کوئي امیر نہو ' اور جب تک امیر کي اطاعت نہ کي جاے - گھر اور خاندان بھي ایک چھوتي سي جماعت ھے - تم گھر کے بڑے هو - یعني امیر هو - پس گھر کي عافیت و کامیابي اسپر موقوف ھے کہ سب تمھاري سنیں اور تمھارے کہے پر چلیں -

" هجرت " کا لفظ کسقدر تمھارے لیے نا آشنا اور نا مانوس ھے ؟ تم سمجھتے کہ یہ دنیا کے اُس عہد جہل و وحشت کي یادگار ھے جب مذهبي جذبات کي بر انگیختگي نے تمــدني احساسات کو مغلوب کردیا تھا ' اور انسان دین پرستي کے جنون میں اپني عقلي و تمدني زندگي تک کو قربان کردیتا تھا - لیکن بتلاؤ ' اب دنیا کي اعلی سے اعلی علمي و تمدني ترقیاں بھي تم کو جس راہ کي طرف بلا رهي هیں ' وہ " هجرت " کي حقیقت سے کب خالي هیں ؟ اور خود علم و تمدن کا تمام ذخیرۂ عروج بھي کس عملي حقیقت کا نتیجہ ھے ؟ " هجرت " سے مقصود یہ ھے کہ اعلی مقاصد کي راہ میں کمتر فوائد کو قربان کردینا ' اور حصول مقاصد کي راہ میں جو چیزیں حائل هوں ' اُن سب کو ترک کردینا - خواہ آرام و راحت هو ' مال و دولت هو ' نفساني خواهشیں هوں ' حتی کہ قوم هو ' ملک هو ' وطن هو ' اهل و عیال هوں ' سب کو چھوڑ دینا - پھر بتلاؤ ' علم و عمل کا کون گوشہ ھے جس میں کامیابي بغیر اس جذبہ کے ملسکتي ھے ؟ انسان کي مطلوبات میں سے کوئي چھوتي سے چھوتي چیز بھي ایسي بتلاسکتے هو جو بلا هجرت کے مقام سے گذرے اُسنے پالی هو ؟ یہ دنیا کي علمي و تمدني ترقیاں ' حیرت انگیز اکتشافات ' انقلاب انگیز ایجادات ' دولت کي فراواني ' تجارت کي عالمگیري ' نئي نئي آبادیوں کا قیام ' طرح طرح کے وسائل معیشت و فلاح کا ظہور ' پھر

ملکوں کا عروج ' قوموں کی بالا دستی ' تمدن کی وسعت ' فی الحقیقت انسان کے کس عمل حق کے نتائج و ثمرات ہیں ؟ اگر کچھ نظری چھوڑ دو تو معلوم کرلوگے کہ صرف عمل ہجرت کے - اگرانسان اور انسانونکی جماعتوں نے طلب مقاصد و عزائم میں ہزاروں قربانیاں نہ کی ہوتیں ' ہر طرح کے آرام و راحت سے مفارقت نہ کرجاتے ' اپنی ساری خواہشوں او ر ولولوں کو ترک نہ کردیتے ' گھر کے عیش ' اهل و عیال کی محبت ' خویش و یگانہ کی الفت ' او ر ملک و وطن کی دامنگیریوں سے بالکل آزاد ہوکر راہ ہجرت میں قدم نہ اٹھاتے ' تو آج دنیا میں علم کی جگہ جہل ہوتا ' تمدن کی جگہ وحشت ہوتی ' آبادیوں کی جگہ جنگل ہوتے ' او ر ان تمام ترقیوں میں سے ایک ترقی بھی کرۂ ارضی کی پیٹھہ پر نظر نہ آتی - دنیا میں جس قدر علوم وفنون موجود ہیں ' اُن سب کی تکمیل کیونکر ہوتی اگر ولولۂ ہجرت سے انسان کا قلب خالی ہوتا ؟ کتنے ہی انسانوں نے اپنے گھروں اور وطنوں سے ہجرتیں کی ہیں ' دنیا کے ایک ایک گوشہ ایک ایک چپہ کو چھان مارا ہے ' جب کہیں جا کر فن طب کی تکمیل ہوئی ہے اور ادویۂ و اشیاء کے خواص کا علم مکمل ہوا ہے - اگر مہاجرین علم کے قافلے اپنے اپنے گوشوں سے نہ نکلتے ' اور گھر کے آرام و راحت کی جگہ سفر و غربت کی صعوبتیں گورا نہ کرلیتے ' تو اشیــــاء کی تحقیق کیونکر ہوتی ؟ پیدا وار کی معلومات کیونکر تکمیل پاتی ؟ جغرافیــہ کیونکر وجود میں آتا ؟ علم الحیـــات کے تجارب کی جزئیـــات کیونکر جمع ہوسکتیں ؟ نئی نئی ایجادات اور اکتشافات کی کس طـــرح راہ کھلتی ؟ کولمبس اگر ہجرت نہ کرتا ' تو آج دنیا کا نصف تمدن ناپید تھا - یورپ اگر ہجرت نہ کرتا تو آج نیویارک اور واشنگٹن کی سر بفلک عمارتوں کا وجود نہ ہوتا - اگر یورپ کی قومیں اپنے ملکوں سے مہاجرت نہ کرتیں ' تو آج تمام دنیا کی دولت اُن کے گھروں میں کھنچکر نہ جاتی - یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اگر صرف قطب شمالی کی تحقیق کے لیے مہـــاجرین کشف کے ڈیڑہ سو قافلے یکے بعد دیگرے نکلیں ' اور یکسر قربان و ہلاک ہو جائیں ' تو تم کہو کہ یہ تحقیق علم کا کمال اور جذبۂ نوع پرستی کی انتہـــا ہے ' لیکن اگر اُسی چیز کو اللہ کی شریعت ایک جامع تر لفظ " ہجرت " سے تعبیر کرے ' تو تم اسکا انکار کردو ؟ تمہارے نزدیک یہ تو تمدن ہے کہ دریاے نیل کا مخرج دریافت کرنے کیلیے سیکڑوں انسان اپنا گھر بار چھوڑ دیں اور ہلاک ہو جائیں ' لیکن یہ وحشت ہے کہ قیام حق اور اشاعت

صداقت کي راه ميں الله کے بندے ترک وطن کريں ؟ اگر نيوٹن اپني راتوں کي نيند اور بستر کي راحت چھوڑ دے تاکہ " کشش ثقل " کا قانون دريافت کرلے ' تو تم اسکي پرستش کرو اور کہو کہ يہ علم پرستي هے - ليکن اگر تم عزم و طلب کے ايسے هي پرستار هو تو اُس عازم صادق کيليے کيا کہتے هو جو قانون کشش ثقل کيليے نہيں بلکہ قانون نجات عالم کيليے اپنا گھر بار چھوڑ ديتا هے اور کہتا هے کہ يہ حق پرستي هے ؟

آج تمام يورپ قومي ترقي اور ملکي استحکام کي سب سے بڑي بنياد " کالونيل سستم " کو يقين کرتا هے - يعني نو آباديوں کے اصول کو ' اور اسکا اس درجہ پرستار هے کہ صرف اسي کي خاطر پانچ سال تک دنيا کو عالمگير جنگ و قتال ميں مبتلا رکھتا هے - ليکن نو آباديوں کے اُصول کے کيا معني هيں ؟ يہي کہ ترک وطن کرکے اپني نئي نئي آبادياں قائم کرنا ' اور قومي دولت و طاقت کو بڑھانے کيليے دنيا ميں دور دور تک پھيل جانا - اب غور کرو کہ يہ وهي "هجرت" اور ترک وطن کي بات هوئي يا نہيں ؟ اور " الجماعة ' و السمع ' و الطاعة ' و الهجرة " پر دنيا عمل کررهي هے يا نہيں ؟ نام مختلف هيں مگر حقيقت ايک هي هے -

"جہاد" کے معني يہ هيں کہ دفع اعداء ميں اپني جان و مال سے کمال درجہ سعي و محنت کرنا - کيا دنيا ميں کوئي قوم ' کوئي ملک ' کوئي جماعت ' کوئي قبيلہ ' کوئي خاندان ' کوئي گھر ' کوئي انسان ' بلکہ کوئي وجود اور زندگي بغير جہاد کے زندہ و قائم رهسکتي هے ؟ کون هے جو زندہ رهنا چاهتا هے اور جہاد نہيں کرتا ؟ جس چيز کو تم هزاروں ناموں اور لفظوں ميں بولتے هو اور کارزار هستي ميں بقاؤ قيام کي اصلي بنياد سمجھتے هو ' اُسي کو اسلام نے ايک جامع لفظ " جہاد " سے تعبير کيا هے - اگر تم سے ڈارون اور رسل ريليس تنازع البقاء (Struggle for existence) اور انتخاب طبيعي (Natural Selectian) اور بقاء اصلح (Survival of the fittest) کا ذکر کرتے هيں اور کہتے هيں کہ اس کارزار حيات ميں بقا صرف اصلح و امثل کيليے هے ' تو تم پوري طرح کان دھرتے هو ' اور فطرة کے قتل و غارت کا افسانۂ خونين تم کو پريشان خاطر نہيں کرتا - ليکن اُسي حقيقت کو قرآن و اسلام زيادہ مکمل شکل ميں بيان کرتا هے - وہ کہتا هے کہ جو قانون الهي زمين کے کيڑوں مکوڑوں تک پر نافذ هے ' اُس سے جمعيت بشري کيونکر بري هوسکتي هے ؟ پس دنيا ميں

اُسي قوم کو باقي رهنا چاهیے جو حق و هدایت کے اعتبار سے اصلح هو۔ غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا چاهیے اور قانون الهي کا هاتهه بنکر مٹا دینا چاهیے - هدایت یافته اقوام کا یه حق هے که غیر هدایت یافته قوموں پر غالب آئیں : لیظهره علی الدین کله - پهر اس بات پر تم کیوں مضطرب هوتے هو؟ کیوں اس قدرتي قانون هستي کے ذکر میں تم کو قتل و غارتگری کي دهشت ناکي نظر آتي هے؟ یورپ کي قومیں تمام دنیا کو اپني نو آبادیوں سے بهر دیں ' اور کهیں که افریقه کے وحشیوں کي جگه هم متمدن اقوام زیاده خدا کي زمین کي حقدار هیں - اسکو تو تم گوارا کرلو' لیکن اگر اسلام کهے که " ان الارض لله و لرسوله " خدا کي زمین حق پرستوں کیلیے هے - کفر و ضلالت کے پرستاروں کیلیے نہیں هے ' تو تم اسکو وحشت اور خوفناکي کهو؟

فصل

(جماعت و التزام جماعت)

یہاں ایک اور اهم اور قابل غور امر یه بهی هے که اس حدیث اور نیز دیگر احادیث میں همیشه جماعت اور اطاعت خلیفه کي زندگي کو اسلامي زندگي قرار دیا هے اور اسکے عکس کو جاهلیة - جاهلیة کي زندگي میں هلاکت کا اصلي تخم کیا تها؟ قرآن نے واضح کیا هے که تفرقه اور باهم دگر علحدگي ' اور کسي ایک مرکزي قوت کے ماتحت نہونا - اسلام نے ظاهر هوکر زندگي کي جو تخم ریزي کي ' وہ کیا تهي؟ باهمي اتحاد و ائتلاف - تمام منتشر افراد کو ایک متحده جماعت بنا کر نفس واحده کردیا او ر سب کے سر ایک هي چوکهٹ پر جهکادیے : واذکروا نعمت الله علیکم اذ کنتم اعداً ' فالف بین قلوبکم ' فاصبحتم بنعمته اخوانا - و کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها " الخ -

پس جاهلیة کا دوسرا نام تفرقة هوا ' او ر اسلام کا دوسرا نام جماعت اور التزام جماعت - یهي وجه هے که تمام احادیث میں یه حقیقت واضح کي گئي ' اور اعلان کیا گیا که جو شخص جماعت اور اطاعت امام سے الگ هوگیا '

گویا وہ اسلام سے خارج ہوگیا - اسکي موت اسلام پر نہیں بلکہ جاہلیۃ پر ہوگي- اگرچہ نماز پڑھتا ہو' روزہ رکھتا ہو' اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو- مزید احادیث میں سے بعض روایات صحاح یہ ہیں :-

" من اطاعني فقد اطاع اللہ ' و من اطاع امیري فقد اطاعني ' و من عصی امیري فقد عصاني " (صحیحین عن ابي ہریرۃ) جس نے میري اطاعت کي ' اُس نے اللہ کي اطاعت کي ' اور جس نے میرے امیر کي (یعنے میرے نائب کي) اطاعت کي ' اسنے خود میري اطاعت کي ' اور جس نے امیر سے روگردانی کي' اس نے میري اطاعت سے انکار کیا - یعني امیر المـــومنین کي اطاعت عین رسول کي اطاعت ہے - مسلم کي ایک روایت میں " امیري " کي جگہ صرف " الامیر " ہے - یعني جو شخص مسلمانوں کا امام ہو' اُسکي اطاعت -

" اِسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشي کان راسہ زبیبۃ " (صحیحین عن انس) اگر ایک حقیر صورت حبشي غلام بھي تمھارا امیر بنا دیا جاے ' تو چاھیے کہ اسکي سنو اور اطاعت کرو -

معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بار بار اور کثرت سے خطبوں میں آپ فرماتے تھے - اسي لیے مختلف لفظوں میں اور مختلف مواقع کي نسبت مروي ہے - حجۃ الوداع کے عظیم الشان اور یادگار عالم موقعہ پر (جبکہ دو تین ماہ کے بعد آپ دنیا سے تشریف لیجانے والے تھے اور ایک آخري اور وداعي پیام دنیا کو سنا رہے تھے) فرمایا " و لو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ ' اسمعوا و اطیعوا " (مسلم) اگر ایک حبشي غلام بھي تم پر امیر بنا دیا جاے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھہ تم پر حکومت کرے ' تو اُسکي سنو اور اطاعت کرو !

" من خرج من الطاعہ و فارق الجماعہ ' فمات ' مات میتۃ جاھلیۃ " و عن ابن عباس " من رای من امیرہ شیئًا یکرھہ ' فلیصبر ' فانہ من فارق الجماعۃ شبرا ' فمات ' فمیتۃ میتۃ جاھلیۃ " و فی لفظ " فانہ لیس احد من الناس خرج من السلطان شبرا فمات علیہ ' الا مات میتۃ جاھلیۃ " (متفق علیہ) یعني جس نے جماعت کا ساتھہ چھوڑ دیا ' خلیفہ کي اطاعت سے باہر ہوگیا ' اور اسي حالت میں بغیر توبہ کے مرگیا ' تو اُسکي موت جاہلیـۃ کي موت ہوئي (اسلام سے پہلے اہل عـرب پر جو زمانہ

گزرا ہے ، اسکو عہد جاهلیة کہتے هیں - پس مطلب یہ هوا کہ عرب جاهلیة کي طرح گمراهي پر موت هوئي) دوسری روایت میں ہے - اگر کوئي شخص اپنے امیر کو ایسي بات کرتے دیکھے جو اُسے پسند نہ آے تو چاهیے کہ صبر کرے - اسکي اطاعت سے باهر نہو - کیونکہ جو کوئي سلطان اسلام کي اطاعت سے بالشت بھر بھي باهر هوا اور اسي حالت میں مرگیا ، تو اسکي موت جاهلیة کي حالت پر هوئي - حضرة ابن عمر کي روایت میں ہے :
" من خلع یدا من طاعة ، لقي الله یوم القیامة و لا حجة له ، و من مات و لیس في عنقه بیعة ، مات میتة جاهلیة " جس نے خلیفہ کي اطاعت سے هاتھہ کھینچا ، یعني اطاعت نہ کي ، تو قیامت کے دن وہ الله کے سامنے حاضر هوگا اور اسکے لیے کوئي بچاؤ نہوگا - اور جو مسلمان دنیا سے اس حال میں گیا کہ خلیفہ کي بیعت و اطاعت کے حلقہ سے اُسکي گردن خالي هوئي ، تو یقین کرو کہ اسکي موت جاهلیة کي موت هوئي -
" من فارق الجماعة شبرا فکانما خلع ربقة الاسلام من عنقه " (ترمذي)
جو جماعت سے بالشت بھر بھي باهر هوا ، اس کا حکم یہ ہے کہ گویا اس نے اسلام کي اطاعت کا حلقہ اپني گردن سے نکال دیا - ایک روایت میں ہے
" دخل النار " (اخرجه الحاکم علي شرط الصحیحین) یعنے جو خلیفہ کي اطاعت سے باهر هوا ، اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے -

" کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء - کلما هلک نبي ، خلفه نبي - و انه لا نبي بعدی - و سیکون خلفاء فیکثرون - قالوا - فما تامرنا ؟ قال - فوا بیعة الاول فا لاول ، ثم اعطوهم حقهم ، فان الله یسائلهم عما استرعا هم " (متفق علیه) بني اسرائیل کي رهنمائی و ریاست انبیاء کرتے تھے - ایک نبي گیا تو دوسرا اُسکي جگہ مامور هوا - لیکن میرے بعد کوئي نبي نہیں ہے - البتہ خلفاء هونگے - لوگوں نے عرض کیا - هم کو اُنکي نسبت کیا حکم هوتا ہے ؟ فرمایا - جس سے پہلے بیعت کي یعني جس کي حکومت پہلے مان لي گئي ، اُسکي اطاعت مقدم ہے - پھر کسي دوسرے کو خلیفہ نہ مانو - اور فرمایا - اُنکا تم پر جو کچھہ حق ہے ، وہ اُنکے حوالے کرو - یعني اُنکي اطاعت کرو - زکواۃ و خراج وغیرہ اُنهي کو دو -
اِنکے علاوہ بے شمار احادیث هیں - اجماع کے شواهد اور کتب عقائد و فقه کے اقوال نقل نہیں کیے گئے کہ مشہور و معروف هیں ، اور احادیث کے بعد اُنکي ضرورت بھي نہیں -

فصل

(شرائط امامت و خلافة)

تمام نصوص و دلائل کتاب و سنة اور اجماع امة پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے شرائط امامت و خلافة کے بارے میں دو صورتیں اختیار کی ہیں - اور قدرتی طور پر یہی دو صورتیں اس مسئلہ کی ہوسکتی تھیں -

اسلام نے اس بارے میں نظام عمل یہ مقرر کیا تھا کہ امام کے انتخاب کا حق امت کو ہے - اور طریق انتخاب جمہوری تھا نہ کہ شخصی و نسلی - یعنے قوم اور قوم کی اصحاب الراے جماعت (اہل حل و عقد) کو شرائط و مقاصد خلافت کے مطابق اپنا خلیفہ منتخب کرنا چاہیے - بحکم و امرہم شوری بینہم- بنیاد تمام امور کی شرعا شوری یعنی باہمی مشورہ ہے - نہ کہ نسل و خاندان - خلافت راشدہ کا عمل اسی نظام پر تھا - خلیفۂ اول کا انتخاب عام جماعت میں ہوا - خلیفۂ دوم کو خلیفۂ اول نے نامزد کیا اور اہل حل و عقد نے منظور کرلیا - خلیفۂ سوم کا انتخاب جماعت شوری نے کیا - خلیفۂ چہارم کے ہاتھہ پر خود تمام جماعت نے بیعت کی - نسل، خاندان، ولی عہدی، کو اسمیں کوئی دخل نہ تھا - اگر دخل ہوتا تو ظاہر ہے کہ خلافت خلیفۂ اول کے خاندان میں آجاتی، یا دوم و سوم کے خاندان میں، مگر ایسا نہیں ہوا - خلیفۂ دوم نے تو قوم کو بھی اسکا موقعہ نہ دیا کہ اُنکے لڑکے کو خلیفہ منتخب کرے - وصیت کردی کہ وہ کسی طرح منتخب ہی نہیں ہوسکتا -

پس پہلی صورت یہ ہے کہ اگر صحیح نظام شرعی قائم ہو جو خالص جمہوری ہے، اور قوم کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا موقع ملے، تو کیسا شخص منتخب کرنا چاہیے؟ اور اُسمیں کیا کیا اوصاف ہونا چاہیئیں؟

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ نظام باقی نہ رہا ہو- قوم کی راے اور انتخاب کو اُسمیں دخل نہو- محض طاقت اور تسلط کی بنا پر کوئی خاندان یا کوئی طاقتور فرد تخت خلافت پر قابض ہوجاے، تو اُس صورت میں از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ اگر وہ اہل نہیں

ہے، ظالم ہے، جابر ہے، شرائط خلافت اُسمیں نہیں پاے جاتے؟ تو اُسکی اطاعت کرنی چاهیے، یا اُس پر خروج کرنا چاهیے؟ وہ شرعاً خلیفۃ المسلمین هوسکتا ہے یا نہیں؟ اُسکے ماتحت وہ تمام کام انجام پاسکتے هیں یا نہیں جو از روے شرع خلیفۂ اسلام کی موجودگی پر موقوف هیں؟ اُسکو زکواۃ دینی چاهیے؟ اسکے پیچھے جمعه پڑهنا چاهیے؟ اسکے تمام احکام کی اطاعت کرنی چاهیے؟

یہ مسئلہ امت کی اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ تھا، اور ممکن نہ تھا کہ شریعت اسکی پوری پوری تشریح و توضیح نہ کردیتی - اس بارے میں نصوص سنـــۃ بے شمار اور بالکل واضح هیں - اسی لیے جب خلافۃ راشدہ کے بعد بنو امیہ کی حکومت جبر و استبداد کے ساتھ قائم هوئی، تو صحابۂ کرام کو اپنے طرز عمل کے فیصلے میں ذرا بھی تامل و تذبذب نہوا - بالکل اُس شخص کی طرح جو پہلے سے ایک خـــاص وقت کا سمجھا بوجھا منتظر هو، فوراً یکسوئی کے ساتھہ فیصلہ کرلیا - جو کچھہ اُنھوں نے بتلایا اور کیا، اُسی پر اجماع امت کی مہر لگ گئی، اور تیرہ سو برس سے جمہور اهل اسلام کا رهی متفقہ اعتقاد و عمل قرار پاگیا - بلا شبہ پہلی صورت میں بعض اسلامی فرقوں کو اختلاف هوا، مگر دوسری صورت میں قولاً و فعلاً سب متفق هوگئے -

پہلی صورت میں شریعت نے اهلیت و صلاحیت کی وہ تمام شرائط اپنے انتہائی اور کامل مرتبہ میں قرار دی هیں جو ایک ایسے مرکزی اور اهم تریں منصب کیلیے قدرتی طور پر هونا چاهیئیں - کیا باعتبار قوت علمی کے - کیا بہ لحاظ قوت عملی کے - اور چونکہ یہ منصب متعدد حیثیتوں سے مرکب ہے، اسلیے هر حیثیت کے لحاظ سے ضروری اوصاف بتلاے گئے - مثلاً اسلام، علم و نظر، عمل و تقوی، شجاعت و صولۃ، عدالۃ و ایثار، قدرت و نفوذ، طاقت و شوکت - چنانچہ تمام کتب عقائد میں صدیوں سے مسلمان پڑھتے پڑھاتے آے هیں: " و یشترط ان یکون من اهل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ بان یکون مسلماً، حراً، ذکراً، عاقلاً، بالغاً، سائساً بقوۃ رائہ و رویتہ، و معونۃ باسہ و شوکتہ، قادراً بعلمہ و عدالتہ و کفایتہ و شجاعتہ علی تنفیذ الاحکام، و حفظ حدود الاسلام، و انصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم " الخ - کذا فی شرح المواقف، و النسفی، و التمهید، و شرح فقه الاکبر للقاری، و شرح المقاصد - و من کتب المحدثین شرح عقیدہ ابن عقیل، و فتح الباری،

و شرح منظومة الاداب ' و خلاصه ابن مفلح ' و نیل الاوطار ' و وبل المرام للشوکاني ' والاقناع وشرحه ' وغیرهم - یعني ایسے شخص کو خلیفه منتخب کرنا چاهیے جس میں حسب ذیل اوصاف پاے جائیں - مسلمان هو ' آزاد هو ' مرد هو ' عاقل و بالغ هو ' صاحب راے و نظر هو ' تدبیر و انتظام کي پوري قوت رکهتا هو ' احکام شریعت کا محافظ هو ' انکے جاري و نافذ کرنے اور اسلامي ممالک کي حفاظت اور دشمنون کي روک تهام کیلیے جسقدر علمي و عملي قوتوں کي ضرورت هے ' وه سب اس میں موجود هوں - اتباع شریعت ' عدل و انصاف ' شجاعت و همت ' شوکت و صولت ' ساري صفتیں هوني چاهیئیں -

جس وقت تک خاندان عباسیه کي خلافت باقي رهي ' یعني خلافت خاندان قریش و عرب میں رهي (سنه ۶۴۰ ھ مطابق سنه ۱۲۴۳ ع - تک اور اس کے بعد بهي کچهه عرصه تک بوجه بقاء خلافت عباسیهٔ مصر) علماء اسلام کي ایک بڑي جماعت کا یه خیال رها که بموجب حدیث " ان هذا الامر في قریش " خلیفه کو قرشي بهي هونا چاهیے - یعني اگر مسلمان خلیفه مقرر کریں ' تو جہاں آور بہت سي باتیں اوسمیں هوني چاهیئیں ' وهاں یه بات بهي هو که خاندان قریش میں سے هو -

اسي طرح جماعت امامیه اس طرف گئي که خلافت آئمهٔ اهل بیت نبوة کیلیے منصوص هے - انکے اعتقاد میں آنحضرة صلعم کے بعد حضرة علي علیه السلام کو خلیفه هونا چاهیے تها - اور انکے بعد انکي نسل کے آئمهٔ عترة رضي الله عنهم کو -

زیدیه اسطرف گئے که بني فاطمه یعنے تمام سادات مستحق خلافت هیں - آئمهٔ عترة کي خصوصیت ضروري نهیں - آور شرطوں کے ساتهه صرف اسقدر کافي هے که امام سید یعني بني فاطمه میں سے هو -

لیکن دوسري صورت میں (یعني اگر نظام شرعي کي جگه ملکي قبضهٔ وتسلط کی صورت پیدا هوجاے ' اور جمهور کو انتخاب و نصب کا موقعه نه ملے ' تو اس صورت میں از روے شرع مسلمانوں کو کیا کرنا چاهیے ؟) سو اسکی نسبت چونکه خود احادیث صحیحه اور اجماع صحابهٔ و عترة بالکل صاف صاف موجود تها ' اسلیے تمام امت بلا اختلاف اس پر متفق هوگئي که جب ایک مسلمان منصب خلافت پر قابض هو جاے اور اسکي حکومت جم جاے ' تو

هر مسلمان پر واجب ہے کہ اُسي کو خليفۂ اسلام تسليم کرے' اُسي کے سامنے گردن اطاعت جھکاے - بالکل اُسي طرح' جيسے ايک اهل و مستحق خليفه کے آگے جھکنا چاهيے - اطاعت و اعانت کي وہ تمام باتيں جو منصب خلافت کے شرعي حقوق ميں سے هيں' ايسے خليفه کو حاصل هوجاتي هيں - اُس سے روگرداني کسي مسلمان کيليے جائز نہيں - اُسکے مقابلے ميں خروج اور دعوے کا حق کسي کو نہيں پہنچتا - اگرچه کيسا هي افضل اور جامع الشروط کيوں نه هو - جو کوئي ايسا کرے' مسلمانوں پر واجب ہے کہ اُسکے مقابلے اور قتل ميں خليفه کا ساتھه ديں - وہ شرعاً باغي ہے - اُسکو قتل کرديتا چاهيے -

شريعت نے دوسري صورت ميں يه حکم کيوں ديا ؟ اسکي علت و مصلحت اسقدر واضح ہے کہ شرح و تفصيل کي حاجت نہيں - شريعت اور اُمت کا قائم و باقي رهنا حکومت کے وجود و قيام پر موقوف تها - ساري باتيں شاخ هيں - جڑ يهي مقام و منصب ہے - پس اسکے ليے ايک نظام شرعي مقرر کرديا گيا جو بهتر سے بهتر نظـــام هوسکتا ہے - يعني اســـلامي حکومت کي بنياد جمهور اور شوری کے انتخاب پر رکهي - شخص' نسل' تسلط' اقتدار' اور پادشاهي و ملوکي کو اسميں دخل نہيں - ساتهه هي اس منصب کي اهليت کيليے تمام ضروري شرطيں اور صفتيں بهي بتلاديں که اپنا خليفه بناؤ تو ايسے شخص کو بناؤ - ايسے کو نه بناؤ جو اُسکي اهليت نه رکهتا هو - پهر پورے زور کے ساتهه اسکا بهي اعلان کرديا که لوگوں کو خود خليفه بننے اور امارت و سرداري حاصل کرنے کا خواهشمند نه هونا چاهيے - نه دعويدار بنکر دوسروں سے لڑنا چاهيے - آنحضرۃ هميشه اس عهد پر لوگوں سے بيعت ليتے " لا ينازع الا مر اهله " سرداري کا جو اهل هوگا' اسي پر سرداري چهوڑ دينگے - دنيا اگر اس چهوٹے سے جمله پر عمل کرے تو روے زمين کے سارے جهگڑے ختم هوجائيں - امام بخاري نے کتاب الاحکام ميں باب باندها ہے " ما يکرہ من الحرص على الامارہ " (۱) اور

(۱) حق يه ہے کہ بقول علامۂ ابن خلدون صحيح بخاري کي شرح و تفسير کا قرض ابتک اُمت کے ذمه باقي ہے - بے شمار شرحوں اور حاشيوں کے بعد بهي يه قول ويساهي صحيح ہے' جيسا ابن خلدون کے عهد ميں تها - اس کتاب کے علوم و دقائق کا کوئي احاطه نه کرسکا - هر کتاب' هر باب'

ابو موسی کي روایت لاے هیں جس میں آپنے فرمایا : " انا لا نولي هذا من سأله ' ولا من حرص علیه " جو شخص خود اس چیز کا طالب هو یا اسکي حرص رکھتا هو ' اسکو میں یه کام سپرد نه کرونگا - مقصود اس سے یه تھا که جب لوگ خود طلب و حرص نه کرینگے تو کشمکش اور مقابله بھي نه هوگا ' اور امت کیلیے نہایت آسان هوجائیگا که اهل و اصلح کو منتخب کرلے -

مسئلۂ خلافت کا اصلي نظام شرعي یه تھا - اگر یه قائم هو تو دنیا امن و سکون کي بہشت بن جاے - لیکن چونکه معلوم تھا که ابھي وہ وقت

[بقیه نوٹ صفحه ۴۵]

ابواب کي هر ترتیب ' اور هر هر عنوان و ترجمه ' اس فقیه الارض و اعجوبة الدهر کي فقاهة ربانی کي ایک آیة باهرہ و حجة قاهرہ ہے - اسي مسئلۂ خلافت کو سامنے لاؤ ' اور دیکھو ' کس دقت نظر کے ساتھه محض ترتیب ابواب هي میں اسلام کا نظام شرعي واضح کردیا ہے اور ساري مشکلات حل کردي هیں ؟ سب سے پہلي بات یه تھي که اسلام کا نظام مرکزیة اس بارے میں کیا ہے ؟ تو پہلا باب " اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولي الامر منکم " کا باندھا ' اور " من اطاع امیري فقد اطاعني " الخ کي روایت درج کرکے بتلادیا که مرکز کتاب الله ہے ' رسول ہے ' اور پھر خلیفۂ و امام ہے - " اولوالامر " خلیفه کے سوا کوئي نہیں - اُسکي اطاعت (بشرطیکه کوئي خلاف شرع حکم نہو) مثل خدا و رسول کي اطاعت کے فرض ہے - پھر باب باندھا " الا مراء من قریش " اور اسمیں ابن جبیر والي روایت لاے " ما اقاموا الدین " جب تک قریش میں دین قائم رکھنے کي اهلیت رهیگي ' خلافت بھي اُنهي میں رهیگي - یعني واضح کردیا که ایک خاص مدت تک قرشي خلافت کي پہلے سے خبر دیدي گئي ہے ' مگر خلیفه کا قرشي هونا کوئي شرط اصلي و تشریعي نہیں - صرف پیشین گوئی ہے اور " ما اقاموا الدین " کے ساتھه مشروط - اسکے بعد ایک نہایت هی اهم اور دقیق نکته کی طرف متوجه هوے اور باب باندھا " أجـــر من قضی بالحکمـــة " افسوس اس باب کے ربط و ترتیب کي اصلي علت لـوگ نه سمجھے - منصب خـلافت کے اثبات کے بعد یه چیز سامنے آتي تھي که اعمالِ خلافت کي بنیاد کیا ہے ؟ اور اسکا طریق کس منهاج سے ماخـــوذ ہے ؟ امام صاحب واضح کرنا چاهتے هیں که بنیاد اُسکي طریق " حکمت " پر ہے - یعني انبیاء کرام کے طریق تربیت امم پر جو " سنت " کا اصلي اور وسیع

نهیں آیا - یہ نظام تیس برس سے زیادہ قائم رہنے والا نہیں ، اسلیے شرع و ملت کی حفاظت کیلیے ضرروری تھا کہ نظام اصلی پر زور دینے کے

[بقیہ نوٹ صفحہ ۴۵]

مفہوم ہے ، اور جسکو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں " حکمت " سے تعبیر کرتا ہے - ترجمۂ باب میں اسپر قرآن سے دلیل بھی لاے " و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الفاسقون " حکم و قضا " ما انزل اللہ " کے مطابق هونا چاهیے - اگر خلاف هو تو فسق ہے - " ما انزل اللہ " کتاب و سنة ہے : " یعلمہم الکتاب والحکمة " پس ثابت هوا کہ اعمال خلافت کی بنیاد حکمت و منہاج نبوة پر هونی چاهیے - اس بارے میں جو زیادہ واضح و مفصل احادیث تھیں ، وہ چونکہ انکی شروط کے مطابق نہیں لی جا سکتی تھیں ، اور بنیاد استدلال کی صرف مرفوع هی پر رکھتے هیں ، اسلیے آثار و موقوفات بھی نہیں لے سکتے تھے ، پس مشہور حدیث " لا حسد الا فی اثنتین " الخ درج کرکے قضاء بالحکمة کی اهمیت و مطلوبیت واضح کردی - جب یہ مقدمات طے هوچکے ، تو اب دکھلانا تھا کہ اس مرکز کی اطاعت کس طرح اُمت پر فرض کردی گئی ہے ؟ پس باب باندھا " السمع و الطاعة للامام مالم تکن معصیة " اُمت کا سننا اور اطاعت کرنا امام کے حقوق میں سے ہے - بجز اُس حکم کے کہ معصیت هو - اسمیں وہ تمام حدیثیں لاے هیں جنمیں صریح حکم موجود ہے کہ خلیفہ اهل هو یا نا اهل ، جامع الشروط هو یا فاقد الشروط ، عادل هو یا جابر ، مکروهات کا حکم دے یا محبوبات کا ، جب تک وہ مسلمان ہے ، نماز قائم رکھتا ہے ، اُسکی اطاعت کرنی چاهیے - کسی مسلمان کیلیے اُسکی اطاعت سے باهر هونا جائز نہیں - اسکے بعد بالترتیب تین باب آتے هیں - " من لم یسأل الامارة أعانه اللہ " دوسرا " من سأل الامارة وکل الیها " تیسرا " ما یکرہ من الحرص علی الامارة " حاصل ان تینوں عنوانوں کا یہ ہے کہ جہاں شارع نے اُمت کو خلیفۂ و امام کی ضروری صفتیں اور شرطیں بتلا دی هیں ، وهاں اِس سے بھی روکدیا ہے کہ کوئی شخص خود امامت و سرداری کا خواهاں هو اور اسکے لیے مقابلہ کرے - حتی کہ عبد الرحمن بن سمرة سے کہا " جو اهل اور احق هو ، اُسی کا ساتھہ دو - خود اپنے لیے خواهاں نہ هو - اگرچہ اسکے لیے قسم بھی توڑنی اور کفارہ بھی دینا پڑے " پس ان تمام ابواب کی یکے بعد دیگرے ترتیب سے واضح هوگیا کہ اس بارے میں نظام شرعی کی اصلی ترتیب یہ ہے :

ساتھہ اُن وقتوں کیلیے بھی صاف صاف احکام دیدیے جائیں ' جب انتخاب و نصب خلافت کے بارے میں شریعت کا ٹھرایا ھوا طریقہ باقی نہ رھے ' اور جمہوری حکومت کی جگہ شخصی و استبدادی طریقہ قائم ھو جاے -

ظاھر ھے کہ اس صورت میں دو ھی راھیں سامنے آتی تھیں - اگر ایسے لوگونکی خلافت تسلیم کرلی جاے تو اس سے اُمت کی جمعیۃ ' جان و مال کا امن ' ممالک اسلامیہ کی حفاظت ' احکام شرع کا اجراء ' جماعت کا قیام و بقا ' اور اسیطرح کے بے شمار مصالح و فوائد حاصل ھو جاتے ھیں ' کیونکہ بلا کسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۵)

(الف) اُمت کیلیے حسب نص " و اولی الامر منکم " مرکز اجتماع و جماعت خلیفہ کا وجود ھے - اسکی اطاعت فرض ھے -

(ب) خبر دیدی گئی تھی کہ جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رھیگی ' خلافت پر قابض رھینگے - چنانچہ ایسا ھی ھوا -

(ج) بنیاد معاملۂ خلافت کی " حکمت " پر ھے - وہ حکمت کہ و یعلمهم الکتاب و الحکمة - یہ نیابت نبوت ھے ' اور اعمال و سنۃ نبوت ھی کا نام قرآن کی اصطلاح میں " حکمت " ھے - پس ضرور ھے کہ خلیفہ کے تمام کاموں کی بنیاد سنۃ پر ھو - بدعۃ و احداث پر نہ ھو - یہی معنی خلافة علی منهاج النبوة ھیں -

(د) جب خـــلافت منعقد ھوگئی تو تمام امت پر اسکی اطاعت فرض ھے - فی ما احب و یکرہ ' ما لم یؤمر بمعصیة -

(ہ) امت کو چاھیے کہ احق و اھل کو منتخب کرے - لیکن مستحق کو نہ چاھیے کہ خود خلافت کی خواھش کرے - جس نے ایسا کیا ' اللہ کے حضور شرمندگی پائیگا - نتیجہ یہ نکلا کہ جب لوگ خود خواھش نہ کرینگے ' اور حق انتخاب جمہور کو ھے ' تو کسی طرح بھی کشمکش نہوگی - نہ بہت سے دعویداروں میں باھم جھگڑا ھوگا - امن و سکون کے ساتھہ یہ معاملہ انجام پا جائیگا -

یہ تھا صحیح نظام شرعی ' جسکے علم و فہم کیلیے صرف صحیح بخاری ھی کافی ھے ' اور اسلام کی کونسی حقیقت ھے جسکے لیے صحیح بخاری کافی نہیں ؟ لیکن افسوس کہ نظام شرعی قائم نہ رھا - مجلس شوری کی جگہ میدان جنگ میں خلافت کا فیصلہ ھوا ' اور محض تسلط و جبر سے دعویدار قابض ھونے لگے - چنانچہ پہلے ھی سے اسکی خبر دیدی گئی تھی -

نزاع کے اسلامي حکومت قائم هو جاتي هے اور مزید جنگ و جدال اور کشت و خون کا سدباب هوجاتا هے - مگر ساتهه هي غیر مستحق کي خلافت اور غیر نظام شرعي کے قائم هو جانے سے بہت سي خرابیاں بهي پیدا هو جاتي هیں -

لیکن اگر خلافت تسلیم نہ کی جاے ' اُن پر خروج کرنے کی اجازت دیدي جاے ' اور اطاعت امت کا مستحق صرف اهل اور جامع الشروط خلیفه هی کو قرار دیا جاے ' تو پهر دائمی کشت و خون ' جنگ و قتال ' دعوؤں میں تصادم ' قونوں میں تزاحم ' همیشگی کی بد امنی ' کبهی ختم نہ هونے والی طوائف الملوکی اور انارکی ' امت کی تباهی ' ملکوں کی خرابی ' نظام جماعت کا اختلال ' احکام شرع کی تعطیل ' مسلمانوں کے جان و مال کي بد امني ' اندروني خانہ جنگي کي وجه سے دشمنوں کا حملۂ و تسلط ' اور اسی طرح کی بے شمار هلاکتوں اور بربادیوں کا همیشه کیلیے دروازہ کهل جاتا هے - مگر ساتهه هی اسکی امید بهی کي جاسکتي هے کہ شاید ان بربادیوں کے بعد اصلی نظام خلافت قائم هوجاے اور نا اهلوں کی جگہ کسی اهل اور جامع الشروط کو خلافت دلائی جاسکے -

پهلي صورت میں مصلحت کا بقاؤ حصول ' مگر خرابیوں کا امکان تها -

دوسري صورت میں خرابیوں کا وقوع ' مگر مصالح کا امکان تها -

اسلام نے پهلي صورت اختیار کي ' اور پوري قوت و اصرار کے ساتهه دوسري راہ مسدود کردي - یعني مصالح کے امکان پر اُنکے وقوع کو ترجیح دي -

کیا دنیا میں ایک عقل صحیح بهي ایسي ملسکتي هے جو شریعت کے اس فیصلہ کو غلط بتلاے ؟ اللہ کي شریعت کا اصل اصول جلب مصالح اور دفع مفاسد هے - یعنے همیشه فوائد حاصل کرنا اور مفاسد کو دور کرنا - اور جب مصالح کے ساتهه مفاسد بهي جمع هو جائیں ' تو جس راہ میں مصالح زیادہ هوں اور خرابیاں کم ' اُسیکو اختیار کرنا - تمام احکام کا محور یهي اصل هے - پس اگر پهلي راہ اختیار کي جاتي اور خلیفه کي اطاعت کیلیے خلیفه کا جامع الشروط اور بطریق صحیح منتخب هونا شرط قرار دیدیا جاتا ' تو اسکا کیا نتیجه نکلتا ؟ نصب و انتخاب کیلیے نظام شرعی درهم برهم هوچکا تها - هر دماغ میں حرص و دعوا ' اور هر هاتهه میں تلوار تهي - یهي نتیجه نکلتا کہ ایک عام طوائف الملوکی اور انارکي پهیل جاتي - هر شخص یہ کہکر کہ خلیفه اهل و مستحق نہیں هے ' بغاوت کیلیے اُتهه کهڑا هوتا - تمام امت

میں خون اور موت کی وبا پھیل جاتی - شہروں کا کوئی محافظ نہ رہتا - آبادیوں کا کوئی حاکم نہ ہوتا - نہ مجرموں کو کوئی سزا دینے والا ' نہ ڈاکوؤں سے کوئی بچانے والا - زکواۃ کس کو دی جاتی ؟ جمعہ کون قائم رکھتا ؟ سرحدوں کی کون حفاظت کرتا ؟ تمام عالم اسلامی ایک دائمی خانہ جنگی و بد امنی میں مبتلا ہوجاتا - امن و نظم ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتا - دشمنان اسلام ہرطرف سے اُمنڈ آتے - اُنکو روکنے کے لیے کوئی طاقت موجود نہ ہوتی - پس اگرچہ ایک نا اہل مسلمان کا خلیفہ ہوجانا برائی ہے ' لیکن اس سے بھی بڑھکر برائی یہ ہے کہ تمام ملک برباد ہوجاے - اسلام نے ملک و شرع کی حفاظت کو مقدم رکھا جو کلی مصلحت کا حکم رکھتی ہے ' اور نا اہل و فاقد الشروط کا تسلط گوارا کرلیا جس کا فساد جزئی فساد ہے -

فصل

(نصوص سنۃ و اجماع امت)

سب سے پہلے احادیث پر نظر ڈالنی چاہیے - اگر داعی اسلام (صلی اللہ علیہ و سلم) کی نبوت کی صداقت کی اور کوئی دلیل نہ ہوتی ' تو صرف یہی ایک بات بس کرتی تھی کہ آنے والے واقعات کی تمام تفصیلات کس طرح اول روز ہی بتلادی گئیں ؟ اور ایک ایک جزئی حالت کا کیسا کامل نقشہ صدیوں پہلے کھینچ دیا گیا ؟ یہ معاملہ اسقدر یقینی اور ہرطرح کے شک و شبہ سے ما ورا ہے ' کہ اگر دنیا اس پر یقین لانے کیلیے طیار نہیں ' تو دنیا کے پاس ماضی کی جسقدر معلومات موجود ہیں اُن میں سے کوئی بات بھی یقینی نہیں ہوسکتی - نہ تو اس دنیا میں سکندر نامی کوئی پادشاہ گزرا ' نہ روما نامی کوئی سلطنت قائم ہوئی ' نہ ہم بیسویں صدی کے انسان اسکے لیے مجبور ہیں کہ نپولین کا وجود اور واٹر لو کی جنگ کا وقوع تسلیم کرلیں !

بہر حال احادیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہونے والے واقعات پیشتر سے معلوم تھے - ہر حالت اور ہر وقت کیلیے صاف صاف حکم دیدیا گیا تھا - احادیث کے اس حصہ کا نہایت دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے - ہر دور کی خاص حالت ہے اور اسلیے اسی کے مطابق خاص حکم ہے -

سب سے پہلے وہ حدیثیں سامنے آتی ھیں جن میں خلافۃ خاصۃ و راشدہ کا ذکر کیا گیا ھے ' اور چونکہ یہ خلافۃ ٹھیک ٹھیک طریق نبوۃ و سنۃ پر قائم ھونے والی تھی ' اسلیے امت کو وصیۃ کی ھے کہ نہ صرف اُنکی اطاعت کی جاے بلکہ اُنکے تمام اجماعی باتوں اور کاموں کو مثل اعمال نبوۃ کے " سنۃ " سمجھا جاے اور اُسکی پوری طرح پیروی و تأسی کی جاے -

چنانچہ مشہور حدیث عرباض بن ساریہ " قام فینا رسول اللہ صلعم ذات یوم ' فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ' وجلت منہا القلوب و ذرفت منہا العیون ' فقیل یارسول اللہ ! و عظتنا موعظۃ مودع فاعہد الینا بعہد - فقال علیکم بتقوی اللہ ' و السمع و الطاعہ و ان کان عبداً حبشیا ' و سترون من بعدی اختلافاً شدیدا ' فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین - عضوا علیہا بالنواجذ " (ابن ماجہ و ترمذی) اور حدیث " خیر القرون قرنی ' ثم یلونہم " الخ اور " اما طبقتی و طبقۃ اصحابی فاھل علم و ایمان " الخ رواہ البغوی عن انس و امثالہا ' اسی قسم میں داخل ھیں -

خلاصہ انکا یہ ھے کہ آنحضرۃ (صلعم) نے خطبہ دیا اور فرمایا - میں تم کو وصیت کرتا ھوں کہ اللہ سے ڈرو ' اپنے امام کا حکم سنو اور مانو اگرچہ وہ ایک حبشی غلام ھو - اور دیکھو ! میرے بعد بڑے سخت اختلافات پڑنے والے ھیں ' پس چاھیے کہ فتنوں سے بچو اور ھمیشہ میری سنت اور میرے بعد کے جانشینوں کی سنت پر کاربند رھو ' اور اسکو اسطرح مضبوطی سے پکڑ لو جیسے کوئی شخص دانتوں سے کوئی چیز پکڑ لیتا ھے - اور فرمایا : بہتر زمانہ میرا ھے ' پھر وہ جو میرے بعد کا ھے - اور فرمایا : میرا اور میرے یاروں کا طبقہ علم اور ایمان کا طبقہ ھے - اسی طرح حضرت ابن مسعود کی حدیث " ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی ' الا کان لہ حواریون و اصحاب ' یاخذون بسنتہ و یقتدون بامرہ " الخ (مسلم) میں بھی اسی عہد خلافت کا ذکر کیا گیا ھے -

غرضکہ اس پہلے دور کیلیے دو حکم دیے گئے - ایک اطاعت کا ' دوسرا اقتداء اور پیروی کا -

لیکن اسکے بعد وہ حدیثیں سامنے آتی ھیں جن میں خلافت کے دوسرے دور کا ذکر کیا گیا ھے - اس دور میں پہلا حکم توبدستور باقی رھا ' لیکن دوسرا حکم بالکل بدل گیا - یعنے اس دور کے خلفاء و سلاطین کی اطاعت کی

تو ویسی هي وصیت کي جاتي هے ' جیسے پہلے دور کیلیے کي گئي هے ' لیکن اُنکے کاموں کي پیروي اور اقتداء کا حکم نہیں دیا جاتا ' بلکه بتدریج ترک اقتداء و مخالفت کا حکم دیا جاتا هے - اس سے صاف واضح هو جاتا هے که اس دور میں جو لوگ خلافت پر قابض و متسلط هونگے ' اُنکي خلافة شریعت کے مطلوبه نظام پر نه هوگي - نه اُنکا چلن قرآن و سنت کے مطابق هوگا - اُن میں اچھے بھي هونگے - اور برے بھي - اسلیے امت کو اب صرف اطاعت کا اور اُنکي خلافت کے آگے سر جھکا دینے کا حکم دیا جاتا هے - اُنکے طور طریقوں کي پیروي کرنے اور اُنکے کاموں کو شرعي کام سمجھه لینے کا حکم نہیں دیا جاتا - بلکه اس بات کی بھي وصیت کي جاتي هے که جب وہ لوگ برائیاں پھیلائیں ' تو جس کي طاقت جہاں تک کام دے ' برائیوں کے روکنے کي پوري کوشش کرے - هاتهه سے کام لے - زبان کو حرکت میں لاے - یه دونوں درجے نصیب نه هوں تو کم از کم دل هي دل میں برائي کو برا سمجھے - " و ذلک اضعف الایمان " - لیکن برے کاموں کو اُنکي حکومت کے دباؤ سے اچھا نه سمجھه لے اور نه اُن کا ساتھه دے - " و لیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل " (۱)

عن عبادہ بن الصامت - قال " بایعنا رسول الله صلعم علی السمع والطاعه في منشطنا و مکرهنا و عسرنا و یسرنا و اثرة علینا ' و ان لا ننازع الامر اهله ' الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیه من الله برهان " متفق علیه - عبادہ بن الصامت کہتے هیں - هم سے رسول الله (صلعم) نے اس بات پر بیعت لي

---

(۱) احادیث کا یه حصه نہایت اهم اور غور طلب هے - مختلف حدیثوں میں مختلف دوروں اور لوگوں کا ذکر هے ' اسلیے احکام بھي مختلف هوے - اس نکته پر جسکي نظر نه گئي وہ احکام و علائم کو مختلف و متضاد دیکھکر یا تو حیران رهگیا - یا سخت غلطیوں سے دو چار هوا - عهد نبوة سے لیکر آخر تک مختلف دور آنے والے تھے - هر دور کے خصائص و حالات دوسرے سے مختلف تھے - پس اُنکے احکام میں بھي اختلاف ضروري تها پوري دقة نظر کے ساتهه احادیث کا مطالعه کرنا چاهیے - پہلے اُنکے باهمي مشترکات و مختلفات کو الگ الگ کردینا چاهیے - پھر هر حدیث اور هر حکم کو اُسکي صحیح جگه دیني چاهیے - ایسا نه کرنے سے لوگوں کو بڑي بڑي غلط فہمیاں هوي هیں -

کہ ہر حال اور ہر طرح کی زندگی میں امام کی اطاعت کرینگے - حکومت و سرداری کو اسکے کرنے والوں پر چھوڑ دینگے ' اور کبھی اس بارے میں کوئی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲)

بہتوں کو یہ لغزش ہوئی کہ " اطاعت " اور " اقتــدا " کا فرق نہ سمجھے - جن حدیثوں میں " اقتدا " کی ممانعت بلکہ خلاف کرنے کا حکم پایا ' اُنکو منع اطــاعت اور جواز خروج پر محمول کرلیا - خوارج اور معتزلہ کے ایک گروہ کو یہی دھوکا ہوا - ایک دوسری جماعت نے یہ غلطی کی کہ حکم اطاعت کو عام مطلق سمجھہ لیا ' اور منع اقتداء و تأسی اور وجوب امر بالمعروف نے جو تخصیص کردی تھی ' وہ اُنکی سمجھہ میں نہ آئی - یعنی اس دھوکے میں پڑگئے کہ جب امراء و حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ' خواہ اُنکے اعمال کیسے ہی خراب ہوں ' تو پھر چاہیے کہ نہ کسی برائی پر ٹوکیں ' نہ منکرات کے خلاف جد و جہد کریں - ہر حال میں چپ چاپ بیٹھکر اطــاعت کرتے رہیں - یہ جو صدیوں سے علمــاء و مشائخ نے اصحاب اقتدار کے خلاف امر بالمعروف یکقلم ترک کردیا ہے ' تو نفس خادع اُنکو بھی یہی دھوکا دے رہا ہے - بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ہے - ان لوگوں نے چونکہ " اطاعت " اور " اقتدا " کا فرق نہیں سمجھا ' اور دیکھا کہ پادشاہوں اور امیروں کو برائی پر ٹوکنے اور اُنکے خلاف حق کے اعلان میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں ' اسلیے اس دھوکے میں پڑگئے کہ یہی مصائب فتنہ ہیں - پس اس فتنہ سے بچنا چاہیے - نتیجہ یہ نکلا کہ حق و باطل میں کوئی تمیز باقی نہ رہی - تمام زبانیں گونگی اور تمام دل مردہ ہوکر رہگئے -

حالانکہ دونوں جماعتوں نے ٹھوکر کھائی - دونوں نے حدیثوں کا صحیح مورد اور محل نہ سمجھا -

ایک صورت یہ ہے کہ مسلمان کسی کو اپنا قومی پادشاہ مان لیں ' اور ایک پادشاہ کی جیسی فرماں برداری رعایا کو کرنی چاہیے ' ٹھیک ٹھیک ویسی ہی فرماں برداری بجالائیں - کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے ثابت ہو کہ اُسے اپنا حاکم نہیں سمجھتے - اسکا نام " اطاعت " ہے -

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان کو اپنے دینی و اخلاقی اعتقاد و عمل میں پیشوا مان لینا ' اور راستی و ہدایت کے اعتبار سے اُسکی

جھگڑا نہیں کرینگے- الا یہ کہ بالکل کھلا کھلا کفر امام سے ظاہر ہو- اور ایسي بات میں جسکےلیے اللہ کی کتاب میں حکم و دلیل موجود ھے- سو اسوقت کسي

(بقیہ نوٹ صفحہ ٥۲)

زندگي کو اپنے لیے نمونہ بنالینا ' اور اسکے قدم بقدم چـلنے کي کوشش کرنا - اسکا نام " اقتدا " اور " تأسي " ھے -

دونوں صورتیں الگ الگ ھیں - بلا شبہہ " اطاعت " ایک عام حالت ھے اور اس میں " اقتداء " کي حالت بھي داخل ھے ' لیکن " اقتداء " اطاعت سے زیادہ خاص ھے ' اور ضروري نہیں کہ ھر اطاعت اقتداء بھي ھو- احادیث میں خلفاء راشدین کي نسبت امت کو " اطاعت" اور " اقتداء " دونوں کا حکم دیا گیا ' لیکن بعد کے خلفاء و سلاطین کو صرف " اطاعت " کا مستحق بتلایا - " اقتداء " کا نہیں - کیونکہ معلوم تھا کہ انکے کام اچھے نہ ھونگے - شریعت و عدالت سے منحرف ھو جائینگے - اور چونکہ نظام جماعت کے قیام کے ساتھہ احکام کتاب و سنت اور عدل و صداقت کي حفاظت کا انتظام بھي ضروري تھا ' اسلیے امر بالمعروف و نہي عن المنکر کا فرض ھر حال میں باقي رھا - یعني حکم دیا گیا کہ ایسے وقتوں میں سلطان اسلام کو اپنا امام مانکر پوري پوري اطاعت کرو ' لیکن پادشاہ کي اطاعت کے یہ معني نہیں کہ سفید کو سیاہ ' اور دن کو رات مان لو - حق حق ھے - باطل باطل - برائي جب دیکھو ' ٹوکو - ظلم جب کیا جاے ' روکو - اس کام میں ایک پادشاہ اور ایک مزدور' دونوں برابر ھیں - " لا طاعۃ لمخلوق في معصیۃ الخالق " قاعدۂ کلیہ ھے' اور و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر حکم عام و مطلق - کسي مخلوق کي ایسي اطاعت نہیں کي جاسکتي جس میں خالق کے حکم سے نافرماني کرني پڑے -

اور یہ جو جابجا کہا گیا کہ اطاعت نہ کرنے میں فتنہ ھے - تو یاد رھے کہ " اطاعت " نہ کرنے میں فتنہ ھے - نہ کہ " اقتداء " نہ کرنے میں ' اور امر بالمعروف و نہي عن المنکر میں - یعني خلیفۂ اسلام سے بغاوت نہ کرو - اسمیں جمعیت امت کیلیے بڑا ھي فتنہ ھے - یہ مطلب نہیں کہ برائي کي مخالفت اور حق کے اعلان میں فتنہ ھے - حق کا اعلان تو ھمیشہ اور ھر حال میں دنیا کیلیے نظم و امن ھے - وہ کبھي فتنہ نہیں ھوسکتا - اگر حق کي پکار فتنہ ھو جاے تو پھر نظام ھستي کس بنیاد پر قائم رھے ؟ و لو اتبع الحق اھوائھم' لفسدت السماوات و الارض و من فیھن ! (۲۳ : ۷۴)

اطاعت بهي اللـــه كي اطاعت سے نه روک سکيگي - يعني جب تک
سے صريح کفر نه سرزد هو' هرحال ميں آسکي اطاعت راجب هے -

" خيار ائمـــتکم الذين تحبونهم و يحبونکم ' و تصلون عليهم و يصـلون
کم ' و شرار ائمتکم الذين تبغضونهم و يبغضونکم ' و تلعنونهم و يلعنونکم" قال
أفلا ننا بذ هم عند ذلک ؟ قال " لا ' ما أقاموا فيکم الصلوة ' الا من ولي
ه وال فراه شيئاً من معصية الله فـليکره ما يأتي من معصية اللـه ' و لا
عن يداً من طاعة " رواه احمد و مسلم -

و عن حذيفة أنه (صلعم) قال " يکون بعدي أئمة لا يهتـــدون بهدي
يستنون بسنتي ' و سيقوم فيکم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان
ن" - قال قلت "کيف اصنع يا رسول الله ان أدرکت ذلک" ؟ قال " تسمع
طيع و ان ضرب ظهرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواه مسلم و احمد -

يعني فرمايا : تمهارے بهتر حاکم وہ هيں که أنکي محبت تمهارے دلوں
هو اور تمهاري انکے دلوں ميں - تمهاري زبانوں سے انکے ليے رحمت کي
نکلے اور آنکي زبانوں سے تمهارے ليے - اور بدترين حـاکم وہ هيں که
مهارے دلوں ميں أنکي دشمني هو' اور وہ تمهيں دشمن سمجهتے هوں - تم
پر لعنت بهيجو - وہ تم پر - صحابه نے عرض کيا - يا رسول الله ! کيا ايسے
کموں سے هم نه جهگڑيں ؟ فرمايا نهيں - جب تک وہ تم ميں نماز قائم
يں - آنکي اطاعت هي کرو - هاں جو بات گناہ کي ديکهو آسے پسند نکرو
امام کی طاعت سے هاتهه نه کهينچو - نيز فرمايا - ميرے بعد ايسے امام
گے جو ميرا طور طريق چهوڑ دينگے - ميري سنة پر نهيں چليںگے - عنقريب
پر ايسے لوگ حکمراں هونگے که أنکا جسم تو انسانوں کا هوگا مگر دل شيطان
سا - راوي نے پوچها - اگر همنے ايسا زمانه پايا تو کيا کريں ؟ فرمايا - سنو اور
اعت کرو - اگر وہ تمهاري پيٹهه پر تازيانے لگائيں اور تمهارا مال چهين ليں '
ب بهي آنکي سنو اور اطاعت کرو !

" ستکون بعدي اثرۃ و امور تنکرونها " قالوا - فما تأ مرنا ؟ قال " تؤدون
حق الذي عليکم ' و تسألون الله الذي لکم " متفق عليه عن ابن مسعود '
خرجه ايضاً الحرث بن وهب و أورده الحافظ في التلخيص ' و عن جابر بن
يک مرفوعاً عند ابي داؤد بلفظ " سياتيکم رکب مبغضون ' فاذا اتوکم فرحبوا
م و خلوا بينهم و بين ما يبتغون - فان عدلوا ' فلا نفسهم' و ان ظلموا ' فعليهم"

و عن وائل بن حجر - قال سمعت رسول الله صلعم و رجل يساله - فقال ارايت إن كان علينا امراء يمنعونا حقنا و يسألونا حقهم ؟ قال " اسمعوا و اطيعوا فانما عليهم ما حملوا ' و عليكم ما حملتم " (مسلم و الترمذي و صححه)

" علي المرء المسلم السمع و الطاعه فيما أحب و كره ' الا ان يومر بمعصية فان امر بمعصية فلا سمع و لا طاعة " (شيخان و غيرهما عن ابن عمر)

سب کا خلاصه وهي هے جو اوپر گزرچکا - آخري روايت ميں فرمايا - ايک مسلمان کا فرض هے که خواه گوارا هو يا ناگوار ' مگر امام کا کها سنے اور مانے هاں اگر وه ايسا حکم دے جسکي تعميل ميں گناه هو ' تو پهر اُس حکم میں نه تو سننا هے اور نه ماننا -

بڑے سے بڑے مخلوق کي خاطر بهي خدا کا چهوٹا سے چهوٹا حکم نهیں ٹالا جا سکتا ' اور نه مخلوق کی خاطر خالق سے نافرماني کي جاسکتی هے يه اسلام کا ' اور در اصل دنيا کي تمام سچي تعليموں اور سچے انسانوں کا عالمگير قاعدۂ کليه هے -

اور يهي وجه هے که صدقات و زکواة و غيره ماليات کي ادائيگي کی نسبت حکم ديا گيا که اگرچه وصول کرنے والے حکام ظالم و جابر هوں ' يا بيت المال کا روپيه ناجائز طور پر خرچ کر رهے هوں ' ليکن اگر امام کي طرف سے مامور هيں تو اُنکي اطاعت هی کرنی چاهيے - جس شخص نے زکواة ايسے عامل کو ديدي ' اُسکی زکواة ادا هوگئی - بلاشبه قوم کو کوشش کرنی چاهيے که ايسے عامل معزول کيے جائيں - ليکن جب تک معزول نهوں ' نظام شريعت و حکومت کے قيام کيليے ضروري هے که اُنکے احکام کي تعميل کي جاے - بشير بن خصاصه کي روايت ميں هے که لوگوں نے کها " ان قوماً من اصحاب الصدقة يعتدون علينا " عمال صدقه لينے ميں هم پر ظلم کرتے هيں - کيا حق سے زياده نه دينے ميں اُنکا مقابله کريں ؟ فرمايا نهيں - (ابوداؤد) سعد بن وقاص کي روايت مين فرمايا " ادفعوا اليهم ما صلوا " ابن ابی شيبه ميں حضرة ابن عمر کی نسبت هے که کسی نے کها - زکواة کسے ديں ؟ کها وقت کے حاکموں کو - سائل نے کها " اذا يتخذون بها ثيابا و طيباً " وه تو زکواة کا روپيه اپنے کپڑوں اور زينت ميں خرچ کرڈالتے هيں - فرمايا " و ان " اگرچه ايسا کرتے هوں مگر زکواة اُنهي کو دو -

اسی بنا پر محدثین نے باب باندھا ھے " برآۃ رب المال بالدفع الی
سلطان مع العدل و الجور" کما في المنتقی - یعنی صاحب مال نے
ب اپني زکواۃ عمال کے حوالے کردي تو وہ شرعاً بري الذمہ ھوگیا اگرچہ وہ
لم و جابر ھوں - اور اسي لیے جمہور فقہا کا بھي یہي مذھب قرار پایا کہ
ر حکام جور کو زکواۃ دیدي گئي تو ادا ھوگئي - آئمۂ اھل بیت و عترۃ نے
ي قولاً و فعلاً اس سے اتفاق کیا جیسا کہ حضرۃ امام باقر (علیہ و علی آبائہ
سلام) سے اصول میں منقول ھے - اور اسي لیے محققین امامیہ و فقہاء
دیہ بھی اس فیصلہ میں جمہور کے ساتھہ ھیں -

فصل

(اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا اخرھما)

اگر ایک خلیفہ کي حکومت جم چکي ھے اور قائم ھے اور دوسرا مدعي
ڑا ھو، تو اُسکا حکم یہ ھے کہ وہ باغي ھے - فرمایا اُسے قتل کردو - اُسکي
دگي تمام اُمت کے نظم و امن کیلیے فتنہ ھے - وہ امت میں پھوٹ ڈالنا

و جمے ھوے انتظام کو درھم برھم کردینا چاھتا ھے - والفتنۃ اشد من القتل -

عن عرفجۃ الاشجعي - قال : سمعت صلعم یقول " من أتاکم و امرکم
میع علی رجل واحد ، یرید ان یشق عصاکم أو یفرق جماعتکم ، فاقتلوہ "
احمد و مسلم)

اسي لیے جمہور اھل اسلام نے اتفاق کیا کہ خلیفہ خواہ اھل ھو یا نا اھل،
یکن اگر اسکي حکومت قائم ھے تو جو اُس پر خروج کرے ، اُسکا حکم باغي
ھوگا اگرچہ کتنا ھي افضل اور جامع الشروط ھو - اُس سے لڑنا اور
سکي جماعت کو قتل کرنا جائز ھے - بشرطیکہ تبلیغ و دعوۃ اور دفع شکوک کے
بد بھي باز نہ آے - ایک گروہ علماء نے کہا کہ نہ صرف جائز ھے بلکہ بحکم

فاتلوا التي تبغي (۴۹ : ۹) واجب ھے - " و قد حکي في البحر
ن العترۃ جمیعاً ان جہادھم افضل من جہاد الکفار الی دیارھم ، اذ فعلھم في
الار الاسلام کفعل الفاحشۃ في المسجد " (نیل الاوطار - جلد ۷ صفحہ ۸۰)
یعني تمام آئمۂ اھل بیت و عترۃ سے منقول ھے کہ ایسے باغیوں سے جہاد کرنا
کفار پر حملہ کرنے سے بھي افضل ھے -

مصلحت و حکمت اس حکم کي ظاهر هے - اگر اول روز هي سے دعوؤں اور خروج کا دروازہ بند نه کردیا جاتا ' تو کوئي بهتر سے بهتر اسلامي حکومت بهي خروج و شورش سے محفوظ نه رهسکتي - ایک جامع الشـــروط خلیفه کي موجودگي میں بهي صدها دعویدار اُتهه کهڑے هوتے اور کهتے که جمع شرائط و اهلیت میں هم زیادہ احق و افضل هیں - اوصاف و فضائل کا قطعي فیصله کرنا نهایت مشکل هے ' اور نه افضل و مفضول کے امتیاز کیلیے کوئي قطعي معیار هوسکتا هے- نتیجه یه نکلتا که همیشه کشت و خون کا بازارگرم رهتا اور امت کا نظام جمعیت کبهي نه سدهرتا - پس ناگزیر تها که خلافت قائمه کي موجودگي میں هرطرح کے دعوے کو بغاوت و جرم قرار دیدیا جاے' اور اسکے لیے ایسي سزا تجویزکي جاے جو سخت سے سخت سزا هوسکتي هے - یعنے قتل - ایک انسان کو قتل کردینا بهتر هے - بمقابلۂ اسکے که هزاروں انسان قتل هوں - یهي وجه هے که حدیث میں حکم کي علت کي طرف واضح اشارہ کردیا گیا که " یرید ان یشق عصاکم "

یه مضمون مختلف الفاظ و اسناد سے صحاح میں مروي هے - هم نے صرف ایک روایت پر اختصاراً اکتفا کیا -

فصل

(اجماع امت و جمهور فقهاء و اعلام)

امراء بنو اُمیه کي حکومت جبر و استبداد کے ساتهه قائم هوئی اور اُسوقت ایک جم غفیر صحابۂ کرام و ائمۂ اهل بیت نبوۃ کا موجود تها - عهد عباسیه کي پوري پانچ صدیاں گذرگئیں' اور یهي زمانه تمام علوم شرعیه کي تدوین و ترتیب کا هے - تمام آئمۂ ؤ اعلام اور فقهاء مذاهب اسي عهد میں پیدا هوے اور عقائد و مسائل نے آخري ترتیب و تنظیم پائي - لیکن اِن تمام عهدوں میں سب کا اتفاق اسي اعتقاد و عمل پر رها - عقائد ضروریه اور ارکان اربعه کے بعد شاید هي کسي اسلامي اعتقاد پر اس درجه محکم و یقیني اجماع و تعامل امت ثابت کیا جاسکے -

صحابۂ کرام و ائمۂ تابعین کا حال معلوم هے - مروان مدینه کا گورنر تها اور حضرت ابو هریرہ مسجد نبوي میں مؤذن تهے - مروان کي عبادت سے بد ذوقي کا یه حال تها که سورۂ فاتحه کے بعد آمین کهنا اور مقتدیوں

کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اسکی جلد بازی پر نہایت شاق گزرتا تھا۔ سورۃ فاتحہ ختم کرتے ہی بلا سکتہ کے قرأت شروع کردیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی نہایت درجہ فضیلت وارد ہے " فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ " (بخاری) ابو ہریرہ اس سے وعدہ لے لیتے " لا تفتنی بآمین " قرأت میں ایسی جلدی نہ مچائیو کہ میری آمین ضائع جائے ' لیکن نماز اُسی کے پیچھے پڑھتے اور اُسکی اطاعت سے انکار نہ کرتے - (بخاری)

لوگ اُنکی یاوہ گوئی سننا پسند نہیں کرتے تھے - اسلیے اکثر ایسا ہوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ہی مجمع منتشر ہو جاتا - خطبہ کا لوگ انتظار نہ کرتے - یہ حال دیکھکر مروان نے ایک مرتبہ چاہا - عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دیدے تا کہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے - حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا - سنۃ ثابۃ خطبۂ عید کے بارے میں یہی ہے کہ نماز پہلے ادا کی جاے - پھر خطبہ دیا جاے - صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اسپر فوراً ایک شخص نے ٹوکا اور حضرت ابو سعید خدری نے " من رای منکم منکراً فلیغیرہ " الخ - والی روایت بیان کی -

ایسی بے شمار باتیں کی جاتی تھیں - صحابۂ کرام نہایت بے باکی سے امر بالمعروف کا فرض ادا کرتے اور ہمیشہ ٹوکتے - لیکن خلیفہ اُنھی کو مانتے اور اطاعت اُنھی کی کرتے - کسی صحابی نے بھی اطاعت سے پہلے اسکی جستجو نہ کی کہ خلیفہ میں ساری شرطیں خلافت کی پائی جاتی ہیں یا نہیں ؟ اگر اسکی جستجو کرتے تو سب سے پہلی شرط یعنی بطریق انتخاب شرعی و شوریٰ منتخب ہونا ہی مفقود تھا - باقی شرطیں تو سب اسکے بعد کے دیکھنے اور جانچنے کی ہیں -

حضرۃ سید التابعین سعید بن المسیب کہا کرتے - بنی مروان انسانوں کو بھوکا مارتے ہیں اور کتوں کو کھلاتے ہیں (۱) اور پھر اُنکے ہاتھوں ہر طرح کے مظالم و شدائد بھی سہتے ' مگر ساتھہ ہی بہ حیثیت سلطان اسلام کے اطاعت بھی اُنھی کی کرتے -

مامون و معتصم کے عہد میں بدعت اعتزال اور قول بخلق قران کی وجہ سے ایک فتنۂ عظیم برپا ہوا - علماء سنۃ پر جو جو مظالم و شدائد ہوے '

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی - ۱ : ۴۷ -

معلوم هیں - حضرة امام احمد بن حنبل نے اسي کوڑوں کي ضرب ا
برسوں تک قید خانے میں رهنا گوارا کرلیا ' اور مامون و معتصم ک
دعوة بدعت کي پیروي نه کي - لیکن اطاعت کا مستحق اُنهي کو سمجه
اور اپنے نامۂ وصیة میں لکھا تو یهي لکھا " والدعاء لائمة المسلمی
بالصلاح ' و لا تخرج علیهم بالسیف ' و لا تقاتل هم في الفتنة " کذا نقل
ابن الجوزي في سیرته -

حافظ عسقلاني نے ابن التین کا ایک قول نقل کیا هے " قد اجمعوا ا
(ای الخلیفه) اذا دعی الی کفر أو بدعة ' انه یقام علیه " یعني علما
اسپر اجماع کیا که اگر خلیفه کفر اور بدعت کي طرف بلاے تو اسپر خرو
کرنا چاهیے - پھر اس قول کي نسبت لکھتے هیں " ما ادعاه من الا جما
علی القیام في ما اذا دعا الی البدعة ' مردود ' الا اذا حمل علی بدعة تؤدي
الی صریح الکفر ' و الا ' فقد دعا المامون والمعتصم والواثق الی بدعة القول
بخلق القرآن و عاقبوا العلماء من اجلها بالقتل والضرب والحبس وأنواع الاهانة
ولم یقل أحد بوجوب الخروج علیهم بسبب ذالک ' و دام الا مر بضع عشر
سنة حتی ولی المتوکل الخلافة فابطل المحنة " (فتح - ۱۳ : ۱۰۳) یعني
یه جو ابن التین نے کہا که اگر خلیفه بدعت کي طرف بلاے تو اسپر خروج
کرنا جائز هے اور اسپر اجماع هوچکا هے ' تو یه قول مردود هے - الا یه که بدعت
سے اسکا مقصود ایسي بدعت هو جو صریح طور پر کفر تک پہنچ جاتي هو
کیونکه یه معلوم هے که مامون ' معتصم ' الواثق ' تینوں خلیفوں نے بدعت
خلق قرآن کي طرف دعوت دي ' اور اسکي وجه سے علماء سنة کو طرح طرح
کے مصائب و شدائد جھیلنے پڑے - قتل هوے ' پیٹے گئے ' قید کیے گئے ' لیکن
پھر بھي کسي نے انپر خروج واجب نہیں بتلایا ' اور برابر انکي اطاعت
کرتے رهے - حتی که تقریباً دس برس تک یهي حالت رهي - خلیفة
متوکل نے تخت نشین هوکر اس مصیبت کو دور کیا - انتهی -

حقیقت یه هے که صاحب شریعت صلی الله علیه وسلم نے خلافت
و اطاعت کے بارے میں جو کچھه فرمایا تھا ' عهد سلف کے مسلمانوں نے
کرکے دکھلا دیا که اسکا اصلي مفهوم و مقصد کیا هے ؟ وہ اپنے طرز عمل میں احکام
خلافت کے هر ٹکڑہ اور هر قسم کي ایک عملي تفسیر و شرح تھے - گذشته فصول
میں اُن احادیث پر نظر ڈال چکے هو جن میں آنے والے فتنوں کي نسبت
امت کو احکام دیے گئے هیں - خلافة راشده کا عهد فتنوں فسادوں سے محفوظ

تھا - لیکن اسکے بعد جو سلسلۂ خلافت شروع ہونے والا تھا ' وہ اپنے متضاد خصائص و حالات کي وجہ سے امت کیلیے ایک بڑي ھي سخت کشمکش اور ابتلا رکھتا تھا - وہ ایک ھي وقت میں سیاہ بھي تھا اور سفید بھي' نور بھی تھا اور ظلمت بھي' حق بھي تھا اور باطل بھي - حب و بغض ' ھجر و وصل' ترک و طلب' اطاعت و مخالفت' دونوں چیزیں ایک ھي وجود میں جمع ھوگئي تھیں' اور حکم شریعت یہ تھا کہ بہ یک وقت دونوں کو نبھاؤ' اور اپني اپني جگھوں پر دونوں باتیں بجالاؤ - ایک طرف تو اسپر زور دیا گیا کہ وہ خلیفہ و امام ھیں - اسلیے واجب الاطاعت ھیں - جب تک کفر صریح ظاھر نہو ' انکي فرمانبرداري سے منہ نہ موڑو - دوسري طرف یہ بھي کہدیا گیا کہ آنکے اعمال اچھے نہ ھونگے - پس اطاعت کرو - مگر پیروي و اقتداء نہ کرو - برائیوں کي طرف بلائیں تو ھاتھہ سے' زبان سے' دل کے اعتقاد سے' جس طرح بھي بن پڑے' پوري طرح مخالفت کرو اور آنکے قہر و تسلط سے دب کر حق کا ساتھہ نہ چھوڑو - غور کرو ! معاملہ کسدرجہ کٹھن اور جذبات انساني کیلیے کیسا پر از امتحان تھا ؟

- انسان ایک وقت میں ایک ھی جذبہ کام میں لاسکتا ھے - یا محبت کریگا یا دشمني - یا اطاعت کریگا یا نافرماني - جسکو اطاعت کا مستحق سمجھیگا ' اسکي ھر بات اسکي نظروں میں محبوب ھوجائیگي - جسکو برا سمجھیگا ' آسکي فرمانبرداري کبھی آسکے نفس کو گوارا نہ ھوگي - لیکن یہ وہ منزل عمل تھي جس میں ایک ھي وجود ممدوح و مذموم اور محبوب و مبغوض' دونوں صورتیں رکھتا تھا - ایک ھي انسان کے آگے جھکنا بھي تھا ' اور پھر آسي کے سامنے سرکشي بھی کرني تھی - البتـــہ جھکنے کا موقعہ دوسرا تھا - سرکشی کی گھڑی دوسري - جـــذبات و عواطف کیلیے سخت آزمایش اسمیں آ پڑی تھي کہ ھر جذبہ اپنے صحیح موقعـــہ پر کام میں لایا جاے - ورنہ ذرا سي بے اعتدالی بھي سخت گمـــراھي و ھلاکت کا موجب ھوجاتی - اطاعت کیشي میں اگر بے اعتدالی ھوتی' تو وہ اقتداء اور تأسی ھوجاتي جسکا نتیجہ باطل پرستی اور حق سے انحراف تھا - عدم اقتداء اور امر بالمعروف میں اگر بے اعتدالي ھوتي ' تو وہ خروج و بغاوت تک پہنچادیتي ' جسکا نتیجہ بد امنی و خونریزي ھوتا اور سخت معصیت و فسق کا وقوع - اس تیرہ سو برس میں کتنے ھی فتنے صرف اسی بے اعتدالي اور افراط و تفـــریط سے پیدا ھوے - کتنوں ھي نے جوش حق پرستي میں

بغاوت و خروج کرکے جمعیت امت و استحکام خلافت کو نقصان پہنچایا ' اور کتنوں ھی نے افراط اطاعت کیشي میں حق کو باطـــل اور باطل کو حق بنا کر امت کا نظام حق و عدل درھم برھم کردیا -

دنیا میں کوئي قوم نہیں جسکے اجتماعي اعمال کي تاریخ میں کوئي ایسي نظیر مل سکے کہ ایسے سخت و نازک حکم پر عمل کیا گیا ھو' اور پوري کامیابي کے ساتھہ اسکے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا ھو- لیکن عہد صحابۂ و سلف کے مسلمانوں نے صدیوں تـک عمل کرکے ثابت کردیا کہ سچائي اور اخلاق کي کوئي عملي مشکل ایسي نہیں جو پیروان اسلام کیلیے مشکل ھوسکے - انھوں نے نہ صرف اسپر عمل کیا ' بلکہ پوري کامیابي کے ساتھہ اس اخلاقي امتحان سے عہدہ برا ھوکر نکلے - انھوں نے ایک ھي وقت میں دونوں متضاد عمل کر دکھلاے - اطاعت بھي کي اور مخالفت بھي - لیکن اطاعت اُسي بات میں کي جو مستحق اطاعت تھي ' اور مخالفت وھیں کي جہاں مخالفت کرني تھي - " اطاعت " اور " اقتداء " کے اُس نازک فرق کو جسکو فلسفۂ اخلاق بڑي بڑي دقیقہ سنجیوں کے بعد حل کرسکتا ھے ' انھوں نے اپني عملي زندگي کي سادگي سے حل کر دکھایا ' اور دنیا پر ثابت کردیا کہ اخـــلاق کے فلسفہ کیلیے جو چیز سب سے زیادہ مشکل ھے ' وھي ایک مومن کے عمل کیلیے سب سے زیادہ آسان ھے !

قومي حکومت کي اطاعت اور فرماں برداري اس سے بڑھکر اور کیا ھوسکتي ھے جو صحابۂ و تابعین نے بنو امیہ کے امراء جور کي کي ؟ اور اُنکے بعد علماء سلف نے بنوعباس کے دعاۃ بدعت کي ؟ ھر طرح کے مظالم سہے ' ھر طرح کي مصیبتیں جھیلیں ' قید کیے گئے ' دروں سے مارے گئے ' قتل ھوے ' مگر پھر بھي اطاعت سے باھر قدم نہ رکھا ' اور ھمیشہ یہي کہتے رھے " ینصب لکل غادر لواء یوم القیامہ ' و نحن بائعنا ھم " وہ جو فرمایا تھا کہ " قیـــد شبر " بالشت بھر بھي اطاعت سے الگ نہو ' سو واقعي ویسا ھي عمل کرکے دکھا دیا !

مگر ساتھہ ھي استقامت حق اور امر بالمعروف و دعوۃ الی السنۃ کا بھي یہ حال تھا کہ نہ تو عبد الملک کي بے پناہ تلوار اسپر غالب آ سکتي تھي ' نہ حجاج کي خون آشامي ' اور نہ مامون و معتصم کي قہرمانیۃ - قدم جب اُٹھتا تھا تو حق کي طرف ' زبان جب کھلتي تھي تو سچائي کیلیے ' اور دل میں کسي کی گنجائش نہ تھي مگر عشق کتاب و سنۃ کي -

انھوں نے جس طرح اس حکم کي پیروي کي کہ " تسمع و تطیع و ان ضرب ظھرک و اخذ مالک فاسمع و اطع " رواہ مسلم - ٹھیک ٹھیک اُسي طرح اس فرمان کي بھي کي کہ " فان امر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة " اور " من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ ، فان لم یستطع فبلسانہ ، و ان لم یستطع فبلقبہ ، و ذلک اضعف الایمان " رواہ مسلم -

حضرة امام احمد بن حنبل کي پیٹھہ پر نو جلاد تازیانے مار رہے تھے - خود المعتصم سر پر کھڑا تھا - تمام پیٹھہ سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے - اور یہ سب کچھہ صرف اتني بات کیلیے ھورھا تھا کہ قرآن کي نسبت ایک ایسے سوال کا جواب دیدیں جسکا جواب اللہ کے رسول اور اُسکے یاروں نے نہیں دیا ھے اور نہ دینے کا حکم دیا ھے - وہ سب کچھہ سہہ رہے تھے مگر جواب نہیں دیتے تھے - اگر کوئي صدا نکلتي بھي تھی تو یہي نکلتي " اعطوني شیئاً من کتاب اللہ او سنة رسولہ حتي اقول " درے مارنے سے کیا ھوتا ھے ؟ اللہ کي کتاب اور اسکے رسول کي سنت سے ثابت کر دکھاؤ تو اقرار کرلوں - اسکے سوا اور کوئي چیز نہیں ھے جسکے آگے اقتداؤ اتباع کا سر جھک سکے -

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہرو وفا مپرس !

(سني اور شیعہ دونوں متفق ھیں)

اسي طرح تمام آئمۂ اھلبیت کا زمانہ خلفاء بنو آمیۂ و عباسیہ کے عہدوں میں گزرا - یہ معلوم ھے کہ وہ خلافة کا مستحق صرف اپنے ھي کو یقین کرتے تھے نہ کہ بنو آمیۂ و عباسیہ کو - با ایں ھمہ کسي نے بھي اُنکے خلاف خروج نہ کیا اور نہ اطاعت سے انکار کیا - سب اسي پر متفق ھوے کہ حکومت اُنکي قائم ھوچکي ھے ، اسلیے سلطان وقت وھي ھیں -

خاندان اھل بیت میں سے جس کسي نے خروج کیا ، آئمہ نے برابر اپني مخالفت آن سے ظاھر کي - جیساکہ حضرت زید کے خروج اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے انکار سے ثابت و معلوم ھے -

حضرۃ امام علي رضا کو مامون الرشید نے اپنا ولي عهد قرار دیا - امام موصوف نے ولي عهدي قبول کرلي - یعنے تسلیم کرلیا که مامون خلیفه هے ' اور اُسکو اپنے استخلاف اور ولي عهدي کا حق پهنچتا هے - اگر وہ خود خلیفه نه تها تو دوسرے کو ولي عهدي کیونکر مل سکتي تهي ؟

آئمۂ اهل بیت کي پوري تاریخ میں ایک واقعه بهي موجود نهیں که انهوں نے لوگوں کو بنو اُمیۂ و عباسیه کي اطاعت سے روکا هو- بر خلاف اسکے کتب حدیث امامیه (مثلاً اصول کافي وغیرہ) میں ایسي تصریحات موجود هیں که با وجود اظهار استحقاق خود و شکوۂ غصب و تعدي ' عدم اطاعت و حکم خروج سے همیشه مانع رهے -

سب سے زیادہ قاطع اور فیصلـــه کن اسوۂ حسنه اس بارے میں خود حضرۃ علي علیه السلام کا هے - حضرات امامیه انکي خلافت کو منصـــوص تسلیم کرتے هیں ' اور کهتے هیں که انکي موجودگي میں اور کوئي جائز خلیفه نهیں هوسکتا تها - با این همه ظاهر هے که یکے بعد دیگرے تین خلیفه هوے ' اور حضرۃ علي نے نه تو خروج کیا ' نه بیعت سے انکار کیا ' نه علحدگي اختیار کي - متصل بیس برس تک اُنکا یهي طرز عمل قائم رها - اس سے بڑهکر قاطع و فاصل دلیل اس بات کیلیے اور کیا هوسکتي هے که جب امت ایک سلطان پر مجتمع هو جاے ' تو پهر کسي طرح بهي اسکي مخالفت جائز نهیں - اور اسکي اطاعت کرنا هر فرد پر واجب هے ؟ جب ایک خلیفۂ و امام منصوص من الله کیلیے انکار جائز نه تها ' تو عامۂ امت کیلیے کب جائز هوسکتا هے ؟

غرضکه اس بارے میں اهل سنت و امامیه دونوں متفق هیں -

یهیں سے یه حقیقت بهي واضح هوگئي که حضرات امامیه اور اهل سنت میں مسئلۂ خلافۃ کي نسبت جو مشهور اختلاف هے ' وہ صرف پهلي صورت میں هے ' نه که دوسري صورت میں - یعني اس بارے میں هے که اگر امت خلیفه و امام منتخب کرے تو کس کو اور کیسے کو منتخب کرے ؟ شیعه کهتے هیں که اسکا استحقاق صرف آئمۂ اهل بیت کو هے - وهي امام هوسکتے هیں - اهل سنۃ کهتے هیں که یه شرط ضروري نهیں :

لیکن اگر اصلي نظام باقي نه رها هو اور غلبۂ و تسلط سے کوئي شخص اسلام کي مرکزي سلطنت پر قابض هوگیا هو ' تو اُسکي اطاعت پر جسطرح

اهل سنۃ کي تمام جماعتیں متفق هیں، ٹھیک اُسي طرح شیعه بھي متفق هیں۔ اهل سنۃ کے نزدیک خلافۃ کي تمام شرطیں صرف خلفاء راشدین هي میں جمع تھیں اور اُنھي کا انتخاب صحیح نظام شرعی کے مطابق هوا - اُنکے بعد پھر نه هوا - امامیه کے نزدیک ابتدا هي سے نه هوا- لیکن اطاعت دونوں عہدوں میں اهل سنۃ نے بھي ضروري قرار دي - شیعوں نے بھي ضروري قرار دي - نتیجه یه نکلا که ایک قائم و نافذ اسلامي سلطنت کی اطاعت پر سني و شیعه، دونوں متفق هیں - یہي حال زیدیه وغیرہ فرقوں کا ھے -

فصل

(بعض کتب مشہورۂ عقائد و فقه)

تمام اسلامي مدرسوں میں صدیوں سے جو کتابیں پڑھي پڑھائي جا رھي هیں، ان میں سے بعض کي عبارتیں هم نقل کرینگے :

شرح مقاصد میں ھے : " و اما اذا لم یوجد من یصلح ذالک، او لم یقدر علی نصبه لاستیلاء اهل الباطل و شوکۃ الظلمۃ و ارباب الضلال، فلا کلام في جواز تقلید القضاء و تنفیذ الاحکام و اقامۃ الحدود و جمیع ما یتعلق بالامام من کل ذي شوکۃ " اور شروط امامۃ بیان کرکے لکھتے هیں " نعم، اذا لم یقدر علی اعتبار الشرائط، جاز الابتداء للاحکام المتعلقۃ بالامامۃ علي کل ذي شوکۃ یقتدر، تغلب او استولي " اور اُسي میں ھے " فان لم یوجد من قریش من یجمع الصفات المعتبرہ، ولي کناني، فان لم یوجد، فرجل من ولد اسماعیل، فان لم یوجد فرجل من العجم " -

مرقات شرح مشکواۃ میں ھے " و اما الخروج علیهم و قتالهم، فمحرم و ان کانوا فسقۃ ظالمین " اور حدیث " من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد " کي شرح میں لکھتے هیں " ای له اهلیۃ الخلافۃ، او التسلط و الغلبه " -

شامي میں ھے " و یثبت عقد الامامۃ اما باستخلاف الخلیفۃ إیاہ کما فعل ابوبکر، و اما ببیعۃ جماعۃ من العلماء او من اهل الرأے " -

مسامرہ میں ہے " و المتغلب تصح منه هذه الامور (اى ولاية القضاء و الامارة و الحكم بالاستفتاء و نحوها) للضرورة ، و صار الحال عند التغلب كما لم يوجد قرشى عدل ، او وجد و لم يقدر (اى لم توجد قدرة على توليته لغلبة الجورة) اذ يحكم في كل من الصورتين بصحة ولاية من ليس بقرشي و من ليس بعدل للضرورة "

اور شرح مواقف میں امامت کي شرطیں بیان کرکے لکھتے ھیں : " لكن للامة ان ينصبوا فاقد ها ، دفعا للمفاسد التي تندفع بنصبه " (٦١٤)

سب سے زیادہ مشرح بحث حافظ عسقلاني نے فتح الباري میں کي ہے : " و قد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السلطان المتغلب و الجهاد معه ، و ان طاعته خير من الخروج عليه لما في ذلك من حقن الدماء و تسكين الدهماء ، و لم يستثنوا من ذلك الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح ، فلا يجوز طاعته في ذلك بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها كما فى الحديث " (جلد ١٣ : ٧)

اور روایت حذیفه " فاعتزل تلك الفرق كلها " الخ مندرجۂ كتاب الفتن کي شرح میں لکھتے ھیں " قال ابن بطال : فيه حجة لجماعة الفقهاء في وجوب لزوم جماعة المسلمين و ترک الخروج على آئمة الجور ، لانه وصف الطائفة الاخيرة بانهم دعاة على ابواب جهنم ، مع ذالک امر بلزوم الجماعة " (١٣ : ٣١)

اور حدیث " اسمعوا و اطيعوا و ان استعمل عليكم عبد حبشي " کي شرح میں لکھتے ھیں " و اما لو تغلب عبد حقيقة بطريق الشوكة ، فان طاعته تجب اخماداً للفتنة " (١٣ : ١٠٩)

حافظ نواوي شرح مسلم میں لکھتے ھیں " و هذه الاحاديث في الحث على السمع و الطاعة في جميع الاحوال ، و سببها اجتماع كلمة المسلمين ، فان الخلاف سبب لفساد احوالهم في دينهم و دنيا هم - و قوله صلعم : و ان كان عبد مجدع الاطراف - يعنى مقطوعها ، و المراد اخس العبيد - اے اسمع و اطيع للامير و ان كان دني النسب * * * * و يتصور امارة العبد اذ ولاه بعض الائمة ، او يغلب على البلاد بشوكته " الخ - (جلد ٢ : ١٢٥)

اور قاضي شوكاني درر البهيه میں لکھتے ھیں " و طاعة الائمة واجبة الا في معصية الله ، و لا يجوز الخروج عليهم ما اقاموا الصلوة " (شرح درر : ٤١٤)

اور حجة الله البالغه میں هے " ان الخلیفة اذا انعقدت خلافته ' ثم خرج آخر ینازعه ' حل قتله "

اور ازالة الخفاء میں ایک مفصل اور دقیق بحث مسئلۂ خلافت و حقیقت خلافت پر کرتے هوے (جس سے بہتر اور جامع بحث شاید هي کسي دوسري جگه ملسکے) لکھتے هیں " و حرام ست خروج بر سلطان بعد ازان که مسلمین بر وے جمع شدند' مگر آنکه کفر بواح از وے دیده شود' اگرچه آن سلطان مستجمع شرائط نه باشد و این مضمون متواتر بالمعنی ست" (جلد - ۱ : ۱۳۷)

حاصل ان تمام عبارتوں کا وهي هے جو اوپر گزرچکا - یعنی هر زمانے میں امت کیلیے ایک خلیفه هونا چاهیے جو صاحب طاقت و اقتدار هو - اگر امت منتخب کرے تو اسکے لیے فلاں فلاں شرطیں هیں - لیکن اگر کسي مسلمان کي حکومت قائم هوگئي هے اور وهي صاحب اقتدار و شوکت هے' تو اُسي کو خلیفه ماننا چاهیے - خواه تمام شرطیں اُسمیں پائي جائیں یا نه پائي جائیں - قرشي هو یا غیر قرشي ' ظالم هو یا عادل ' عالي خاندان هو یا دني النسب ' حتی که ایک حبشي غلام هي کیوں نهو ' لیکن اُسکي اطاعت و حمایت هر مسلمان پر واجب هے - جب تک کفر صریح اس سے ظاهر نهو - لیکن اگر ایسا هوا ' تو پھر نه بیعت قائم رهی نه عهد اطاعت باقي رها - اُس حالت میں مسلمانوں پر واجب هو جائیگا که اسکا مقابله کریں - جو شخص مقابله کي طاقت اپنے میں نه دیکھے' وه اسکے ملک سے هجرت کر جاے - " فمن قام علی ذلک فله الثواب - و من داهن ' فعلیه الاثم - و من عجز' وجبت علیه الهجرة من تلک الارض " کذا في الفتح (۱۳ : ۱۰۹)

فتح الباري کي اس عبارت سے ضمناً یه بات بھي معلوم هوگئي که جس ملک میں کفار کي سلطنت قائم هو جاے ' وهاں مسلمانوں کو خروج کرنا چاهیے ' اور حق کے اظهار و اعلان میں کسي طرح کي مداهنت گوارا نه کرني چاهیے - لیکن اگر اسکي طاقت اپنے اندر نه دیکھیں ' تو پھر اس ملک سے هجرت کر جائیں - یعنی یه کسي حال میں جائز نهیں که تسلط کفر پر قانع و رضامند هوکر زندگي بسر کریں -

فصل

(من حمل علينا السلاح فليس منا)

سورۂ نساء میں ہے :

ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزآؤہ جهنـــم خالداً فيها و غضب الله عليـــه و لعنه ' و اعدله عذاباً عظيـــما - (۴ : ۹۵)

جو مسلمان کسي دوسرے مسلمان کو جان بوجهکر قتل کرڈالے تو اسکي سزا دوزخ کي هميشگي هے ' الله کا غضب هے ' اسکي پهتکار هے ' اوربڑاهي درد ناک عذاب هے جو ایسونکے لیے طیار هوچکا هے -

یه آیت اس بارے میں نص قطعي و ظاهر هے که جو مسلمان دانسته بلا کسي حق شرعي کے دوسرے مسلمان کو قتل کرے ' وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا ' الله کے غضب و لعنت کا مورد هوگا ' اورعذاب الیم کا مستحق -

بخاري و مسلم میں هے " سبـــاب المسلم فسوق و قتاله کفر " (و رواہ الترمذي و صححه و لفظه " قتال المسلم اخاہ کفر و سبابه فسوق ") یعني مسلمان کو دشنام دینا فسق هے اور اُس سے لڑائي لڑنا کفر -

آنحضرۃ نے آخري حج کے موقعه پر جو یادگار عالم خطبه دیا تها ' اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے مشهور هے ' اسمیں همیشه کیلیے تمام امت کو وصیت فرمائي " لا ترجعوا (وفي روایة لا ترجعون) بعدي کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض " (بخاري) میرے بعد کافروں کي طرح نه هوجانا که تم میں سے ایک دوسرے کي گردن اڑاے -

اور بخاري میں حضرۃ ابو هریرہ سے مروي هے " لایشیر احد کم علی اخیه بالسلاح فانه لا یدري لعل الشیطان ینزغ فی یدہ (و في روایة ینزع بالعین) فیقع في حفرۃ من النار " (و ایضاً اخرجه مسلم عن ابن رافع' و ابو نعیم في المستخرج من مسند ابن راهویه) یعنی فرمایا : کبهي اپنے بهائي مسلمان کي طرف هتیار سے اشارہ نه کیا کرو - ممکن هے که هتیار لگ جاے اورتم جهنم کے گڑهے میں گر پڑو - یعنی اگر اشارہ کرنے میں تلوار کام کرگئي اور مسلمان کا خون هوگیا ' تو ایک ایسے فعل کا ارتکاب هوجائیگا جسکي پاداش عذاب جهنم هے -

اور ابن ابي شيبه نے ابو هريرة سے مرفوعاً روايت كيا هے " الملائكة تلعن أحدكم اذا أشار الى الاخر بحديدة و ان كان اخاه لابيه و امه " اور امام ترمذي نے ايک دوسري اسناد سے موقوفاً روايت كيا هے "من اشار الى اخيه بحديدة لعنه الله الملائكه " (قال حسن صحيح غريب - وكذا صححه ابوحاتم من هذا الوجه) يعني فرمايا - جب كبهي كوئي مسلمان دوسرے مسلمان كي طرف هتيار سے اشارہ كرتا هے تو فرشتے اسپر لعنت بهيجتے هيں - فتح الباري ميں هے " قال ابن العربي اذا استحق الذي يشير بالحديدة اللعن ، فكيف الذي يصيب بها ؟ و انما استحق اللعن اذا كانت اشارته تهديداً ، سواء كان جاداً أم لاعباً " (جلد ١٣ : ٢١) يعنے ابن العربي نے كہا : جب صرف هتيار اُٹهاكر اشارہ كرنے كي نسبت ايسى شديد وعيد آئي كه فرشتے لعنت بهيجتے هيں ، تو اُس بد بخت كا كيا حال هوگا جو صرف اشارہ هي نه كرے ، بلكه سچ مچ اپنے هتيار سے ايک مسلمان كو قتل كر ڈالے ؟ اور يه جو فرمايا كه اشارہ كرنے والا مستحق لعنت هوتا هے ، تو اس سے مقصود وهي شخص هوگا جو ڈرانے كيليے ايسا كرے - خواہ غصه سے هو خواہ هنسي سے - انتهى - اس سے معلوم هوا كه اگر هنسي دل لگي سے بهي كوئي شخص هتيار اُٹهاكر كسي مسلمان كو ڈرائے ، تو وہ لعنت كا مستحق هوگا - يعني كسي حال ميں بهي يه بات مسلمانوں كيليے جائز نہيں - اور يه فعل اسدرجه شريعت كے نزديک مبغوض هے كه اُسكي هنسي دل لگي بهي لعنت كا موجب ٹهري !

حضرة عبد الله بن عمر سے مرفوعاً مروي هے " زوال الدنيا كلها اهون على الله من قتل رجل مسلم " (اخرجه الترمذي و قال حديث حسن ، و اخرجه النسائي بلفظ " لقتل المومن اعظم عند الله من زوال الدنيا ") يعني آنحضرة نے فرمايا - الله كي نظروں ميں تمام دنيا كے زائل هوجانے سے بهي بڑهكر جو چيز هے ، وہ ايک مسلمان كا قتل هونا هے - اور اسي بنا پر فرمايا " اول ما يقضي بين الناس في الدماء " (رواه البخاري عن ابن مسعود و زاد مسلم " في يوم القيامة ") قيامت كے دن سب سے پہلے جس معامله كا فيصله چكايا جائيگا وہ انسان كا خون هے - (١)

---

(١) يہاں يه شبه وارد نهو كه يه حديث محاسبة صلوات كي مشهور حديث سے معارض هے ، كيونكه نماز كي نسبت قضاء كا لفظ نہيں آيا هے - حساب كا آيا هے - بخاري كي روايت ميں هے " اول ما يحاسب به المرء

حضرة عبد الله بن عمر کے سامنے جب ایک قاتل لایا گیا تو آپنے فرمایا " تزود من الماء البارد، فانك لن تدخل الجنه " (رواه البيهقي) بن پڑے تو اچھي طرح ٹھنڈے پانی کي طياري کرلے کيونکه تيرا ٹھکانا دوزخ هے - تو يقينا جنت ميں نه جائيگا !

حقيقت يه هے که ايک مسلمان کے ليے شرک کے بعد اس سے بڑھکر اور کوئي کفر نهيں هوسکتا که اپنے مسلمان بھائي کے خون سے هاتھه رنگين کرے -

---

(بقيه نوٹ صفحه ٦٩)

صلاته " قيامت ميں سب سے پہلے آدمي سے جس عمل کا حساب ليا جائيگا وہ نماز هے - اس سے معلوم هوا که جن کاموں ميں محاسبه هوگا ' اُن ميں سب سے پہلا کام نماز هے - ليکن جن کاموں ميں فيصله چکايا جائيگا ' اُن ميں سب سے پہلا معامله خون کا هوگا - پس دونوں ميں کوئي تعارض نهيں - چنانچه نسائي نے يه دونوں ٹکڑے ايک هي متن و اسناد سے روايت کيے هيں " اول ما يحاسب به العبد الصلاة ' و اول ما يقضي بين الناس في الدماء " امام بخاري نے مندرجۂ متن حديث ابن مسعود سے به طريق اعمش عن ابي وائل روايت کي هے اور منجمله ثلاثيات بخاري کے هے - نسائي بھي يه روايت ابو وائل هي کے طريق سے لاے هيں - پس سنداً و متناً روايت ايک هي هوئي - باقي رها محاسبه و قضاء کا فرق ' تو وہ بالکل ظاهر هے - بعض اعمال انسان کي ذات خاص سے تعلق رکھتے هيں - بعض دوسروں کے حقوق سے - شريعت نے اسي فرق کو حقوق الله اور حقوق العباد سے تعبير کيا هے - پہلي قسم کے کاموں ميں قضاء اور فيصله کي ضرورت نهيں کيونکه هر شخص کي ذات خاص سے تعلق رکھتے هيں - کوئی دوسرا نفس مدعي نهيں هوتا - البته پرسش هو سکتي هے که وہ فرائض انجام ديے گيے يا نهيں ؟ ليکن دوسري قسم کے ليے پرسش کافي نهيں - فيصله چکانے کي ضرورت هے - کيونکه وہ ايسے کام هيں جن ميں دوسروں کے حقوق تلف هوے هيں اور وہ به حيثيت مدعي کے کھڑے هونگے - نماز پہلي قسم کے اعمال ميں سب سے زيادہ اهم هے' اور قتل نفس کا معامله دوسري قسم ميں سب سے زيادہ اهم - پس جب حساب هوگا تو سب سے پہلے نماز کي نسبت پوچھا جائيگا ' اور جب فيصله چکايا جائيگا تو سب سے پہلے قتل نفس کا معامله پيش هوگا -

شریعت نے مسلمانوں کی جمعیت و قومیت کی بنیاد باھمی مواخات پر رکھی ھے - یعنی ھر مسلمان کا شرعی رشتہ دوسرے مسلمان سے بھائی کا رشتہ ھے : فاصبحتم بنعمته اخوانا (۳ : ۱۰۳) انما المومنون اخوۃ ' فاصلحوا بین اخویکم (۴۹ : ۱۰) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ھیں - پس جب دو بھائیوں میں رنجش ھوجاے تو صلح کرادو - مسلمانوں کی قومی سیرۃ جا بجا یہ بتلائی - اذلة علی المومنین اعزۃ علی الکافرین (۵ : ۵۹) اشداء علی الکفار رحماء بینھم (۴۸ : ۲۹) اُن میں جس قدر بھی نرمی ھے ' مسلمانوں کے ساتھہ ھے - جسقدر بھی سختی ھے ' غیروں کے ساتھہ - وہ سب سے زیادہ نرم بھی ھیں اور سب سے زیادہ سخت بھی - نرم اپنوں کے لیے ' سخت غیروں کے لیے - اُنکے پاس محبت بھی ھے ' عداوت بھی - لیکن محبت پرستاران حق کے ساتھہ کرتے ھیں ' عداوت دشمنان حق کے ساتھہ -

احادیث میں اس حقیقت کی جو بے شمار تشریحات و تمثیلات ملتی ھیں ' وہ مشھور و معلوم ھیں ' اور مھاجرین و انصار اور عموم صحابۂ کرام نے انکی عملی تصویر بنکر ھمیں بتلا دیا ھے کہ اخوت دینی کے معنی کیا ھیں ؟ ھر مسلمان پر اسکی نماز اور روزہ سے بھی بڑھکر جو چیز فرض کردی گئی ' وہ یہی ھے کہ مسلمانوں سے محبت کرے ' جہانتک بن پڑے اُنکی بھلائی چاھے ' اور کوئی بات ایسی نہ کرے جس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے - اگر یہ چیز نہیں ھے تو ایمان و اسلام بھی نہیں - پہاڑوں جتنا بھی زھد و عبادت ھو اور سمندر جتنی بھی دولت خرچ کرڈالی جاے ' لیکن اگر یہ چیز نہیں تو بالکل بیکار و عبث ھے -

فرمایا " لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ " (رواہ الشیخان) کوئی شخص مومن نہیں ھوسکتا جب تک اس میں یہ بات پیدا نہ ھوجاے کہ جو بات اپنے لیے پسند کرے ' وھی اپنے بھائی مسلمان کے لیے بھی پسند کرے -

اور فرمایا " لا تدخلون الجنة حتی تومنوا و لا تومنون حتی تحابوا " (شیخان) تم کبھی جنت میں داخل نہیں ھوسکتے جب تک ایمان نہ لاؤ ' اور کبھی مومن نہیں ھوسکتے جب تک آپس میں محبت و پیار نہ کرو -

اور فرمایا " لا تحسسوا ' و لا تجسسوا ' و لا تناجشوا ' و لا تباغضوا ' و لا تدابروا ' ولا تنابزوا ' و کونوا عباد اللہ اخوانا " (شیخان) ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو ' باہم کینہ اور عناد نہ رکھو ' بدگوئی نہ کرو ' اور ایسا کرو کہ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ -

حضرۃ جابر کو وصیت کی " ان تصبح و تمسی و لیس فی قلبک غش لاحد " (مسلم) تجھپر صبح کا سورج چمکے تو اس حالت میں چمکے کہ اسکی کرنوں کی طرح تیرا دل بھی صاف ہو ' اور شام آے تو اسطرح آے کہ کسی کے طرف سے تیرے اندر کھوٹ نہو -

اور فرمایا " المسلم من سلم المسلمون من یدہ و لسانہ " (بخاری) مسلمان وہ ہے کہ اسکے ہاتھہ اور زبان سے مسلمانوں کو کوئی گزند نہ پہنچے -

اور فرمایا " المسلم اخو المسلم ' لا یظلمہ ' و لا یخذلہ ' و لا یحقرہ " (مسلم) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے - پس اپنے بھائی کے ساتھہ نہ تو ظلم کرے ' نہ اسے ذلیل کرے ' نہ اسکو حقیر جانے -

اور فرمایا " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث " (شیخان) کسی مسلمان کیلیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے روٹھا رہے -

اور فرمایا " ملعون من ضار مومنا او مکر بہ " (ترمذی) اللہ کی اسپر پھٹکار جس نے مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اسکو دھوکا دیا -

ایک حدیث میں یہانتک زور دیا کہ " من کان یومن باللہ و الیوم الاخر ' فلا یحد النظرالی اخیہ " (رواہ الحاکم و صححہ) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے ' اسکو نہ چاہیے کہ اپنے بھائی مسلمان کی طرف تیز نظروں سے گھورے - یعنی جب مسلمان بھائی کو دیکھے تو محبت اور پیار کی نظروں سے دیکھے -

پس جب اللہ کی شریعت حقہ نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی باہمی محبت و برادری پر رکھی ' اسی کو ایمان کی جڑ قرار دیا ' وہی اسلام کی اصلی پہچان ہوئی ' اسی پر ایمان کی تکمیل موقوف ٹھہری ' تو ظاہر ہے کہ جو مسلمان خدا کے اس جوڑے ہوے رشتے کو توڑ دے ' اور اپنے انھی ہاتھوں سے جو مسلمانوں کی دستگیری و مددگاری کیلیے بناے گئے تھے ' مسلمانوں کی گردنیں کاٹے ' اس سے بڑھکر خدا کی زمین پر اسکی

شریعت کا کون مجرم ہوسکتا ہے ؟ اور اگر انسان کی برائیاں اور بد عملیاں اللہ کی لعنت کا مستحق ہوسکتی ہیں ' تو اس فعل سے بڑھکر اور کونسا فعل ہے جو اللہ کے عرش جلال و غیرت کو ہلا دے ' اور اسکی لعنتیں بارش کی بوندوں کی طرح آسمانوں سے زمین پر برسنے لگیں ؟

جس مومن کا وجود اللہ کو اس قدر محبوب و محترم ہو کہ تمام دنیا کا زوال اُس کی ہلاکت کے مقابلے میں ہیچ بتلائے ' اُسی کا خون خود ایک مسلمان کے ہاتھوں بہے ؟ اس سے بڑھکر شریعت الہی کی کیا توہین ہوسکتی ہے ؟ اور اُن سارے گناہوں میں جو انسان کے ہاتھہ پانوں کرسکتے ہیں ' کونسا گناہ ہے ' جو اس سے زیادہ ملعون و مردود ہوسکتا ہے ؟

دنیا کی کونسی بڑائی اور عظمت ہے جو کلمۂ لا الہ الا اللہ سے بڑھکر خدا کی نظروں میں عزت رکھتی ہو؟ اور کونسی محبوبیت ہے جو اس کلمۂ عزیز کے اقرار کرنے والے کو اللہ کے حضور نہیں ملجاتی ؟ پس جس بد بخت کا احساس ایمانی یہانتک مسخ ہوجاے کہ با وجود دعوئے اسلام مسلمانوں کا خون بہانے لگے ' وہ یقیناً مسلمانوں کا خون نہیں بہاتا ' بلکہ اللہ کے کلمۂ توحید کو ذلیل و خوار کرتا ' اور اسکی عزت و اجلال کو بٹہ لگانا چاہتا ہے -

صحیح بخاری و مسلم میں حضرۃ اسامہ کی روایت ہے کہ اُنکو آنحضرۃ نے بنو الحرقہ کی طرف ایک فوجی مہم دیکر بھیجا تھا - لڑائی میں اُسامہ نے ایک آدمی پر حملہ کیا - ساتھہ ھی ایک انصاری بھی حملہ آور ہوا - اُسامہ کہتے ہیں کہ جب میری تلوار اُسکے سر پر چمکی تو وہ پکار اُٹھا " لا الہ الا اللہ " - میں نے کچھہ پروا نہ کی اور قتل کر ڈالا - لیکن کلمہ کی صدا سنکر انصاری نے تلوار روک لی - آنحضرۃ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت ناراض و غمگین ہوے اور فرمایا " أقتلته بعد ما قال لا اله الا الله " ؟ تونے اُسے قتل کردیا بارجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا ؟ میں نے عرض کیا " انما کان متعوذا " وہ تو اس نے محض میری تلوار سے بچنے کیلیے کہدیا تھا - فی الحقیقت مسلمان نہیں ہوا تھا - " فما زال یکررھا علی حتی تمنیت أني لم أکن اسلمت قبل ذلک الیوم " لیکن آنحضرۃ برابر یہی جملہ دھراتے رہے " تونے قتل کرڈالا باوجودیکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا " یہانتک کہ آنحضرۃ کا حزن و ملال اور اس واقعہ کا تاثر دیکھکر مجھے اسقدر ندامت ہوئی کہ دل نے کہا ' کاش آج کے دن

سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا - ایک روایت میں ہے " افلا شققت عن قلبه حتی تعلم " تونے اسکا دل چیر کر کیوں نہ دیکھہ لیا کہ واقعي دل سے اقرار کیا ہے یا نہیں ؟ یعنی جب زبان سے یہ کلمہ نکلا تو اُسکا احترام واجب ہوگیا - خواہ تلوار کے ڈر سے کہا ہو یا سچ مچ دل سے اقرار کیا ہو - دل کا حال صرف الله هي کو معلوم ہے -

یہي واقعہ صحیح مسلم میں جندب بن عبد الله کي روایت سے بهي مروي ہے اور اسمیں بعض زیادات ہیں - و فیه ان النبي صلعم قال له " فکیف تصنع بلا اله الا الله اذا أتتک یوم القیامه " ؟ قال یا رسول الله استغفرلي - " قال فکیف تصنع بلا اله الا الله " ؟ فجعل لا یزیده علی ذلک - یعنی آنحضرۃ صلعم نے اُسامہ سے کہا " قیامت کے دن جب وہ لا اله الا الله کے ساتھہ تیرے سامنے آئیگا تو اسوقت تو کیا کریگا ؟ یعنے الله کو کیا جواب دیگا ؟ اُسامہ نے عرض کیا - یا رسول الله ! ابتو مجھہ سے یہ قصور ہوگیا - میري بخشش کیلیے دعا کیجیے - لیکن آنحضرۃ یہي کہتے رہے کہ قیامت کے دن لا اله الا الله کا جب دعوا ہوگا تو تم کیا جواب دوگے ؟ اور اس جملہ کے سوا کوئی بات نہ فرمائی -

بخاري میں ہے کہ آپ سے مقداد بن عمرو الکندي نے پوچھا " ان لقیت کافراً فاقتتلنا ، فضرب یدی بالسیف فقطعها ، ثم لاذ بشجرۃ و قال أسلمت لله ، أأ قتله بعد ان قا لها ؟ " اگر ایسا ہو کہ ایک کافر سے مقابلہ کریں ، اور وہ تلوار میرے ہاتھہ پر اسطرح مارے کہ ہاتھہ کٹ جاے - پھر الگ ہوکر کہے میں الله پر ایمان لایا ، تو یہ کہنے کے بعد اُسے قتل کروں یا نہ کروں ؟ فرمایا " لا تقتله " مت قتل کر - " قال فانه طرح احدي یدي ثم قال ذلک بعد ما قطعها " مقداد نے عرض کیا - اس نے تو میرا ہاتھہ کاٹ ڈالا اور اسکے بعد اسلام لانے کا اقرار کیا - پھر کیوں نہ میں اُس سے اپنا بدلا لوں ؟ فرمایا " لا تقتله ، فان قتلته ، فانه بمنزلتک قبل أن تقتله ، و انت بمنزلته قبل ان یقول کلمته التي قال " جو کچھہ بهي ہوا ہو ، لیکن جب کلمۂ توحید کا اقرار کرلیا تو پھر قتل نہ کر - اقرار کرنے سے پہلے وہ کافر تھا ، اور تو مسلمان ، لیکن اگر تونے اقرار کے بعد اُسے قتل کردیا تو وہ تیري جگہ ہو جائیگا اور تو اسکي جگہ -

یہ دو روایتیں اس بارے میں نہایت هي عبرت انگیز ہیں - جب الله کے رسول کا یہ حال تھا کہ ایک مشرک دشمن کا جنگ کي حالت میں بهي

قتل هو جانا گوارا نه هوا کیونکه اُس نے خوف جان سے ایک مرتبه لا اله الا الله کہدیا تھا ' اور اسپر اسقدر رنج و افسوس فرمایا که عرصه تک صداے الم زبان مبارک سے نکلتي رهي ' تو پھر غور کرو که جو مسلمان اُن مسلمانوں کو قتل کرے ' جنکي ساري زندگیاں اسلام و ایمان میں بسر هوئي هیں ' اور جنھوں نے محض خوف جان سے ایک مرتبه هي نهیں ' بلکه دل کے یقین و ایمان سے لاکھوں مرتبه کلمه لا اله الا الله کا اقرار اور ورد کیا ہے ' اسکي شقاوت و خسران کا کون اندازه کرسکتا ہے ؟ اور شریعت کے نزدیک اس فعل سے بڑھکر اور کون سا فعل ہے جو ایک مسلمان کیلیے عذاب الیم کا مستوجب هو ؟

یهي وجه ہے که قرآن حکیم نے اس فعل کیلیے وہ وعید فرمائي جو کسي معصیت کیلیے نهیں فرمائي - یعنے فجزاؤه جنهم خالداً فیها ' وغضب الله علیه و لعنه - اسمیں خلود فی النار ' غضب ' لعنت ' تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ' اور تمام قرآن وسنت میں یه تینوں کلمات وعید کفار کیلیے مخصوص هیں - مسلمانوں کي نسبت کهیں استعمال نهیں کیے گئے - اس سے معلوم هوگیا که عام معاصي و فسوق سے اس فعل کي برائي کهیں زیاده ہے - کفر صریح و قطعي کے بعد ' اور عام معاصی سے اشد ' کوئي فعل هوسکتا ہے تو وہ یهي ہے - اور اسي لیے تمام احادیث میں اس فعل کو کفر فرمایا که " و قتاله کفر " اور " لا ترجعوا بعــدی کفارا " معصیت و فسوق کا لفظ اسکي ناپاکي و ملعونیت ظاهر کرنے کیلیے کافي نه تھا - جب مسلمان کو صرف دشنام دینا فسق هوا که " سباب المسلم فسوق " تو پھر اسکو قتل کردینا صرف فسق هي کیوں هو ؟

ثانیاً ' جس طرح ایمان و اسلام کي ستر سے کچھه اوپر شاخیں هیں ' اور اُن میں سے هر شاخ ایمان و اسلام ہے - " الایمان بضع و سبعون شعبة ' اعلاها لا اله الا الله و أدناها اماطة الاذي عن الطریق " (رواه مسلم و أصحاب السنن الثلاثه ' و رواه البخاري " بضع و ستون ") اسي طرح کفر کي بھي شاخیں هیں اور اعلي و ادنی مراتب هیں ' جیسا که اپنے مقــام پر ثابت هوچکا ہے ' اور اسي لیے صحــابهٔ و سلف سے مروي ہے " کفــر دون کفر و ظلم دون ظلم " (۱) - اور پھر جس طرح ایمان و اسلام اعتقادي بھي ہے

---

(۱) امام بخاري نے کتاب الایمان میں باب باندھا ہے " کفــران العشیرة و کفر دون کفر " - لیکن در اصل یه خود صحابهٔ کرام کے آثار سے

اور عملي بهي - يعني اعتقاديات و معنويات ميں بهي هے ' اور عمليات و ظواهر ميں بهي - فكر ميں بهي هے اور فعل ميں بهي - ايمان بالله و الرسل بهي اسلام هے اور نماز بهي اسلام هے - ٹهيک اسيطرح كفر اور نفاق كي بهي دو قسميں هيں - اعتقادي اور عملي - ايک كفر و نفاق اعتقاديات و افكار كا هے - ايک اعمال و افعال كا - شرک كفر اعتقادي هے ' اور ترک صلواة متعمداً كفر عملي - پس يه جو فرمايا كه " سباب المسلم فسوق و قتاله كفر "

اور فجزاره جهنم خالداً فيهـا اور " لا ترجعوا بعدى كفارا " اور " فليس منا " تو ان ميں اور عموم احكام كفر و اسلام ميں كوئي تعارض نہيں - نه لفظ " كفر " كي يہاں كوئي تاويل كرني چاهيے ' اور نه نفي اسلام كو نفي كمال پر محمول كرنے كي ضرورت - شارع نے جس فعل كو كفر كها ' وه كفر كے سوا آور كچهه نہيں هوسكتا ' اور جب تک دنيا باقي هے وه كفر هي هے اور كفر هي رهيگا - البته يه كفر بهي مثل ديگر اعمال كفريه كے عملي كفر هے ' نه كه كفر اعتقادي و مخرج عن الملة - اسكا كرنے والا ويسا هي فعل كفر كا مرتكب هوگا ' جيسا نماز چهوڑ دينے والا مسلمان جسكے كفر پر صحابهٔ كرام كو اتفاق تها " و كان اصحاب رسول الله صلعم لا يرون شيئاً من الاعمال تركه كفر غير الصلواة " (ترمذي) " من الاعمال " كي قيد اسي حقيقت كي طرف اشاره هے كه عمل كي باتوں ميں جو بات كفر هوسكتي هے ' وه بات ترک صلواة سمجهي جاتي تهي - ليكن بلاشبه يه وه كفر نہيں هے جو مخرج عن الملة هے - جبتک ايک شخص اعتقاد كے اُس دروازه سے پلٹ نه جاے ' جيس دروازه سے اسلام ميں داخل هوا تها ' اُسوقت تک اُس معنى ميں كافر نہيں هوسكتا -

---

ان الله لا يغفر ان يشرک به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء اور حديث ابو سعيد خدري كه " اخرجوا من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من الايمان " (رواه البخاري)

[بقيه نوٹ صفحه ٧٥]

ماخوذ هے - جيساكه امام احمد نے كتاب الايمان ميں عطاء بن أبي رباح وغيره كے طرق سے روايت كيا هے - اور امام ابو الحسن اشعري نے بهي مقالات طوائف اسلاميه ميں لكها هے كه يه قول متعدد صحابه سے منقول هے ' اور سلف ميں عام طور پر زبان زد تها - (كمانقل عنه شيخ الاسلام ابن تيميه في كتاب الايمان)

پس اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں پر ہتیار اُٹھانا شریعت کے نزدیک اُن انتہائي معاصي میں سے هے ' جو عملي کفریات کا حکم رکھتي هیں - اس لیے اُس کفر کے بعد جو مسلمان کو قطعاً کافر و مرتد کردیتا هے ' اس کفر سے بڑھکر عند اللہ کوئي برائي نہیں ' اور قریب هے کہ اِس کا مرتکب اُس کفر کے حدود میں بھي داخل هوجاے - کتاب و سنت نے جن جن لفظوں اور وعید و امتناع کے جیسے جیسے پیرایوں میں اس فعل کا ذکر کیا هے ' وہ عام معاصي و فسوق کے لیے کبھي اختیار نہیں کیے گئے ' اور وہ ایسے سخت و شدید هیں کہ جس دل میں رائي برابر بھي اللہ اور یوم آخرت پر ایمان هو ' اس کو لرزا دینے اور خوف الہی سے بد حال کر دینے کے لیے بس کرتے هیں - اگر ایک مسلمان کا ایمان بالکل مردہ نہیں هوگیا هے ' تو وہ سارے گناہ جو زمین پر کیے جاسکتے هیں ' اس سے سرزد هو جا سکتے هیں ' مگر اس کفر کے ارتکاب کا کبھي دھیان بھي نہیں کرسکتا -

قرآن میں " لعنت " اور " غضب " کا لفظ کفار و منافقین کے لیے مخصوص هے - " لعنت " کے معني یہ هیں کہ رحمت الہي سے مہجوري اور هر طرح کي کامیابیوں اور فلاح سے محرومي - یہودي ملعون و مغضوب هوے اور عزت و حکومت سے همیشہ کیلیے محروم هوگئے - سورۂ احزاب میں " منافقین " پر لعنت وارد هوئي : ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنهم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ - الخ - چنانچہ وہ سب نابود و مخذول هوگئے - چونکہ ایمان و اسلام کے خصائص بالکل اس سے متضاد هیں - وہ رحمت الہی کا مورد اور فلاح و مراد کا سرچشمہ هے - اس لیے کبھي ایسا نہیں هوسکتا کہ جہاں ایمان هو ' وهاں لعنت الہی کا بھی ورود هوسکے - احادیث میں جا بجا ایسے واقعات ملینگے کہ سخت سے سخت معاصي و فسوق کا جن لوگوں سے ارتکاب هوگیا تھا ' ان پر بھی " لعنت " کرنے سے آنحضرۃ نے روکا -

امام بخاري نے باب باندھا هے " ما یکرہ من لعن شارب الخمر " یعنی جو مسلمان شراب پینے کي معصیت میں مبتلا هو جاے ' اسپر لعنت کي ممانعت - اسمیں عبد اللہ ملقب بہ " الحمار " کا واقعہ بروایت حضرۃ عمر لاے هیں - یہ شخص بار بار شراب نوشي کے جرم میں ماخوذ هوچکا تھا - سزائیں پاتا تھا ' توبہ کرتا تھا ' پھر مبتلا هوجاتا تھا - ایک مرتبہ جب ماخوذ هوا ' تو بعض مسلمان بول اُٹھے " اللهم العنہ - ما اکثر ما یوتی بہ " اسپر خدا کي لعنت هو - لیکن انحضرۃ نے نہایت سختي سے روکا " لا تلعنوہ

(و في لفظ لا تلعنه) فو الله ما علمت انه يحب الله و رسوله " (و في رواية - فانه يحب الله و رسوله) اسپر لعنت نه بهیجو- یه الله اور اسکے رسول کو دوست رکهتا هے ! حافظ عسقلاني نے حافظ ابن عبد البر کا قول نقل کیا هے " انه اتی به اكثر من خمسين مرة " فتامل !

اسي طرح حضرة ابو هريرة کي روایت مندرجهٔ کتاب الدیات بخاري که ایک شخص اسي جرم میں ماخوذ هوا اور اسکو پیٹنے کا حکم دیا گیا - کسي نے کہا " اخزاک الله " خدا تجهے رسوا کرے - فرمایا " لا تقولوا هكذا - لا تعينوا عليه الشيطان " اور سنن ابوداؤد میں ابن وهب کے طریق سے هے " و لكن قولوا اللهم اغفر له - اللهم ارحمه " بد دعا نه دو - بلکه یوں کهو - خدایا اسپر رحم کر- خدایا اُسے بخشدے ! قلت و ما املح في هذ المقام قول الشاعر العـــارف :

فدائے شیوۂ رحمت ' که در لباس بهار
بعذر خواهي رندان بادہ نوش آمد !

لیکن صرف قتل مسلم هي ایک ایسي معصیت هے جسکے لیے قران نے " لعنت " اور " غضب " کے الفاظ استعمال کیے ' اور احادیث میں بهي جا بجا لعنت و ملعون کا لفظ وارد هوا - صرف اسي ایک بات سے فیصله کرلو - خواه یه فعل کفر قطعي و مخرج عن الملة هو یا نهو ' لیکن الله کي شریعت کے نزدیک اُسکا ارتکاب کس درجه مبغوض و ملعـــون هے ؟ اور جو مسلمان اسکا ارتکاب کرتا هے ' وہ الله کے حضور کس طرح اپنے اسلام و ایمان کي ساري رحمتیں اور برکتیں کهو دیتا هے ؟

ثالثاً ' اس باب میں فیصله کن حدیث وہ هے جسکو هم نے به اتباع تبویب بخاري ' اس فصل کا عنوان قرار دیا هے - اور جسکو امام موصوف اور امام مسلم نے مختلف طریقوں سے روایت کیا هے - یعني " من حمل علينا السلاح فليس منا " (رواه ابن عمر ' و سلمه ' و ابو موسى الاشعري - و في رواية سلمة " من سل علينا السيف ") جس مسلمان نے مسلمانوں کے مقابلے میں هتیار اُٹهایا - یعني حمله کیا یا لڑائي کي ' وہ مسلمانوں میں سے نهیں هے - " و معني الحديث حمل السلاح علي المسلمين لقتالهم به بغير حق " (فتح ۱۳ : ۲۰)

یہ حدیث نہایت اہم ہے' اور من جملہ قواعد و کلیات شریعت کے ہے - اسي لیے امام بخاري نے کتاب الفتن میں ایک خاص عنوان باب قرار دیا ' اور امام مسلم کتاب الایمان میں لاے تاکہ حقیقت ایمان و کفر کي تحقیق میں اس سے مدد لیں ' اور حافظ نواوي نے ایک مستقل عنوان قرار دیکر باب باندھا -

" لیس منـــا " کے معني هیں " هم میں سے نہیں ہے " یعني هم مسلمانوں میں سے نہیں ہے - آنحضرة صلعم کے طرز تکلم و خطاب پر غور کرنے سے معلوم هوتا ہے کہ " لیس منا " وعید کا ایک ایسا جملہ تھا جو اُن موقعوں پر آپ استعمال فرماتے (۱) جہاں صریح و قطعي کفر کي جگہ کفر سے کوئي بہت هي قریب اور اسلامي زندگي سے بہت هي بعید حالت کا بتلانا مقصود هوتا تھا - عام معاصي و فسوق سے یہ حالت زیادہ سخت مگر کفر قطعي سے کم هوتي تھي - جن جن احادیث میں یہ لفظ آیا ہے ' اُن سب پر غور کیا جاے ' اور ایمان و کفر کے عملي مراتب کي حقیقت بھي پیش نظر هو جو اوپر گزر چکی ' تو یہ بات واضح هو جائیگي - پس کچھہ ضروري نہیں ہے کہ " لیس منا " کے یہ معني کیے جائیں کہ " لیس علی هدینا " یا ظاهر منطوق کو چھوڑکر کوئي اَور تاویل کي جاے - یا نفي کو نفي کمال پر محمول کیا جاے -

صاحب شریعت نے جن کاموں کیلیے جو احکام دیے اور جو الفاظ استعمال کیے' همیں حق نہیں ہے کہ تاویل و توجیہہ کر کے اُنکے لغوي مفہوم کا اصلي زور و اثر گھٹانے کي کوشش کریں - ایسي کوششیں جن لوگوں نے کیں' اُنھوں نے مسلمانوں کو اسلام و ایمان کي عملي زندگي سے محروم کردیا -

---

(۱) احادیث میں بعض اعمال کي نسبت " لیس منا " آیا ہے اور بعض کي نسبت " لیس مني " - جیسے " النکاح من سنتي فمن رغب عنها فلیس مني " دونوں میں فرق ہے - " لیس منا " میں جمع کا صیغہ ہے جس سے مقصود امت ہے - اور " لیس مني " میں اپنی ذات خاص کا ذکر ہے ' جس سے مقصـــود ترک سنت ہے - پس جن احادیث میں " لیس منا " کی وعیـــد آئی ہے ' اُنسے مقصود وهی هوگا جو متن میں لکھا ہے ' اور جن میں " لیس منی " ہے ان سے مقصود صرف ترک اتباع سنت و اسوۂ نبوت هوگا -

یہ جو آج تمام عالم اسلامی میں تقریباً دو تہائی مسلمان عملاً یکقلم مرجی و جہمی زندگی بسر کر رہے ہیں اگرچہ اعتقاداً اہل سنت ہونے کا دعوا کرتے ہوں ' اور اسلام کی تعریف میں " عمل بالارکان " کا لفظ صرف درسی کتب عقائد کے صفحات پر رہگیا ہے ' عمل میں اسکا کوئی وجود نظر نہیں آتا ' تو اسکے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہی بدعت تاویل ہے - اسی بدعت کی وجہ سے اعمال کی اہمیت و مطلوبیت بالکل جاتی رہی اور ادعاء اسلام کا سارا دارومدار صرف چند جزئیات عقائد کے تحفظ و نزاع پر رہگیا - یہ کیا بات ہے کہ ایک شخص کتنا ہی فاسق و فاجر ہو ' لیکن اگر چند نزاعی عقائد میں ہمارا ہم داستان ہوتا ہے تو ہم اسکو دنیا کی سب سے بہتر مخلوق یقین کرتے ہیں ؟ اور ایک شخص کتنا ہی صاحب عمل و صالح ہو ' لیکن اگر چند اختلافی جزئیات عقائد میں ہم سے متفق نہیں ' تو پھر اس سے زیادہ شر البریہ ہماری نظروں میں اور کوئی نہیں ہوتا ؟ وہی عملی مرجیۃ و جہمیۃ اگرچہ زبان سے ادعاء اتباع سنت و سلف !

یہی وجہ ہے کہ آئمۂ سلف نے ہمیشہ ایسی تاویلوں سے انکار کیا ' اور ان تمام راہوں سے بچتے رہے جو راے اور تعمق کی بدعتوں تک لیجانے والی تھیں - اسی حدیث کی نسبت امام نواوی اور حافظ عسقلانی وغیرہما لکھتے ہیں " و کان سفیان بن عیینہ یکرہ قول من یفسرہ بلیس منا بلیس علی ہدینا ' و یقول بئس ہذا القول - یعنی بل یمسک عن تاویلہ" (شرح مسلم مطبوعہ احمدی : ۶۹ - و فتح الباری ۱۳ : ۲۰) یعنی سفیان بن عیینہ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ " لیس منا " کی تفسیر یوں کی جاے کہ " لیس علی ہدینا " اور اس تفسیر کی نسبت کہا کرتے کہ کیا ہی برا قول ہے - مقصود انکا یہ تھا کہ ان نصوص کی تاویل نہ کرنی چاہیے -

اسی طرح شیخ عبد الوہاب شعرانی نے میزان میں امام سفیان ثوری کا قول نقل کیا ہے " و من الادب اجراء الاحادیث التی خرجت مخرج الزجر والتنفیر علی ظاہرہا من غیر تاویل ' فانہا اذا اولت ' خرجت من مراد الشارع ' کحدیث : من غشنا فلیس منا - و لیس منا من لطم الخدود و شق الجیوب و دعی بدعوۃ الجاہلیہ : فان العالم اذا اولہا بان المراد لیس منا فی تلک الخصلۃ فقط ' ای و ہو منا فی غیرہا ' ہان علی الفاسق الوقوع فیہا ' و قال مثل المخالفۃ فی خصلۃ واحدۃ امر سہل "

" لیس منا " کے صاف معني یہ هیں کہ " وہ هم میں سے نہیں "
یعنی مسلمانوں میں سے نہیں - اس سے ثابت هوا کہ مسلمانوں کي کسي
جماعت پر بطور جنگ و قتال کے هتیار اُٹھانا ایک ایسا فعل هے جسکے
کرنے کے بعد انسان مسلمانوں میں شمار هونے کے قابل نہیں رهتا -

فصل

(اقسام ثلاثۂ قتل مسلم و حمل سلاح)

البتہ واضح رهے کہ قتل مسلم و حمل سلاح کي متعدد صورتیں هیں ' اور هر صورت کا حکم شرعي دوسرے سے مختلف هے :

(۱) ایک صورت یہ هے کہ مسلمان مسلمان کو قتل کرے ' لیکن اس فعل کو جائز نہ سمجھے - اُسکي حرمت کا معترف هو ' اور اس کے ارتکاب پر شرمندۂ و متاسف ' تو اسکا حکم وهي هے جو گذشتہ فصل میں گزر چکا - یعنی وہ عملي کفر هے ' مگر اُسکا کرنے والا ملت سے خارج نہیں هو جائیگا - دنیا میں اسلام کے قومي احکام و معاملات اُس پر جاري هونگے - عاقبت کا معاملہ اللہ کے هاتھہ مین هے -

باقي رهي یہ بات کہ قاتل مسلم کي توبہ قبول هوسکتي هے یا نہیں ؟ تو اس بارے میں خود صحابۂ و سلف سے اختلاف منقول هے - ایک جماعت اس طرف گئي کہ سورۂ فرقان میں هے : و الذین لا یدعون مع اللہ الها آخر و لا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق الخ - پھر فرمایا : الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فاولٰئک یبدل اللہ سیئاتہم حسنات پس اس سے معلوم هوا کہ تمام معاصي کي طرح قتل نفس کے مرتکب کي توبہ بھي مقبول هوسکتي هے - لیکن حضرة عبد اللہ ابن عباس سے بخاري و مسلم و غیرهما میں مروي هے کہ جو مسلمان مسلمان کو قتل کرے ' اسکي توبہ مقبول نہیں - وہ فجزاوہ جھنم خالداً فیها الخ کے یهي معنی کرتے هیں کہ " لا توبة لہ " اور صحیح بخاري کتاب التفسیر میں سعید بن جبیر سے مروي هے کہ ابن عباس سے " الا من تاب " الخ کي نسبت پوچھا گیا تو کہا " هذہ مکیة - نسختها آیة مدنیة التي في النساء "

یعنی اس آیت کو سورۂ نساء کی آیت " من یقتل مومناً " نے منسوخ کردیا - پس قبولیت توبہ پر اس سے استدلال نہیں ہوسکتا - مسلم کی روایت زیادہ مفصل ہے: " لما أنزلت التي فی الفرقان قال مشرکوا مکہ قد قتلنا النفس ودعونا مع اللہ الہا آخر و اتینا الفواحش - فنزلت الا من تاب و امن الخ - قال فهذه لاولائک ' و أما التي فی النساء ' فهو الذي قد عرف الاسلام ثم قتل مؤمنا متعمداً ' فجزاؤہ جهنم لا توبۃ له " یعنی جب سورۂ فرقان کی آیت و الذین لا یدعون مع اللہ الها آخر و لا یقتلون النفس اتری تو مشرکین مکہ نے کہا - ہم تو یہ سب کام کرچکے ہیں - اب مسلمان ہوے بھی تو نجات کب ملیگی ؟ اسپر یہ آیت اتری کہ " الا من تاب و امن " یعنی ہاں - لیکن جس شخص نے توبہ کی ' ایمان لایا ' اچھے کام کیے' تو اللہ اُسکی برائیوں کو محو کردیگا - لیکن " من یقتل مومناً " والی آیت مشرکین کیلیے نہیں ہے - مسلمانوں کیلیے آتری ہے - یعنی جو شخص مسلمان ہونے کے بعد مسلمان کو قتل کرے ' تو اسکی سزا جہنم ہے اور اسکے لیے توبہ نہیں - انتہی

اور امام احمد و طبرانی نے سالم بن أبي الجعد سے بطریق یحیي الجابر' اور نسائي و ابن ماجہ نے بطریق عمار ذہبي روایت کی ہے - ایک شخص نے ابن عباس سے اس بارے میں سوال کیا تو جواب دیا " لقد نزلت في آخر ما نزل و ما نسخها شيء حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما نزل وحي بعد رسول اللہ " اسپر سائل نے کہا " أفرأیت ان تاب و امن و عمل عملاً صالحاً ثم اهتدی " ؟ کہا " و أنی له التوبۃ و الهدی " ؟ یہ لفظ یحیي الجابر کا ہے - نسائي و ابن ماجہ کے الفاظ بھی قریب قریب ایسے ہي ہیں - حاصل ان تمام روایات کا یہ ہوا کہ ابن عباس سورۂ فرقان کی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں ' اور اس بارے میں آخر تنزیل سورۂ نساء کی آیت " فجزاؤہ جهنم خالداً فیها " ہے - اور اسلیے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل مسلم کیلیے توبہ نہیں -

اسمیں شک نہیں کہ حضرۃ ابن عباس کا مذہب کئی پہلوؤں سے قوي نظر آتا ہے :

اول تو اس بنا پر کہ سورۂ نساء کی آیت کا منطوق عدم قبولیت کیلیے ظاہر و نص ہے - خالداً فیها و غضب اللہ علیہ و لعنتہ کا مطلب اسکے

سوا کچھہ نہیں ہو سکتا - اور منطوق مفہوم پر مقدم ہے جب تک اسکے خلاف کوئي سبب قوي موجود نہ ہو - کما تقرر في الاصول -

ثانیاً ' یہ کہنا کہ سورۂ فرقان کي آیت نے اسکو منسوخ کردیا ' صحیح نہیں ہو سکتا - کیونکہ آیۂ فرقان مکي ہے اور ایۂ نساء مدني - خود ترجمان القرآن اور حبــر الامۃ یعنی ابن عباس شہادت دے رہے ہیں کہ " نزلت في آخر ما نزل و ما نسخها شيئ " اور معلوم ہے کہ ناسخ کیلیے تقدم زماني ہونا ضروري ہے -

ثالثــاً ' دونوں آیتوں میں حکم مشترک نہیں ہے کہ متــاخرین کا مصطلحــہ نسخ مانا جاسکے - دونوں کا مــورد الگ الگ ہے - پس اگر نسـخ ہو سکتا ہے تو سلف کي اصطــلاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا - یعني عام و خاص کا نسخ - سورۂ فرقان کی آیت میں ذکر کفار کا ہے - اور حکم بھی جو دیا گیا ہے وہ أنھي کفار کی نسبت ہے جو کفر سے توبہ کریں اور ایمان لے آئیں - اور چونکہ " الایمان یهدم ما قبله " ہے - یعني اسلام تمام پچھلي برائیوں کو نابود کردیتا ہے ' اسلیے جب شرک سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتل نفس سے کیوں نہو ؟ قریش میں جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لاے ' اُن میں کون تھا جس نے خود مسلمــانوں سے قتال نہیں کیا تھا ؟ یہي وجہ ہے کہ " الا من تاب " کے بعد " و امن " کا لفظ بھی موجود ہے - یعنے " توبہ کي اور ایمان لایا " جس سے واضح ہوگیا کہ یہ توبہ اسلام لانے والے کافر کی توبہ ہے ' نہ کہ ایک مومن کی توبۂ معصیت بعد از اسلام - سورۂ فرقان کا آخري رکــوع " و عبــاد الرحمن " سے پڑھو تو تمام آیات کا ٹھیک ٹھیک محل و مورد واضح ہوجایگا - وھاں ذکر خدا کے نیک بندوں کے اسلامی و ایماني اوصاف کا ہے - انھي میں اِن اوصاف کو بھي داخل کیا ہے کہ " نہ تو شرک کرتے ہیں ' نہ کسي نفس کو قتل کرتے ہیں ' نہ زنا کا اُنسے ارتکاب ہوتا ہے " - پھر بتلایا ہے کہ مسلمان جن برائیوں سے بچتے ہیں ' یہ وہ برائیاں ہیں جنکا نتیجہ عــذاب جھنــم ہے - اسکے بعد فرمایا " الا من تاب و امن " ھاں ' لیکن جو لوگ مسلمان ہو جائیں ' تو انھوں نے کفر کي حالت میں اسطرح کے جسقدر افعال کیے ہوں ' اُنکا مواخــذہ نہ ہوگا - اسلام اُنکي برائیوں سے آلودہ زندگي کو نیکیوں اور خوبیوں سے بھر دیگا -

پس اس آیت میں توبۂ کفر کي قبــولیت کا ویسا ھي ایک حکم ہے جیسا صدھا مقامات میں وارد ہے - اس کو مسلمان قاتل مسلم اور مرتکب

حمــــل سلاح علی المسلم کے معاملہ سے کیا تعلق ؟ اور اگر اُسکا ذکر کسي دوسري آیت میں آیا ہے تو کیوں ناسخ و منسوخ ہونے کي ضـــرورت پیش آے ؟ دونوں صورتیں بالکل مختلف ہیں -

لیکن سورۂ نساء میں قتل نفس کي ایک خاص حالت کا ذکر ہے- یعنی اگر ایک مسلمان بارجود مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو قتل کرڈالے تو اسکا کیا حکم ؟ فرمایا جزاءه جهنم خالدا فيها چنانچہ اس آیت سے پہلے ہے - وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطا - الخ پس زیادہ سے زیادہ دونوں آیتوں میں عام و خاص کا تعلق ہے - یعنی اس آیت نے آیت فرقان کي تخصیص کردي - اسي لیے حضرة ابن عباس نے کہا " نسختها آية مدنية فى النساء " کیونکہ سلف کي اصطلاح میں " نسخ " کا اطلاق ہر طرح کی تخصیص و تقیئد پر ہوتا تھا - وہ معني نہ تھے جو بعد کو اصولیوں نے قرار دیے- اور اسي اختلاف حالت و حکم کو واضح کرنے کیلیے انہوں نے کہا " فهذه لاولئك "یعنی آیت فرقان میں حکم کفار کیلیے ہے - اور امام بخاري کي روایت ابن جبیر بطریق شعبہ مندرجۂ کتاب التفسیر میں کہا " كانت هذه فى الجاهلية " یہ حکم مشرکین جاهلیة کیلیے تھا - نہ کہ مسلمانوں کیلیے -

اور یہ جو انہوں نے کہا کہ والذين لا يدعون مع الله الها اخر و لا يقتلون النفس الخ کے نزول پر مشرکین مایوس ہوگئے تھے ' اسلیے - " الا من تاب" اتري ' تو اسکي تائید مفسرین کي اِس روایت سے بھي ہوتي ہے کہ " نزلت في قوم ييسوا من التوبة " یعني اُن لوگوں کے حق میں اُتري جو زمانۂ کفر کي بد عملیوں کي بخشش سے مایوس ہوگئے تھے- ایک دوسري روایت میں ہے کہ یہ آیت اور سورۂ نساء کي ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء اور سورہ زمر کي آیۂ رحمت: يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله الخ وحشي قاتل حمزہ کے بارے میں اُتریں - وہ کہتا تھا کہ شرک میں ساري عمر کٹتي' پیغمبر کے چچا کو قتل کیا ' فواحش میں ہمیشہ مبتلا رہا - انھي تین برائیوں سے اجتناب کا خاص طور پر آیت فرقان میں ذکر ہے - اب اگر میں مسلمان بھي ہوگیا تو کیا فائدہ ؟ مجھے تو نجات مل ھي نہیں سکتي - اسپر " الا من تاب و امن " اتري ' اور پھر مزید بشارت امید کیلیے سورہ نساء اور سورۂ زمر کي آیات نازل ہوئیں- تعجب ہے کہ بعض شارحین حدیث کو مذہب ابن عباس کي شرح و تطبیق میں مشکلات کیوں پیش آئیں ؟ انکا بیان تو بالکل صاف اور واضح ہے -

رابعاً ' احادیث سے بھي اِس مذهب کي تائید هوتي هے - مثلاً امام احمد و نسائي کی روایت معاویه بطریق ادریس خولاني مرفوعاً "کل ذنب عسی الله أن یغفره الا الرجل یموت کافراً ' او الرجل یقتل مؤمنا متعمداً " یعنی تمام گناه الله بخشدیسکتا هے لیکن وه شخص جو حالت کفر میں مرے ' یا وه جس نے جان بوجهکر مومن کو قتل کرڈالا -

باقی رهیں وه احادیث جن میں وسعت رحمت ' و عموم عفو و بخشش ' و عدم جواز یاس و قنوط وغیره کا ذکر هے ' تو اِس مــذهب کي بنا پر کها جا سکتا هے که وه بھي مثل تمام عمومات قران کے هیں ' جنکي تخصیص آیۂ نساء اور اسکی مویدات في السنة نے کردي - دونوں میں کوئي تعــارض نهیں - قبل از اسلام معاصي کي بخشش تو مسلم هي هے - بحث بعد از اسلام ارتکاب قتل میں هے - اسی طرح اگر حدیث اسرائیلي " الذي قتل تسعة و تسعین نفساً ثم اتی تمام المــائه ثم تاب " پیش کي جاے ' تو جواب یه هوگا که اس کا محل بھی توبۂ اسلام هے - نه که توبۂ مسلم ' اوروه بھي مثل عمومات بشارات رحمت و بخشش کے هے - مخصصات پر اسکا کوئي اثر نهیں پڑتا -

غرضکــه اس مذهب کي قوت میں کوئي شبه نهیں ' لیکن عام طور پر علماء نے دوسرے مذهب کو اختیار کیا - یعني قبولیت توبه کو - اور خوارج و معتزله کے غلو کي وجه سے اهل سنت کا رجحان اسي کی طرف بڑھتا گیا - وه کہتے هیں که ایسے شخص کا معامله بڑا هی سخت هے لیکن توبه قبول هو سکتي هے - الله کے هاتهه میں هے - چاهے بخشدے چاهے نه بخشے - اس میں شک نهیں که احتیاط حکم امید هی میں هے نه که پیام یاس و قنوط میں -

ان الله لا یغفر ان یشرک به و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء کے حکم کا عموم بڑا هي امید افزا هے ' اور اگر اس پر نظر ڈالي جاے ' تو کچهه شک نهیں که دوسرا مذهب هی محتاط معلوم هوتا هے -

(۲) قتل مسلم کی دوسري صورت یه هے که اس فعل کو حلال سمجھے - اور اس پر نادم و متاسف نه هو - مثلاً کوئي مسلمان فوج هو - وه یه سمجھے که لڑائی لڑنا تو همارا کام هی هے - مسلمان سامنے هونگے تو اُنهی سے لڑینگے - یعنی مسلمانوں پر تلوار اُٹھانا کوئی گناه کی بات نهیں - یا یوں سمجھیں که همارے مالکوں کا یهی حکم هے - همنے اُنکا نمک کھایا هے ' اسلیے همیں ایسا هی کرنا چاهیے - یعني اگر کوئی اپنا نمک کھلاکر حکم دے که مسلمانوں کو قتل کردو ' تو قتل کرنے میں کوئی مضائقه نهیں - تو اس صورت میں تمام امت

کا اجماعی فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص قطعاً و حتماً کافر ہے - یعنی اُس کفر کا مرتکب ہوا ہے جو ملت سے خارج کردیتا ہے - اسکا حکم شرعاً وہی ہوگا جو تمام کفار و مشرکین کا ہے - دنیا میں بھی اور عاقبت میں بھی - کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس کو مسلمان سمجھے ' اور اس سلوک کا حقدار رکھے جو مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھہ کرنا چاہیے - یہ حکم خاص اس مسئلہ ہی پر موقوف نہیں ہے - ہر محلل حرام غیر ماول کے لیے یہی حکم ہے -

(۳) تیسری صورت قتل مسلم کی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کے ساتھہ ہوکر اُنکی فتح و نصرت کیلیے مسلمانوں سے لڑے ' یا لڑائی میں اُنکی اعانت کرے - اور جب مسلمانوں اور غیر مسلموں میں جنگ ہو رہی ہو ' تو وہ غیر مسلموں کا ساتھہ دے - یہ صورت اس جرم کے کفر و عدوان کی انتہائی صورت ہے ' اور ایمان کی موت اور اسلام کے نابود ہوجانے کی ایک ایسی اشد حالت ' جس سے زیادہ کفر و کافری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - دنیا کے وہ سارے گناہ ' ساری معصیتیں ' ساری نا پاکیاں ' ہر طرح اور ہر قسم کی نا فرمانیاں ' جو ایک مسلمان جسم دنیا میں کرسکتا ہے ' یا انکا وقوع دھیان میں آسکتا ہے ' سب اسکے آگے ہیچ ہیں - جو مسلمان اسکا مرتکب ہو ' وہ قطعاً کافر ہے ' اور بدترین قسم کا کافر - اسکی حالت کو قتل مسلم کی پہلی صورت پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا - اس نے صرف قتل مسلم ہی کا ارتکاب نہیں کیا ہے ' بلکہ اسلام کے برخلاف دشمنان حق کی اعانت و نصرت کی ہے - اور یہ بالاتفاق و بالاجماع کفر صریح و قطعی مخرج عن الملۃ ہے - جب شریعت ایسی حالت میں غیر مسلموں کے ساتھہ کسی طرح کا علاقۂ محبت رکھنا بھی جائز نہیں رکھتی ' تو پھر صریح اعانت فی الحرب اور حمل سلاح علی المسلم کے بعد کیونکر ایمان و اسلام باقی رہسکتا ہے ؟

(واقعۂ امام حسین علیہ السلام)

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر سلطان اسلام کو خلیفہ مان لینا چاہیے گو نا اہل ہو ' تو پھر حضرۃ امام حسین علیہ السلام نے یزید بن

معاویہ کی حکومت کے خلاف کیوں خروج کیا ؟ اور کیوں اُنکو برسر حق اور شہید ظلم و جور تسلیم کیا جاتا ھے ؟

پس گو بحث کے اس حصے کا طول بقیہ مطالب کی تشریح میں مخل ھو گا ' لیکن چونکہ اس معاملــــہ میں عام طور پر ایک سخت غلط فہمی پھیلی ھوئی ھے ' اسلیے صاف کردینا ضروری ھے - یہ بالکل غلط ھے کہ حضرة امام حسین اُس حالت میں لڑے ' جبکہ وہ یزید کی حکومت کے مقابلے میں خود مدعی امامت اور طالب خلافت تھے - جو لوگ ایسا سمجھتے ھیں' اُنھوں نے واقعۂ کربلا کا دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ نہیں کیا - حالات میں اچانک ایسی تبدیلیاں ھوئی ھیں کہ اس غلط فہمی کا پیدا ھوجانا عجیب نہیں - حضرة امام جب مدینہ سے چلے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - جب کربلا میں حــق پرستانہ لڑکر شھــید ھوے ' تو اُنکی حیثیت دوسری تھی - دونوں حــــالتیں مختلف ھیں - اس لیے دونوں کا حکم بھی شرعاً مختلف -

جب وہ مدینہ سے چلے ھیں تو حالت یہ تھی کہ نہ تو ابھی یزید کی حکومت قائم ھوئی تھی ' نہ اھم مقامات و مراکز نے اسکو خلیفہ تسلیم کیا تھا ' نہ اھل حل و عقد کا اسپر اجماع ھوا تھا - ابتدا سے معاملۂ خلافت میں سب سے پہلی آواز اھل مدینہ کی رھی ھے ' پھر حضرة علی کے زمانے میں مدینہ کی جگہ کوفہ دارالخــــلافة بنا - اھل مدینہ اسوقت تــک متفق نہیں ھوے تھے - کوفـــہ کا یہ حـال تھا کہ تمام آبادی یکقلم مخالف تھی اور حضرة امام حسین سے بیعت کرنے کیلیے پیہم اصرار و الحاح کر رھی تھی - انھوں نے خود خلافت کی حرص نہ کی ' بلکہ ایک ایسے زمانے میں جب تخت حکومت سابق حکمراں سے خالی ھوچکا تھا اور نئے حکمران کی حکومت قائم نہیں ھوئی تھی ' ایک بہت بڑی مرکزی و موثر آبادی (یعنی کوفۂ و عراق) کے طلب و سوال کو منظور کرلیا - البتــــہ اس منظوری میں یہ مصلحت ضرور پیش نظر تھی کہ یزید جیسے نا اھل کی حکومت سے اُمت کو بچایا جاے -

اگر کہا جاے کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزیـــد کو ولی عھد مقرر کردیا - تو اس کا جواب یہ ھے کہ شرعاً اولاد کی ولی عھدی کوئی شے نہیں ھے - اصلی شرط خلافت کی انعقاد حکومت ھے - یزید کو گو ولی عھد

مقرر کردیا ہو، لیکن جب تک اسکی خلافت بالفعل قائم نہ ہوجاتی صرف یہ بات کوئی حجۃ نہ تھی - یہی وجہ ہے کہ جب یزید کی ولی عہدی کے لیے حضرۃ عبد اللہ بن عمر سے بیعت طلب کی گئی تو اُنھوں نے صاف انکار کردیا اور کہا " لا أبایع لامیرین " میں دو امیروں سے بہ یک وقت بیعت نہ کرونگا - یعنی خلیفہ کا اپنی زندگی میں ولی عہدی کے لیے بیعت لینا ایک وقت میں دو امیروں کی بیعت ہے جسکی شرعاً کوئی اصل نہیں - (رواہ ابن حبان و نقلہ فی الفتح)

لیکن جب وہ کوفہ پہنچے، تو یکایک نظر آیا کہ حالت بالکل بدل چکی ہے - تمام اہل کوفہ ابن زیاد کے ہاتھہ پر یزید کیلیے بیعت کرچکے ہیں، اور سر زمین عراق کی وہ بے وفائی و غداری جو حضرۃ امیر کے عہد میں بارہا ظاہر ہوچکی تھی، بدستور کام کر رہی ہے - یہ حال دیکھکر وہ معاملۂ خلافت سے دست بردار ہوگئے، اور فیصلہ کرلیا کہ مدینہ واپس چلے جائیں - لیکن ابن سعد کی فوج نے ظالمانہ محاصرہ کرلیا اور مع اہل و عیال کے قید کرنا چاہا - وہ اس پر بھی آمادہ ہوگئے تھے کہ مدینہ کی جگہ دمشق چلے جائیں اور براہ راست یزید سے اپنے معاملے کا فیصلہ کرالیں، مگر ظالموں نے یہ بھی منظور نہ کیا -

اب امام کے سامنے صرف دو راہیں تھیں - یا اپنے تئیں مع اہل و عیال قید کرادیں - یا مردانہ وار لڑکر شہید ہوں - شریعت نے کسی مسلمان کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ناحق ظالموں کے ہاتھہ اپنے تئیں قید کرادے - پس اُنھوں نے دوسری راہ کمال عزیمۃ دعوۃ کی اختیار کی، اور خود فروشانہ لڑکر حالت مظلومی و مجبوری میں شہید ہوے -

پس جس وقت کربلا میں میدان کار زار گرم ہوا ہے، اُسوقت حضرۃ امام حسین مدعی خلافت و امامت نہ تھے - نہ اس حیثیت سے لڑ رہے تھے - اُنکی حیثیت محض ایک مقدس اور پاک مظلوم کی تھی جسکو ظالموں کی فوج ناحق گرفتار کرنا چاہتی ہے - وہ اپنے آپکو زندہ گرفتار کرادینا پسند نہیں کرتا، اور چاہتا ہے کہ طاقتور ظلم کے مقابلے میں بے سر و سامان حق کی استقامت کا ایک یادگار منظر دنیا کو دکھلادے - تعجب ہے کہ یہ غلط فہمی صدیوں سے پھیلی ہوئی ہے - جسکو مفصل اور محققانہ بحث دیکھنی ہو، وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی منہاج السنہ جلد ۲ - کا مطالعہ کرے -

فصل

(شرط قرشیة)

مندرجۂ بالا فصول سے یه بات واضح هوگئي که انتخاب خلیفۂ و امام کیلیے متعدد شرطیں هیں - ازانجمله ایک عرصه تک علماء کي راے رهي که خلیفه کو خاندان قریش میں سے هونا چاهیے - لیکن اگر امت کے لیے انتخاب کا موقعه باقي نه رها هو تو خلیفه تسلیم کرلینے کیلیے بجز اسلام اور انعقاد حکومت (یعني حکومت کے جماؤ اور جگه پکڑلینے) کے اور کوئي شرط نهیں هے - خلفاء راشدین کے بعد جامع الشروط سلسلۂ خلافت کوئي بهي قائم نه هوا - بنوامیه و عباسیه میں اگر ایک شرط قرشیة کي پائي جاتي تهي ' تو اور بہت سي اهم شرطیں مفقود تهیں - بنیادي شرط یه هے که حکومت تلوار کے زور سے نه منوائي جاے بلکه امت کے انتخاب و اجماع سے هو' سو یه شرط کسي کي خلافت میں بهي نه تهي - پهر خلیفه کو عادل و منصف هونا چاهیے - حکومت نظام شوری کے ساتهه کرني چاهیے - سنة رسول اور سنت خلفاء راشدین پر عامل هونا چاهیے - بجز عمر بن عبدالعزیز (رح) کے کوئي بهي ان سب کا جامع نه تها - عباسیه کے بعد حکومت عجمیوں کے هاتهه آئي - پهر مصر کے عباسي خلفا کے بعد ترکوں کا خاندان عثمانیه خلافت پر قابض هوا - آخري مصري خلیفه نے خود سلطان سلیم کے هاتهه پر بیعت کي - یه خلافت بلا نزاع آجتک قائم اور تمام عالم اسلامي کیلیے شرع و امت کا مرکزي اقتدار هے - اگر بنو امیه و عباسیه میں پانچ شرطیں نهیں پائي جاتي تهیں تو ان میں سات نه سهي - یعني یه عرب بهي نهیں اور قرشي بهي نهیں - لیکن چونکه سوال خلیفه کے انتخاب کا نهیں هے بلکه ایک قائم و نافذ خلافت کے ماننے کا ' اسلیے شرائط کي بحث کا یهاں کوئي سوال هي پیدا نهیں هوسکتا -

منجمله شروط خلافت کے ایک متفق علیه شرط حریت کي هے - یعني خلیفه آزاد هو - غلام نهو - مصلحت و ضرورت بهي اسکي ظاهر هے ' مگر معلوم هے که تمام دنیا کي تاریخ میں صرف مسلمانون هي کي تاریخ اسکي

نظیر پیش کرسکتی ہے کہ غلاموں نے امامت کی ہے، پادشاہت کی ہے، اور تمام سادات و قریش اور شرفاء عرب و عجم نے انکے آگے اطاعت کا سر جھکایا ہے۔ خود حدیث میں وارد ہے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبہ" اور روایت ابوذر عند مسلم کہ " و ان کان عبدا مجدع الاطراف " اور روایت ابن حصین کہ " و لو استعمل علیکم عبد یقود کم بکتاب اللہ، اسمعوا لہ و اطیعوا " یعنی اگر ایک ذلیل سے ذلیل حبشی غلام بھی تمھارا امیر ہوجاے تو اسکی سنو اور اطاعت کرو۔ حافظ نواوی اسکی شرح میں لکھتے ہیں " و المراد اخس العبید - ای اسمع واطیع و ان کان دنی النسب، حتی لو کان عبد اسود مقطوع الاطراف، فطاعتہ واجبۃ، و یتصور امارۃ العبد اذا ولاہ بعض الائمۃ، او یغلب علی البلاد بشوکتہ و اتباعہ، و لا یجوز ابتداء عقد الولایۃ لہ مع الاختیار، بل شرطہا الحریۃ " (جلد ۲ : ۱۲۵) یعنی یہ جو فرمایا کہ اگرچہ حبشی غلام ہو، تو مقصود اس سے یہ ہے کہ اگرچہ امیر نہایت ذلیل نسب و خاندان کا ہو، لیکن اگر خلیفہ ہوگیا ہے تو اطاعت کرو، اور اسی بناپر غلام امیر ہو سکتا ہے اگر کسی امام نے مقرر کردیا ہو۔ یا خود وہ شہروں پر غالب آکر مسلط ہوگیا ہو۔ البتہ جائز نہیں کہ ابتدا میں کسی غلام کو امیر منتخب کیا جاے کیونکہ آزاد ہونا شرائط امامت میں سے ہے" اور فتح الباری میں ہے " لو تغلب حقیقۃ بطریق الشوکۃ، فان طاعتہ تجب اخماداً للفتنۃ" (۱۳ : ۱۰۹)

جب غلبۃ و تسلط کی صورت میں خود حافظ نواوی (جو شرط قرشیۃ کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ہیں) نص حدیث کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں کہ ایک دنی النسب، خسیس الحال، حبشی غلام، امیر ہوسکتا ہے اگرچہ آزاد ہونا شرط ابتدائی ہے، تو پھر ظاہر ہے کہ ایک غالب و مسلط خلیفہ کی خلافت کیلیے شرط قرشیۃ کا موجود نہ ہونا کیوں مخل ہو اگرچہ قرشیۃ ایک شرط ابتدائی مان لی جاے ؟

پس یہ مان لینے کے بعد بھی کہ قرشی ہونا شرائط شرعیہ میں سے ہے، ترکان عثمانی کی خلافۃ مسلمۃ و منعقدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور شرائط کی پوری بحث موجودہ مسئلہ سے یکقلم غیر متعلق ہے، تاہم تحقیق مقام کے خیال سے بہتر ہوگا کہ اس شرط کی حقیقت پر بھی ایک فیصلہ کن نظر نظر ڈال لی جاے۔

باب

" الائمة من قریش "

فصل

(تحقیق امارة قریش و شرط قرشیة)

جہانتک قرآن و سنت٬ آثار صحابه٬ اور تمام دلائل شرعیه و عقلیه کا تعلق ہے٬ کوئی نص قطعی موجود نہیں٬ جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملۂ خلافت و امامت صرف خاندان قریش کیلیے شرعاً مخصوص کردیا ہے - احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں٬ سب صحیح ہیں - یہ بھی مروی ہے کہ حضرة ابوبکر نے مجمع صحابه میں اسکو پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا - یہ بھی درست ہے کہ صحابه میں ہمیشه اس بات کی شہرت رہی - اور یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک خاندان عباسیه باقی رہا٬ لوگ اسکو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے - با ایں همه ان ساری باتوں کی حقیقت وہ نہیں ہے جو اب سمجھی جاتی ہے - ان ساری باتوں کے سچ ہونے کے ساتھه یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے٬ نہ کسی خاندان میں - اسلام جو اس طرح کی تمام قومی و نسلی امتیازات مٹانے٬ اور ہمیشه کیلیے صرف انسانیت کی بے قید و عام عظمت کو قائم کردینے٬ اور " عمل " کے قانون الہی کے آخری اعلان کیلیے آیا تھا٬ اُسکے نام سے ساری باتیں مان لی جا سکتی ہیں٬ لیکن اسکا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اُسنے خاندان و نسل کا کوئی امتیاز تسلیم کیا ہو - یہ کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا ہو٬ اُسی کے ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سر نو ایک نیا بت خانه قائم کر جاے ؟

تفصیل و دلائل کی ضرورت نہیں - یہ بات ہر اُس شخص پر جو اسلام سے کچھه بھی واقفیت رکھتا ہے٬ روشن ہے کہ ہر طرح کی نسلی و خاندانی

امتیازات کے مٹانے میں اسلامی احکام و اعمال کا کیا حال رہا ہے ؟ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا جنکے غرور قوم و نسب کا یہ حال تھا کہ وہاں کا ایک چرواہا اپنے نسبی و خاندانی شرف کے سامنے قیصر و کسری کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتا تھا - عرب کے علاوہ بقیہ دنیا بھی طرح طرح کے قومی و وطنی امتیازات کی پرستش کر رہی تھی - اسلام نے اپنی دعوۃ کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی غرور نسل و قوم کے بت پر لگائی' اور اللہ کے اس قانون فطرۃ کی عام منادی بلند کی کہ : یا ایہا الناس ! انا خلقناکم من ذکر و انثی' و جعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا - ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۴۹ : ۱۴) یعنی بنیاد ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی صرف عمل ہے' اور کوئی شے نہیں - قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اسلیے ہے کہ باہمدگر پہچان اور تمئیز کا ذریعہ ہو - اسلیے نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلاے - سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو - اور فرمایا : لا تزر وازرۃ وزر اخری' و ان لیس للانسان الا ما سعی' و ان سعیہ سوف یری - (۵۳ : ۴۶) ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے' اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اسکی کوشش اور اسکا عمل ہے - آنحضرۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زندگی بھر قول و فعل یہ رہا کہ " لیس منا من دعی الی عصبیۃ " اور " لیس منا من قاتل علی عصبیۃ " اور " لیس منا من مات علی عصبیۃ " یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب کی طرف لوگوں کو بلاے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی حالت میں دنیا سے جاے - وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر لوگوں سے جنگ کرے ! دنیا کو چھوڑنے سے پہلے حجۃ الوداع میں جو آخری پیام امت کو سنایا' اسمیں بھی سب سے پہلی چیز یہی تھی - یعنی نوع انسانی کی عام مساوات کا اعلان : " لا فضل لعربی علی عجمی' و لا لعجمی علی عربی - کلکم ابناء آدم " (شیخان) اور فرمایا " لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقوی - الناس کلہم بنو آدم' و آدم من تراب " (رواہ الجماعۃ) یعنی اسلام کا ظہور و قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہمدگر برابری کا اعلان ہے - اب نہ کسی عرب کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عرب پر ملک و قوم کی وجہ سے فضیلت ملسکتی ہے - سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں' اور وہی سب سے بڑا ہے جو عمل میں بڑا ہو :

معمورۂ دلے اگرت ہست ' بازگوے
کین جا سخن به ملک فریدون نمي رود

عملاً یه حال تھا که آپنے اپنی زندگی میں سب سے آخری فوجی مہم جو بھیجی ' اسکی سرداری اسامه کو دي جنکے والد زید آپکے غلام تھے - بعض ظاہر بینوں پر یه بات گراں گزري تو فرمایا " لقد طعنتم فی امارة ابیه و قد کان لها اهلاً ' و ان اسامه لها اهل " تم لوگ پہلے زید کي سرداري پر بھی طعن کرچکے ھو ' حالانکه وہ اس کام کا اهل تھا ' اور اب اسامه سردار بنایا گیا ھے اور وہ اس کام کا اهل ھے - " اهل " کے لفظ پر زور دیا - یعنی طعن بیکار ھے - کیونکه بنیاد معاملۂ امارت و سرداري کی صرف اهلیت و قابلیت ھے - اور کچھه نہیں - حضرة عائشه کا قول مشہور ھے " لو کان زید حیاً ' ما استخلف رسول الله غیرہ " اگر آنحضرة کے غلام زید زندہ رھتے تو آپ انکے سوا اور کسي کو اپنا جانشین نه بناتے - (۱) اسامه کو جس لشکر کی سرداری دي گئی تھي ' جانتے ھو اسمیں کیسے کیسے لوگ شریک تھے ؟ بڑے بڑے مہاجرین و قریش اور سادات عرب - جن میں سب سے پہلے حضرة ابوبکر صدیق کا نام نظر آتا ھے - وھی ابوبکر (رض) جو چند دنوں کے بعد رسول الله کے جانشین اور تمام امت کے امیر ہونے والے ھیں !

بندۂ عشق شدي ' ترک نسب کن جامی
کین درین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست !

---

(۱) الله الله ! اس بارے میں اسلام و پیروان اسلام کے معاملات کیسے عجیب و غریب رھچکے ھیں ؟ آج مسلمانوں کو جو طرح طرح کے خاندانی امتیازات و تفریقات کی بت پرستانه پرستش کر رھے ھیں ' کیونکر یاد دلایا جاے که کسي زمانے میں الله اور اسکے رسول کے رشته کے سوا نه کوئی رشته مقبول تھا - نه عمل کی بزرگی کے سوا کوئی بزرگی تسلیم کي جاتی تھی - حضرة عمر کا ایک واقعه اِنھي اسامه کي نسبت ناقابل فراموش ھے - انکے لڑکے عبد الله نے ایک بار شکایت کی که تقسیم اموال میں اسامه بن زید سے مجھے کم درجه پر کیوں رکھا جاتا ھے ؟ حضرة عمر نے کہا " کان ابوہ احب الی رسول الله من ابوک ' و کان احب الی رسول الله منک " اسلیے که تیرے باپ سے زیادہ اسکا باپ الله کے رسول کو پیارا تھا ' اور اسلیے که وہ خود بھی تجھسے

بلال حبشي ، صهيب رومي ، سلمان فارسي (رض) کا جو حال تھا ، معلوم ھے - بلال کو عمر فاروق جيسے قرشي نے " همارا آقا و سردار " کہا - اور صهيب کو ديکھتے توکہتے " نعـم العبد صهيب ! لو لم يخف الله لم يعصه " صهيب الله کا کيا نيک بندہ ھے ! اگر خوف عذاب نہ ھوتا جب بھي اُسکي فطرة بدي پرمائل نہ ھوتي ! مرنے کے وقت وصية کي کہ نماز جنازہ وھي پڑھائيں - سلمان کا يہ حال تھا کہ حضرة علي عليہ السلام فرماتے "سلمان منا اھل البيت" سلمان تو ھم اھل بيت نبوة ميں سے ھے ! اسي چيز کا نتيجہ تھا کہ ايک صدي کے اندر ھي اندر عرب کي نسلي عصبية کا نام و نشان باقي نہ رھا ، اور وہ زمانہ آگيا جب بزرگي و فضيلت کے ھر ميدان ميں سرداري و رياست عجميوں اور غلام زادوں کے ھاتھہ ميں تھي - عـرب اُنکے علم و عمل کے آگے اسي طرح جھک گئے تھے ، جس طرح ايک قرشي و ھاشمي کے آگے جھک سکتے تھے - حتي کہ خليفۂ ھشام بن عبد الملـک کو امام زھري سے کہنا پڑا " و الله ليسودن المـوالي العرب ، و يخطب لهم علی المنـابر ، و العرب تحتهم ! " (عقد الفريد)

پھر کيا ايسي حالت ميں ايک لمحہ کيليے بھي باور کيا جاسکتا ھے کہ اسلام کا داعي تمام دنيا کو تو قومي و نسلي امتيازات کي غلامي سے نجات دلانا چاھتا ھو اور مساوات عامہ کي طرف بلا رھا ھو ، ليکن (نعوذ بالله) خود اس درجہ خود غرض ھو کہ قيامت تـک کيليے پادشاھي و خـلافت

(بقيہ نوٹ صفحہ ۹۳)

زيادہ رسول الله کے نزديک محبوب تھا ! يعني بنـاے استحقاق ھماري آپس کي رشتہ دارياں نہيں ھوسکتيں - الله اور اسکے رسول کے نزديک جو محبوب ھو ، وھي سب سے زيادہ حقدار ھے ، اور اُسي کو ھر طرح کي بڑائي پہنچتي ھے - ايسے صدھا واقعات اُن عہدوں ميں گزر چکے ھيں - اسلام نے يہ انقلاب اُس ملک ميں پيدا کرديا تھا جہاں کا بچہ بچہ غرور نسل و خاندان کے نشہ ميں بدمست رھتا تھا - جو مغرور قريش کل تـک قبائل يثرب کے شرفاء کو اس قابل بھی نہيں سمجھتے تھے کہ جنـگ بدر ميں اُنسے مقابل ھوں ، وہ اب غلاموں اور غلام زادوں کی سرداري بھی مان لينے کيليے بلا چون و چرا طيار ھيں - سلطان اسلام کے لڑکے کے استحقاق پر ايک غلام زادہ کو ترجيح دي جا رھي ھے - وہ گردن جھکا ديتا ھے اور تسليم کرليتا ھے !

صرف اپنے هي خاندان کیلیے مخصوص کردے ؟ وہ تمام نوع انسانی سے کہے کہ تمہارے سارے بنائے ہوئے حق جھوٹے هیں - سچا حق صرف عمل اور اهلیت کا ہے - لیکن خود اپنے لیے یہ کر جائے کہ نہ تو عمل اور نہ اهلیت ' بلکہ صرف ملک ' صرف قوم ' صرف نسل ' اور صرف خاندان ؟

کیا اس سے بھی بڑھکر کوئی عجیب بات ہوسکتی ہے ؟

خیر ' یہ بات کتنی هی عجیب ہوتی ' لیکن هم بلا تامل باور کرلیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ثابت ہوتی - همارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت هو - یہ کچھہ ضروري نہیں کہ هماری نارسا سمجھہ اُسکا احاطہ و ادراک بھي کرسکے - لیکن استعجاب کي ساري بنیاد همارا عقلی و قیاسی استبعاد نہیں ہے - یہی ہے کہ کسی نص سے ایسا ثابت نہیں ' اور چونکہ ثابت نہیں ' اسلیے هم کو یقین ہے کہ اسلام کیلیے کوئی ایسی بات ثابت بھی نہیں ہونی چاهیے -

شارع کے بیانات ' انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع ہوے هیں - از انجملہ ایک صورت احکام و اوامر اور تشریع کی ہے - یعنی بہ حیثیت شرع و دین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا - دوسری صورت اخبار و اطلاعات کي ہے - یہ دوسري صورت مجرد بیان واقعہ و حال ہے ' اور اگر آیندہ کي نسبت ہے تو پیشین گوئي ہے - حکم اور تشریع نہیں ہے - یعنی صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا - یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاهیے -

قریش کي خلافت کي نسبت جسقدر روایات موجود هیں ' سب دوسري قسم میں داخل هیں - نہ کہ پہلی قسم میں - اور جب اس حدیث کے تمام طریقوں اور لفظوں کو جمع کرکے دیکھا جاے ' تو بلا کسي اضطراب کے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے :

(۱) یہ حدیث حضرۃ ابو هریرہ ' ابو برزہ ' کثیر بن مرہ ' جابر بن عبد اللہ ' جابر بن سمرہ ' معاویہ بن سفیان ' وغیرهم مختلف صحابہ سے مروي ہے ' اور عمدہ طریق وہ هیں جو بخاري و مسلم نے اختیار کیے هیں - لیکن کسي طریق و روایت میں بھی کوئی ایسا لفظ مروي نہیں جس سے ثابت هو کہ مقصود پیشین گوئی نہ تھا - تشریع و امر تھا -

عن ابي هريره " الناس تبع لقريش فی هذا الشان - مسلمهم لمسلمهم و کافر هم لکافر هم" (مسلم) دوسرے طریق میں زیادہ وضاحت ھے " مسلمهم تبع لمسلمهم ' و کافر هم تبع لکافر هم " (مسلم) جابر کی روایت میں " الناس تبع لقريش في الخير و الشر " ھے - امام نواوي اسکی شرح میں لکھتے ھیں " معناه في الاسلام و الجاهلية - لانهم کانوا في الجاهلية رؤساء العرب و اصحاب حرم الله و اهل الحج ' و کانت العرب تنتظر اسلامهم ' فلما اسلموا وفتحت مکه ' تبعهم الناس ' وجاءت و فود العرب من کل جهة ' و دخل الناس فی دين الله افواجا " (جلد ۲ : ۱۱۹) پس معلوم ھوا که اس حدیث کو مسئلۂ خلافت کے اختصاص و شرائط سے کوئي تعلق نهیں - مقصود یه ھے که عرب میں خاندان قریش حج کے اهتمام اور بیت الله کی همسایگی کی وجه سے تمام قبائل کی سرداري رکھتا تھا ' اور هرکام میں سب کي نظریں اُسي پر اُٹھتي تھیں - جب تک مکه فتح نهوا اور قریش مسلمان نه ھوے ' تمام عرب کے قدم رکے رھے - جونهي قریش مسلمان ھوے ' سب نے اُنکي پیروي کي ' اور اپنے اپنے وفد بھیجنا شروع کردیے - حتی که تمام عرب مسلمان ھوگیا - پس فرمایا " الناس تبع لقريش " لوگ جاهلية اور اسلام ' دونوں حالتوں میں قریش کے تابع ھوے - وہ بگڑے رھے تو سارا عرب بگڑا رھا ' وہ سنورے تو سب سنور گئے - اور یه بالکل حق و معلوم ھے - همیشه اور هر ملک میں سردار جماعتوں اور بڑے لوگوں کا ایسا ھي اثر ملک و قوم پر ھوتا ھے - اچھي بري ' هر طرح کي باتوں میں لوگ اُنهي کي پیروي کرتے ھیں - حضرة ابو بکر کي روایت سے یهي حدیث مسند امام احمد میں یوں مروي ھے " بر الناس تبع لبرهم ' وفاجرهم تبع لفاجرهم " اور بیهقي نے حضرة علي سے روایت کیا " کان هذا الامر في حمير فنزعه الله منهم و جعله في قريش " لیکن اس سے یه بات کیونکر ثابت ھوئي که مسلمانوں کا خلیفه بجز اُنکے کوئي دوسرا ھو ھي نهیں سکتا ؟ اسلام صرف عرب ھي کا اسلام نه تھا جس کے سردار قریش تھے - اسلام تمام عالم کیلیے اسلام ھے جسکي سرداري و ریاست صرف علم و عمل حق ھي کو ملسکتي ھے اور یه سرداري اسلام ھي نے دلائي ھے !

(۲) امام بخاري نے جابر بن سمرة سے بطریق شعبه ایک اور حدیث روایت کي ھے " سمعت النبي صلعم يقول يکون اثنا عشر اميراً - فقال کلمة لم اسمعها - فقال أبی أنه قال کلهم من قريش " یه حدیث مختلف

طریقوں اور لفظوں سے تمام اصحاب سنن و مسانید نے روایت کی ھے - صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے " لایزال امر الناس ماضیا ما ولیھم اثنا عشر رجلا - ثم تکلم النبي بکلمة خفیت علی - فسئلت ابی ماذا قال ؟ فقال کلھم من قریش " اور حصین بن عمران کے طریق سے " ان ھذا الامر لا ینقضی حتی یمضی فیھم اثنا عشرة خلیفة " اور سماک بن حرب سے " لا یزال الاسلام عزیزاً منیعاً الی اثنی عشر خلیفة " مروي ھے - شعبي کے طریق عند ابي داؤد میں ھے " فکبر الناس و ضجوا " اور اسماعیل بن ابي خالد عن ابیه سے اسی میں ھے " لا یزال ھذ الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلھم یجتمع الامة علیه" طبراني نے اسود بن سعید کے طریق سے اسپر زیادت کي " لا تضرھم عداوة من عاداھم " بعض طریق میں ھے " لا یزال ھذا الامر صالحاً " اور " ماضیاً " (روا ھما احمد) اور بزار و طبراني نے ابو جحیفه سے روایت کي ھے " لا یزال امر امتي قائما حتی یمضي اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش " یہي روایت ابوداؤد میں اس اضافه کے ساتھه ھے " فلما رجع الی منزله اتته قریش فقالوا ثم یکون ما ذا ؟ قال ثم یکون الھرج" حاصل تمام روایتوں کا یه ھے که آپ آیندہ کي نسبت خبر دے رھے ھیں اور فرماتے ھیں - ضرور رھے که بارہ خلیفه ھوں - سب قریش سے ھونگے - کسي دشمن کي دشمني اُنکو نقصان نہیں پہنچا سکیگي - جبتک یه بارہ خلیفه حکمراں رھینگے ' اسلام با عزت رھیگا ' اور لوگ خوشحال -

اس طرز بیان کي وضاحت نے ظاھر کردیا که اس بارے میں جو کچھه کہا جا رھا ھے ' اس سے صرف آئندہ کي نسبت اطلاع دینا مقصود ھے - حکم و تشریع نہیں ھے - ھم نے تمام روایات و طریق نقل کردیے - کسي روایت اور طریق سے بھي ایسا لفظ ثابت نہیں جس سے حکم و تشریع نکل سکے -

(۳) ان سب کے بعد وہ حدیث آتي ھے جسکو امام بخاري نے باب " الامـــراء من قریش " کي بنیـــاد قرار دیا ھے - تمام روایات کے ساتھه یه حدیث سامنے رکھلي جاے' تو پوري طرح اصلیت روشن ھو جائیگي - امیر معاویه کي مجلس میں ایک مرتبه ذکر آیا که عبد الله بن عمرو کہا کرتے ھیں " سیکون ملک من قحطـــان " قحطان میں سے ایک پادشاہ ھوگا - امیر معاویه یه سنکر غضبناک ھوے اور خطبه دیا : " بلغني ان رجالاً منکم یحدثون احادیث لیست في کتاب الله و لا تؤثر عن رسول الله " الخ - مجھه تک

یہ بات پہنچی ھے کہ تم میں کچھہ لوگ ھیں جو ایسی باتیں کہتے ھیں کہ نہ تو قرآن میں ھیں نہ رسول سے ثابت ھیں : " انی سمعت رسول اللہ یقول : ان ھذا الامر فی قریش ' لا یعادیھم احد ' الا کبہ اللہ علی وجہہ ' ما اقاموا الدین " میں نے رسول اللہ سے سنا ھے کہ یہ بات (یعنی حکومت) قریش ھی میں رھیگی جب تک وہ دین قائم رکھینگے - جو اُنکی مخالفت کرے گا ' اُلٹا رسوا ھوگا - یعنی کامیاب نہوگا -

اس روایت نے سارا معاملہ حل کردیا - معلوم ھوگیا کہ ایک خاص وقت تک کے لیے یہ پیشین گوئی تھی' اور حرف بہ حرف پوری ھوئی - یعنی آپ نے بتلادیا تھا کہ قریش میں جب تک دین قائم رکھنے کی قابلیت رھیگی' حکومت اُنہی کے قبضے میں رھیگی - جو اُنکے خلاف اُٹھے گا ' ناکام رھیگا - چنانچہ ایسا ھی ھوا - جب تک عرب و قریش میں صلاحیت رھی ' اسلامی خلافت کے وھی مالک رھے - جب اسکے اھل نہ رھے' عجم و ترک نے یہ بار اُٹھالیا - بحکم ان یشا یذھبکم و یات بخلق جدید' و ما ذلک علی اللہ بعزیز (۳۰ : ۱۹) اور یستبدل قوماً غیرکم الخ - باقی رھا امیر معاویہ کا ابن عمرو پر انکار' تو یہ بھی صحیح نہ تھا - وہ صرف یہ بات سنکر گھبرا اُٹھے کہ دوسری پادشاھت بننے والی ھے - اصلیت پر غور نہیں کیا - قحطانی والی حدیث بطریق رفع ثابت ھے' اور قریش والی حدیث میں " ما اقاموا الدین" کی قید موجود ھے - پس دونوں میں کوئی تعارض نہیں - اسی بنا پر ائمۂ حدیث نے حدیث قحطانی اور حدیث قریش میں تطبیق دیتے ھوے صاف صاف لکھدیا کہ امارۂ قریش والی روایت تشریع نہیں ھے - محض خبر ھے - اور وہ بھی " ما اقاموا الدین " کے ساتھہ مقید - شیخ الاسلام لکھتے ھیں " ھذا انکار من معاویہ بلا تامل ' و الا ' فقد جاء حدیث القحطانی مرفوعاً ' و ما ذکر فی المعارضہ ' فھو حجۃ لما فیہ من التقئید بقولہ : ما اقاموا الدین " اور حافظ عسقلانی نے فتح میں ابن التین کا قول نقل کیا ھے " الذی انکرہ معاویہ فی حدیث ما یقویہ لقولہ ما اقاموا الدین فربما کان فیھم من لا یقیمہ فیتسلط القحطانی علیہ و ھو کلام مستقیم" (۱۳ : ۱۰۲) یعنی امیر معاویہ کا انکار کردینا انکی بے غوری کا نتیجہ تھا - ورنہ قحطانی والی بات ثابت ھے - امیر معاویہ نے جو حدیث معارضہ میں پیش کی ' اس کا آخری ٹکرہ خود انہی پر حجت ھے اور ابن عمرو کی تصدیق کررھا ھے - یعنی اس میں " ما اقاموا الدین "

کي قيد موجود ھے - اس سے ثابت ھوا کہ جب قریش میں ایسے لوگ نہ رھینگے جو دین قائم رکھہ سکیں تو پھر کوئي غیر قرشي مسلط ھو جائیگا -

(۴) صحیح بخاري کے ترجمۂ باب سے واضح ھوتا ھے کہ امام بخاري کا بھي مذھب یھي ھے - انھوں نے باب باندھا ھے " الامراء من قریش " قریش میں امارت اور امراء - اس مضمون کا باب نھیں باندھا کہ امارت ھمیشہ قریش ھي میں ھوني چاھیئے -

(۵) امام بخاری نے ایک دوسري روایت ابن عمر کي درج کي ھے جو مسلم وغیرہ میں بھي ھے : " لا یزال ھذا الامر في قریش ما بقي منھم اثنان " یعني یہ چیز قریش ھي میں رھیگي جب تک دو آدمي بھي اُن میں باقي رھینگے -

اس روایت سے ھمارے بیان کي اور مزید تصدیق ھوگئي - حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئي کا ھے - اگر اسکا یہ مطلب قرار دیا جاے کہ جب تک دو انسان بھي خاندان قریش میں باقي رھینگے ' خلافت اُنھي کے قبضـــہ میں رھیگي ' تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ھے - دو کي جگہ ھزاروں قرشي انسان موجود رھے اور خلافت قریش سے نکل گئي - پس ضرور ھے کہ " ما بقی منھم اثنان " کے منطوق پر مفھوم کو ترجیح دي جاے - اور وہ یھي ھے کہ اگر قریش میں دو آدمي بھي ایسے باقي رھینگے ' جو خلافت کے اھل ھونگے ' تو کبھي خلافت کے شرف سے یہ خاندان محروم نہ ھوگا - مگر جب انقـــلاب حال سے ایسا وقت آجائے کہ دو آدمي بھي اھل نہ رھیں ' تو مشیت الھي اپنے قانون انتخـــاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرمادیگي ' اور قریش خلافت سے محروم ھوجائینگے - چنانچہ تاریخ شاھد ھے کہ ایسا ھي ھوا - معتصم کے بعد سے عباسیہ کا زوال شروع ھوگیا تھا - آخر میں یہانتک پہنچ گیا کہ حکومت دوسروں کي تھي ' عباسي خلیفہ صرف اپنے عشرت کدوں کیلیے رھگیا تھا - تاھم اقتـــدار خلافت اُنھي کا رھا - کسی کو جرأت نہ ھوئي کہ خلافت کا دعوا کرسکے - کیسي کیسي طاقتور اور باجبروت عجمي و سلجوقي حکومتیں قائم ھوئیں ؟ لیکن سب اپنا بڑا سے بڑا شرف یھي سمجھتے رھے کہ مقام خلافت سے اُنھیں خدمت و یاوري خلافت کا کوئي لقب ملجاے ' اور بس - اگر ایک قرشي ' فاطمی ' عباسي ' تن تنھا کسي ھنگامۂ و قتـــال سے بچکر

نکل جاتا، تو جس گوشۂ عالم میں پہنچ جاتا، ایک عالم اُسکے ساتھہ ہو جاتا اور اپنی حکومت قائم کرلیتا - گویا ہر قرشی کے وجود میں ایک خلافت پنہاں تھی - ایک اموی شہزادہ شام کے قتل عام سے بچکر نکلا اور افریقہ ہوکر یورپ جاپہنچا - وہاں پانچ صدیوں تک کیلیے اسپین کی عظیم الشان اسلامی سلطنت قائم ہوگئی - لیکن جب عرب و قریش کے تنزل و ادبار کا وہ آخری وقت آگیا کہ دو قرشی بھی دنیا میں حکمرانی کے اہل و لائق باقی نہ رہے، تو تاریخ خلافت نے معاً صفحہ اُلٹ دیا، اور یکقلم غیر عربی و غیر قرشی خلافت کا دور شروع ہوگیا - و کان وعداً مفعولا!

(۹) اشتباہ و اضطراب کے تمام پردے اُٹھہ جاتے ہیں جب ترمذی کی وہ روایت سامنے آجاتی ہے جس میں امارت قریش کے ساتھہ دو اور باتوں کا بھی ذکر ایک ہی سلسلے اور ایک ہی اسلوب میں کیا گیا ہے، اور گویا روایت امارت کے متن کا وہ ایک متمم و مکمل ٹکرہ ہے جو بقیہ طرق میں رہگیا تھا، اس طریق میں ملجاتا ہے تا کہ اسکو جوڑ کر مضمون حدیث کامل کرلیا جاے - قریش والی حدیث اگرچہ مختلف راویوں سے مروی ہے، لیکن سب سے زیادہ اور مشہور طرق ابو ہریرہ، جابر بن سمرہ، اور ابن عمر پر جاکر ختم ہوتے ہیں - اور امام مسلم، احمد، ابو داؤد طیالسی، بزار، طبرانی کے تمام طریق تو حضرت ابو ہریرہ ہی کی روایت سے نکلے ہیں - انہی ابو ہریرہ سے بطریق ابو مریم انصاری ترمذی نے روایت کیا ہے:
" الملک فی قریش، والقضاء فی الانصار، والاذان فی الحبشہ " (اسنادہ صحیح)
اور امام احمد کثیر بن مرہ سے یوں روایت کرتے ہیں " الخلافۃ فی قریش، والحکم فی الانصار، و الدعوۃ فی الحبشہ " (رجالہ موثقون - و ایضاً رواہ الطبرانی و البزار من وجہ آخر)

اس روایت میں ایک ساتھہ تین باتوں کا ذکر ہے - خلافت قریش میں - قضاء و حکم انصار میں - اذان و دعوۃ اہل حبش میں - پس جو معنی ایک بات کے ہونگے، وہی بقیہ دو کے ہونگے - اور جو مطلب دو باتوں کا ہوگا، وہی پہلی بات کا بھی ہوگا - اگر پہلی بات (یعنی قریش کی حکومت) بیان حال اور پیشین گوئی نہیں ہے - امر و تشریع ہے - تو بقیہ دو جملوں کو بھی امر و تشریع قرار دینا پڑیگا - یعنی ماننا پڑے گا کہ قاضی ہمیشہ انصاری ہی ہونا چاہیے، اور مؤذن بجز حبشی کے دوسرا ہو نہیں سکتا - لیکن

معلوم ہے کہ آج تک نہ کسی نے ایسا کہا ' نہ یہ مطلب سمجھا ' نہ قضاء و اذان کیلیے کوئی شرعی اشتراط ملک و نسل کا تسلیم کیا گیا ہے -

پس جو مطلب اُن دو باتوں کا ہے ' وہی خلافت قریش کا بھی ہے - یا تو یہ بیان حال ہے - یعنی آنحضرۃ صلی اللہ علیہ و سلم کے عہد میں ایسا ہوا کہ آپ خود قرشي تھے اور مسلمانوں کے امیر و رئیس کل - قضاء پر اکثر انصار مامور ہوے ' اور اذان حضرت بلال دیتے تھے - پس " الملك في قريش ' و القضاء في الانصار ' و الاذان في الحبشه " کي تقسیم ہوگئي تھي - یا آیندہ کي نسبت خبر ہے کہ حکومت قرشیوں کے ہاتھہ میں رہیگی ' قضاء پر انصاري مامور ہونگے ' اور اکثر ایسا ہوگا کہ موذن حبشي ہوں - کوئي خاص آنے والا عہد پیش نظر ہوگا - اسي کي نسبت یہ خبر آپ کي زبان مبارک پر طاري ہوگئي -

(۷) اس حدیث کے جو متون و اسناد صحیحین نے اختیار کیے ہیں ' اُنکے بعد سب سے زیادہ مشہور روایت وہ ہے جسکو ابو داؤد طیالسي ' امام احمد ' ابو یعلي ' طبراني ' وغیرہم نے حضرۃ ابو برزہ اور انس سے روایت کیا ہے " الائمۃ من قريش ما حكموا فعدلوا ' و وعدوا ' فوفوا ' واسترحموا " اور طبراني نے حضرۃ علي سے مرفوعاً روایت کیا ہے " الا ان الامراء من قريش ما أقاموا ثلاثا " الخ - اسي متن کو امام بخاري نے تاریخ میں اور طیالسي و بزار نے مسند میں حضرۃ انس سے یوں بھي روایت کیا ہے " الائمۃ من قريش ما اذا حكموا فعدلوا " نسائي و حاکم نے بھي ایک دوسرے طریق سے یہ روایت لي ہے - حاصل ان سب کا یہ ہے کہ فرمایا - امرا اور آئمہ قریش میں سے ہیں - جب تک ان میں عدل گستري ' ایفاء عہد ' اور رحم و شفقت کے اوصاف باقي رہینگے -

اس حدیث سے بھي ثابت ہوگیا کہ قریش کي خلافت اہلیت و صلاحیت کے ساتھہ مشروط تھي - یعني پہلے ھي سے کہدیا گیا تھا کہ جبتک صفات حسنہ اُن میں باقي رہینگے ' خلافت اُنھي کے قبضہ میں رہیگي - یہ بات نہ تھي کہ تشریعاً ہر حال میں خلافت کو اُنھي کا حق بتلایا ہو -

(۸) اس سے بھي بڑھکر یہ کہ بعض روایات میں قریش کي نسبت بصورت ظلم و جور و عدم اتباع شریعت ' سخت کلمات وعید بھي آئے ہیں - حتی کہ کلمۂ " لعن " بھي آیا ہے - یہ بھي صاف صاف موجود ہے کہ

الله تعالی اپني سنت عادله کے مطابق ایسے لوگوں کو اُنپر مسلط کریگا جنکا تسلط اُنکے لیے سخت اذیت و عقوبت کا موجب ہوگا - چنانچہ طبراني کي سابق الذکر روایت " ما اقاموا ثلاثا " الخ میں یہ بھي ہے " فمن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة الله " یعني تین وصف عدالت ' ایفاء عهد ' اور رحم و شفقت کے بیان کرکے فرمایا - اور جس نے ایسا نه کیا تو اسپر الله کي پھٹکار- اور احمد و ابو یعلي نے حضرة ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا " یا معشر قریش ! انکم اهل هذا الامر ما لم تحدثوا ' فاذا غیرتم' بعث الله علیکم من یلحاکم کما یلحي القضیب " (رجاله ثقات الا انه من روایة عبید الله بن عبد الله بن عتبه بن مسعود' عن عم ابیه عبد الله ابن مسعود ' و لم یدرکه - و ایضاً اخرجه احمد عن ابي مسعود الانصاري من طریق عبید الله و في سماعه نظر' و له شاهد من مرسل عطاء بن یسار- اخرجه الشافعي و البیهقي بسند صحیح) یعني اے جماعت قریش ! جب تک تم کوئي نئي روش اختیار نه کرو' تم هي اس بات کے اهل هو- لیکن اگر تم نے اپني حالت بدل دي تو یاد رکھو - الله تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کردیگا جو تم کو چھڑي کي طرح موڑ دینگے -

پس ان روایات سے دونوں باتوں کي مزید تصدیق هوگئي - اول یه که خلافت قریش کے تمام بیانات محض خبر هیں - تشریع و امر نہیں - ثانیاً ' پہلے سے خبر دیدي گئي هے که همیشه خلافت اُنهي میں نہیں رهیگي - چنانچه حرف به حرف یه پیشین گوئي پوري هوئي ' اور قریش پر یکے بعد دیگرے ایسے لوگ مسلط هوے ' جنهوں نے انکا سارا زور توڑ دیا - حتی که حکومت قریش کا دنیا میں نام و نشان تک باقي نه رها - فصلی الله علی الصادق المصدوق الذي لا یخبر عن شيء ' الا و جاء مثل فلق الصبح !

(۹) چنانچه یهي وجه هے که جن لوگوں نے خلافت کو قریش میں مخصوص ثابت کرنا چاها ' انکو بھي تسلیم کرنا پڑا که ان تمام روایات کا منطوق خبر کا هے نه که امر کا - اور کوئی حدیث ایسی قوي ظاهر الدلالة موجود نہیں جس سے انکا مدعا ثابت هوسکے - وہ مجبور هوے هیں که انهي احادیث کو تاویل و توجیه کرکے امر پر محمول کریں - حافظ ابن حجر نے قرطبي کي نسبت لکھا هے " کانه جنح الی انه خبر بمعنی الامر " (۱۳ : ۱۰۵) اور ابن منیر نے کہا " و الحدیث و ان کان بلفظ الخبر فهو بمعنی الامر کانه قال ائتموا بقریش خاصه " (ایضاً) پس اسپر سب متفق

هیں کہ الفاظ حدیث میں صورت خبر کی ہے - امر کی نہیں - اور جب کوئی دلیل قوی و ظاہر موجود نہیں - نہ قرآن میں ' نہ سنت میں ' نہ اقوال صحابہ میں ' تو پھر کیا مجبوری پیش آئی ہے کہ یہ تاویلات اختیار کی جائیں ' اور نص کو بلا وجہ ظاہر و منطوق سے مصروف کیا جاے ؟

(۱۰) اس حدیث کی تمام روایات و طرق پر ہم نے نظر ڈال لی - اب صرف دو روایتیں اور رهگئیں جو مناقب قریش میں آئی ہیں ' اور جن سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے - بیہقی و طبرانی نے جبیر بن مطعم اور ابن سائب سے روایت کیا " قدموا قریشا و لا تقدموھا " یعنی قریش کو مقدم رکھو - یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ قریش کو ہر بات میں آگے رکھو - خود پیچھے رہو -

لیکن قطع نظر قوت و ضعف روایت کے ' اس سے بھی یہ بات نہیں نکلتی کہ قریش کے سوا دوسرے کی خلافت جائز نہیں - قریش کو عرب میں ہر طرح تقدیم و ریاست حاصل تھی - لوگ انکی ریاست سے متاثر تھے - پس فرمایا کہ اس بات کا لحاظ رکھا کرو - اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ امامت و خلافت کے حقدار ہمیشہ قریش ہی ہیں ؟

دوسری روایت امام احمد نے عمرو بن العاص سے روایت کی ہے - آنحضرۃ نے فرمایا " قریش قادۃ الناس " قریش لوگوں کے سردار ہیں - لیکن اسکو بھی اختصاص خلافت کے سوال سے کوئی تعلق نہیں - یہ تو معلوم ہے کہ سردار قوم تھے - لیکن اسکا حکم کہاں ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ صرف انھی میں سے ہوسکتا ہے ؟ کیا ایک ایسے اہم مسئلہ کیلیے اس طرح کی باتیں " نص " کا کام دیسکتی ہیں ؟

(۱۱) باقی رہی حدیث " الائمۃ من قریش " اور یہ استدلال کہ حضرۃ ابوبکر نے سقیفۂ بنی ساعدہ کے مجمع میں بر خلاف انصار پیش کی اور سب نے تسلیم کرلیا ' تو اس سے بھی شرعاً اختصاص قریش کے دعوے کو کوئی مدد نہیں ملسکتی -

اولاً ' یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں - فتح الباری میں ہے " الائمۃ من قریش - رجالہ رجال الصحیح لکن فی سندہ انقطاع" (۱۳ : ۱۰۱)

ثانیاً ' اس سے بھی یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کا شرعاً حق بجز قریش کے اور کسی مسلمان کو نہیں؟ یہ بھی آیندہ کی نسبت خبر ہے '

اور اُنھي حديثوں کا ايک ٹکڑہ هے جو دوسرے طريقوں سے صريح پيشين گوئي کے لفظوں ميں پڑھ چکے هو - حضرۃ ابوبکر نے يه بات اسليے پيش کي تهی که پيشتر سے هونے والے واقعات کي خبر ديدي گئي هے - پس ايسا هی هونا ضروري هے - اسکے خلاف بات نه اُٹھاؤ - يه سنکر انصار مايوس هوگئے اور تسليم کرليا -

ثالثاً " الناس تبع لقريش " والي روايت سے مدد لي جاے تو بالکل کھل جاتا هے که سقيفه ميں حضرت ابوبکر کا استدلال صرف قريش کي بزرگي وعظمت اور عرب ميں اُنکي رياست و سرداري سے تها - نه که شرعاً شرائط امامت سے - وہ بتلانا چاهتے تهے که خود آنحضرت نے فرماديا هے - جاهلية اور اسلام ' دونوں ميں لوگ قدرتي طور پر قريش کي سرداری سے متاثر هيں اور رهينگے ' اسليے يه معامله بهي اُنهی کے قبضه ميں رهيگا - چنانچه حضرۃ ابوبکر کا يه مشهور جمله اس مطلب کو پوري طرح کهول ديتا هے جو سقيفه ميں کہا تها " ان العرب لا تعرف هذا الامر لغير هذا الحي " يعنے اهل عرب قريش کے سوا اور کسي قبيله کي سرداري سے آشنا نهيں - پس يہاں سرے سے شرائط شرعيه کا سوال هي نه تها - صرف ملکي و وقتي مصالح کي بنا پر استدلال تها که کس قبيله و خاندان سے امام هونا چاهيے جسکي سرداري عرب کے تمام قبائل بلا چون و چرا تسليم کرليں ؟

رابعاً ' يهي روايت بعض ديگر طرق سے صاف صاف خبر کي صورت ميں آئي هے - امرو تشريع کي اسميں گنجايش هي نهيں - ابن اسحاق نے کتاب الکبير ميں روايت کيا هے که حضرت ابوبکر نے سقيفه کے مجمع ميں فرمايا " ان هذا الامر في قريش ما اطاعوا الله و استقاموا علی امره " (فتح ۱۳ : ۱۰۳) يعنے يه بات قريش ميں رهيگي جب تک وہ الله کي اطاعت کرينگے اور اسميں مستقيم رهينگے - پس معلوم هوا که امام احمد والي روايت ميں راوي نے بقيه ٹکڑہ چهوڑ ديا هے - صرف " الائمة من قريش " لے ليا - ورنه حضرت ابوبکر نے وهي بات فرمائي تهي جو ديگر احاديث مرفوعه ميں بطور خبر کے ثابت هوچکي هے - علی الخصوص بخاري کي روايت معاويه ميں -

فصل

(دعـــوئـے اجمـــاع)

اب صرف ایک بات رهگئي - یعني علماء اسلام کا شرط قرشیة پر زور دینا ' اور قاضي عیاض وغیرہ کا دعوئے اجماع ' تو اس بارے میں چند امور قابل غور و نظر هیں :

اولاً اس امر کا کوئي ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش هي کو یقین کرتے تھے ' بلکہ اسکے خلاف شواهد موجود هیں - امام احمد نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ھے - اگر معاذ بن جبل میري وفات تک زندہ رهے تو اپنے بعد انھي کو خلیـــفہ بناؤنـــگا - یہ ظاهر ھے کہ معاذ قرشي نہ تھے - انصار مدینہ میں سے تھے - اگر خلافت کیلیے قرشیة شرط هوتي تو حضرة عمر جیسا محرم اسرار خلافت کیونکر انکی خلافت کا تصور بھي کرسکتا تھا ؟ مسند امام احمد میں حضرة عمر کا ایک اور قول بھي ابو رافع کي روایت سے موجود ھے " لو أدرکني احد رجلین ثم جعلت هذا الامر الیه ' او ثقت به - سالم مولي حذیفه و ابو عبیدة الجراح " اگر سالم مولی حذیفہ اور ابو عبیدة الجراح میں سے کوئي ایک میري وفات تـــک زندہ رهتا اور خلافت اسکے سپرد کردیتا ' تو مجھے اس بارے میں پورا اطمینان و اعتماد هوتا - اگر حضرة عمر صدها صحابۂ و مهاجرین قریش کي موجودگي میں سالم مولی حذیفہ کو خلافت سپرد کردینے کا ارادہ کرسکتے هیں ' تو پھر کیسے باور کیا جاسکتا ھے کہ شرعاً خلافت غیر قرشي کو نہیں ملسکتي اور صحابہ کا اس پر اجماع هوگیا تھا ؟

چنانچہ اس بات کا خود آئمـــۂ متاخرین کو اعتراف کرنا پڑا - حافـــظ ابن حجر قاضي عیاض کا قول نقل کرکے لکھتے هیں " قلت و یحتـــاج من نقل الاجماع الی تاویل ما جاء عن عمـــر من ذلك - فقد اخرج امام احمد عن عمر بسند رجاله ثقات ان ادرکني أجلي الخ " الی ان قال " فیحتمـــل ان یقـــال لعل الاجمـــاع انعقـــد بعد عمر علی اشتراط ان یکون الخلیفـــة قرشیـــاً ' او تغیر اجتهاد عمر في ذلك - و الله اعلـــم " (۱۳ : ۱۰۶) یعني یہ جو قاضي عیاض نے کہا کہ خـــلافت کے مخصوص

به قریش هونے پر اجماع ہوچکا ہے ' تو اجماع ماننے کي صورت میں حضرۃ عمر کے قول کي تاویل کرنی پڑیگي جو امام احمد نے بسند صحیح معاذ بن جبل کے استخلاف کي نسبت روایت کیا ہے - پھر کہتے ہیں کہ اس کي یوں تاویل کي جا سکتي ہے کہ شاید یہ اجماع حضرۃ عمر کے بعد ہوا ہو - یا یوں کہا جاے کہ حضرۃ عمر کا اجتہاد اس بارے میں بدل گیا -

لیکن یہ تاویلیں جس قدر نا قابل التفات ہیں ' اہل نظر سے مخفي نہیں - اول تو جب اختصاص قرشیۃ کیلیے کوئی نص شرعي موجود نہیں تو تاویل کي ضرورت ہي کیا ہے ؟ ثانیاً کہاں تو یہ دعوی کیا جاتا تھا کہ حضرۃ ابوبکر کي بیعت کے وقت سقیفہ کے مجمع ہي میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہوگیا ' اور تمام صحابہ نے اجماع کرلیا کہ خلافت کے حقدار صرف قریش ہي ہیں - اور کہاں اب یہ تاویل کي جاتي ہے کہ حضرت ابوبکر کا پورا زمانۂ خلافت گزرگیا اور اجماع نہ ہوا ' حضرۃ عمر کي زمانۂ خلافت کے دس برس گزر گئے اور صحابہ اس حکم سے بے خبر رہے ' لیکن اسکے بعد یکایک اس پر اجماع ہو گیا ؟ پھر اگر اجماع ہوا تو کب ؟ اور کونسی دلیل اس بارے میں موجود ہے ؟

اگر سقیفۂ بني ساعد میں اجماع نہیں ہوا ' نہ خلافت صدیقي کے ڈھائي سال میں یہ مسئلہ چھڑا ' اور نہ عہد فاروقي کے بہترین دس سالوں میں صاف ہوا جو فقہ و علوم کی تنظیم و تحقیق کا اصلي عہد تھا ' تو پھر کیا یہ اجماع اُس وقت منعقد ہوا جب حضرت عثمان کی شہادت کا ہنگامہ ہوا تھا ' یا اُسوقت جب جمل و صفین کے میدان کارزار گرم ہوے تھے ؟

اصل یہ ہے کہ واقعات کے تسلسل و تواتر سے خود بخود ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ لوگوں کو اجماع کا خیال پیدا ہوگیا - یعنی چونکہ ابتدا سے خلافت پر قریش ہی کا قبضہ ہوا ' اور یکے بعد دیگر تمام سلاسل حکومت قرشی ہی ہوے ' اس لیے لوگوں نے سمجھہ لیا کہ شرعی فیصلہ بھي یہي ہے ' اور اس پر اجماع ہوگیا ہے - ورنہ اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت موجود نہیں - اور نہ عرصہ تک کسي خاص خاندان میں حکومت کا رہجانا دلیل تشریع و انعقاد اجماع ہوسکتا ہے - خود خلفاء عباسیہ کے عہد میں متعدد غیر قرشي مدعي اُٹھے ' اور بعضوں کا ساتھہ ہزاروں مسلمانوں نے دیا - وہ نہ خوارج میں سے تھے - نہ معتزلہ میں - مگر یقین کرتے تھے کہ غیر قرشي خلیفہ ہوسکتا ہے - حجاج کے زمانہ میں ابن الاشعث نے خروج کیا اور امیر المومنین کا لقب اختیار کیا - حالانکہ قرشي نہ تھا -

اندلس اور افریقه میں عبد المومن صاحب ابن تومرت نے خلافت کے دعوے کے ساتھه حکومت قائم کي اور اُسکي نسل میں عرصة تک قائم رهي - ابن تومرت کي نسبت کون کهه سکتا هے که معتزلي تها ؟ وه امام غزالي کا شاگرد اور پکا اشعری تها - عقائد اشاعره میں اسکا ایک رسالہ موجود هے - مراکشي نے تاریخ مراکش میں تصریح کي هے که بلاد مغرب میں اشعریة اُسیکے ذریعه پهنچي اور اسي لیے خاندان عبد المومن کا سرکاری مذهب همیشه اشعري رها - لیکن یه لوگ بهي قرشي نه تهے - علاوه بریں خود ائمهٔ اشاعره میں سے بعض نے اس شرط سے انکار کیا هے - جیسا که امام ابوبکر باقلاني کي نسبت ابن خلدون نے تصریح کي هے - پس غور کرنا چاهیے که جس اجماع کي نسبت دعوا کیا جا رها هے' اور جو کبهي حضرة ابوبکر کي بیعت سے پہلے مجلس سقیفه میں رونما هوتا هے' کبهي وهاں سے روپوش هوکر ساڑهے گیاره برس تک مفقود هو جاتا هے اور حضرة عمر غیر قرشي کے استخلاف کا اراده کرنے لگتے هیں' پهر انکے بعد یکایک نمایاں هونا چاهتا هے' لیکن پهر بهي اُسکا کچهه پتــه نهیں چلتا - حتیٰ که غیر قرشیوں کو هزاروں مسلمان خلیفه مان لیتے هیں' اور ائمهٔ عقائد و کلام مختلف فیه نظر آتے هیں' فی الحقیقت اُسکا کوئي وجود هے بهي یا نهیں ؟

حقیقت یه هے که نهیں هے -

ثانیاً' یه ظاهر هے که قریش میں خلافت هونے کي نسبت جو کچهه فرمایا گیا' وه محض آینده کي پیشتر سے اطلاع تهي - یعني پیشین گوئي تهي - اور پیشین گوئیوں کا یه حال هے که جب تک اُنکا ظهور کامل طور پر نه هو جاے' اُنکے معاني و مطالب کي نسبت کسي قطعي بات کا اختیار کرنا مشکل هوتا هے - اجتهاد و قیاس کیلیے کسي چیز میں اتني وسعت نهیں جسقدر پیشین گوئیوں میں هوتي هے - علی الخصوص جبکه عموماً پیشین گوئیوں کا ایک خاص مبهم انداز بیان هوتا هے' اور نهایت اجمال و اختصار کے ساتهه محض اشارات کیے جاتے هیں - جب تک اُنکا ظهور نه هو جاے' اشارات کي تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کي لغزشیں پیش آجاسکتي هیں -

ظهور دجال کی پیشینگوئي اس معامله کیلیے ایک واضح مثال هے - آنحضرة صلی الله علیه وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولي اوصاف بیان کردیے تهے - با ایں همه خود صحابهٔ کرام میں اختلاف هوا' اور اپنے عهد کے مختلف اشخاص کو

بعض اوصاف کے اشتراک کي وجہ سے دجال سمجھتے رہے - آنحضرۃ کے زمانے ھي میں ابن صیاد کي نسبت حضرۃ عمر کو خیال ھوا تھا - حتی کہ اسکو قتل کرنا چاھا جیسا کہ امام بخاری کي روایت ابن عمر مندرجہ کتاب الجنائز میں موجود ھے - اور ایک دوسری روایت مندرجہ کتاب الاعتصام بالسنہ سے معلوم ھوتا ھے کہ حضرۃ عمر کو اسپر اسدرجہ یقین تھا کہ قسم کھا کر کہتے تھے - یہي دجال ھے - اور اسي لیے ابن جابر کو بھي اسپر پورا یقین تھا " روایت جابر بن عبد اللہ یحلف باللہ ان ابن الصیاد الدجال " اسي طرح ابو داؤد کي روایت نافع میں حضرۃ عبد اللہ بن عمر کي نسبت مروي ھے کہ قسم کھا کر کہتے تھے " و اللہ ما أشک ان المسیح الدجال ھو ابن صیاد " لیکن دیگر صحابہ کو اس سے اختلاف تھا - ابو سعید خدري سے جب ابن صیاد کي صحبت ھوئی تو اُنکا شک دور ھوگیا حتی کہ معذرت کرنے کیلیے آمادہ ھوگئے (کما فی المسلم) اور مسلم میں قصہ تمیم دارمي موجود ھے جسکي بنا پر لوگوں کو ابن صیاد کے دجال ھونے سے انکار تھا -

پس چونکہ یہ پیشین گوئي تھي ' اسلیے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوري پوري طرح ظاھر نہ ھو جائیں ' اُنکا ٹھیک ٹھیک مطلب متعین کیا جا سکے - خلافت کا یہ حال رھا کہ گو ابتدا سے بہت مدعي اُٹھے ' مگر فی الجملہ نویں صدي ھجری تک قریش ھي میں رھي ' اور اسي بات کي احادیث میں خبر بھي دی گئي تھي - جن علماء کي رائے پیش کي جاتي ھے ' وہ سب وھي ھیں جنکا ظہور ساتویں صدی اور اُس سے پیشتر یعنی عہد خلافت قریش میں ھوا - پس ضرور تھا کہ معاملۂ خلافت کو ابتدا سے قریش ھي میں محدود دیکھکر یہ خیال پیدا ھو جاتا کہ خلافت اسي خاندان سے شرعاً بھي مخصوص ھے ' اور یہي مطلب تمام احادیث کا ھے - اگر وہ بعد کا حال دیکھتے تو معلوم کرجاتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا - محض خبر دي گئي تھي - وہ ان حدیثوں کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات کي روشني ھي میں دیکھہ رھے تھے ' اور اسکے لیے مجبور و معذور تھے -

حافظ نووي شرح مسلم میں لکھتے ھیں " و قد ظہر ما قالہ صلعم - فمن زمنہ الی الان الخلافۃ في قریش من غیر مزاحمۃ لھم فیھا ' و تبقی کذالک ما بقی منھم اثنان " (جلد ۲ : ۱۲۹) یعنی جیسا فرمایا تھا ' ویسا ھي

ہوا - آنحضرت صلعم کے زمانے سے ابتک خلافت بغیر کسي رکاوٹ کے قریش ہی میں رہي - اور آیندہ بھي ہمیشہ اُنہي میں رہیگي جبتک دو قرشي بھي دنیا میں باقي رہینگے -

حافظ نواوي کا سال وفات سنہ ۶۷۶ھ ہے - اور سال پیدایش سنہ ۶۳۱ - یا اس سے بھي پہلے - آخري خلیفۂ بغداد المستعصم کو ہلاکو نے سنہ ۶۵۶ میں قتل کیا - پس گو اُنکي وفات فتنۂ تاتار کے بعد ہوئي ' لیکن تصنیف و تالیف کا زمانہ مستعصم کي خلافت ہي کا زمانہ ہے - اگر شرح مسلم وغیرہ بالکل آخري عمر کي تصنیف ثابت ہوجاے تو پھر خلفاء عباسیۂ مصر کا زمانہ ہوگا کہ في الجملہ قریش کي خلافت قائم تھي - پس وہ اپنے زمانے تک خلافۃ کو صرف قریش ہي میں قائم دیکھکر احادیث باب کے اسي مطلب پر قانع اور جمے ہوے ہیں ' اور اسي لیے " ما بقي منہم اثنان " کا بھي یہي مطلب سمجھتے ہیں کہ جب تک خاندان قریش کے دو انسان بھي دنیا میں باقي رہینگے ' خلافت اُنہي میں رہیگي -

لیکن اگر اُنکو اپنے بعد کا حال معلوم ہوتا تو کیا ایسا دعوا کرسکتے تھے ؟ کیا اُس صورت میں اپني تمام راے پر نظر ثاني نہ کرتے ؟ وہ کیا جانتے تھے کہ عنقریب صفحہ اُلٹنے والا ہے' اور خلافۃ نہ صرف قریش سے ' بلکہ عرب ہي سے رخصت ہو جانے والي ہے -

اس سے بھي زیادہ بہتر مثال حافظ سیوطی کي ہے - حافظ موصوف عباسیۂ مصر کے آخري عہد میں تاریخ الخلفاء اور حسن المحاضرہ لکھہ رہے ہیں - یعني ہزارویں صدي کے اوائل میں - چونکہ اسوقت تک مصر میں عباسي خاندان منصب خلافت پر ممتاز تھا ' اور گو عالم اسلامي بہت سي نئي عجمي حکومتوں میں بٹ چکا تھا ' تاہم لقب خلافۃ بجز عباسیۂ مصر کے اور کسي کے قبضہ میں نہ تھا ' اسلیے انہوں نے تاریخ الخلفاء کے ابتدا میں ایک باب باندھا ہے " احادیث المبشرۃ بخلافۃ بني العباس " اسمیں وہ تمام روایتیں جمع کي ہیں جنمیں عباسیہ کو خلافت پانے کي بشارت دي ہے ' اور کہا ہے کہ تمہاري خلافت حضرۃ عیسی کے نزول تک رہیگي - چنانچہ ابو نعیم کي روایت میں ہے - جب حضرۃ عبد اللہ بن عباس پیدا ہوے تو آنحضرۃ نے فرمایا "ہو ابو الخلفاء' حتی یکون منہم السفاح' حتی یکون منہم المہدي ' حتی یکون منہم من یصلي بعیسی بن مریم "

یعني آپنے فرمایا عبد الله بن عباس خلفاء کا باپ هے یہانتک که انهي خلفاء میں سے سفاح هوگا ' اور انهي میں سے مہدي هوگا ' اور أنهي میں وہ هوگا جو حضرت عیسیٰ کے ساتهه نماز پڑهیگا -

اگرچه یه تمام روایتیں قطعاً جهوٹي هیں - ابو مسلم خراساني وغیرہ عباسي داعیوں کی بنائي هوئي هیں ' اور تمام ائمۂ حدیث و نظر نے اِنکے خرافات و وضعي هونے پر اتفاق کیا هے - لیکن چونکه اُسوقت تک عباسیوں میں خلافت کا انتساب باقي تها ' اور واقعات کی بنا پر اس پیشین گوئي کي تکذیب نہیں هوسکتي تهي - نیز عباسي خلافت کا حاکمانه اثر ان روایات کي مقبولیت کا باعث هورها تها ' اسلیے حافظ سیوطي انکےلیے ایک خاص باب قائم کرتے هیں' اور اگر کسي روایت کو سنبهالنے کا ذرا سا بهي موقعه ملجاتا هے تو نہیں چوکتے- چنانچه ابو نعیم اور دیلمي کی روایات سے کچهه تعرض نہیں کیا هے' حالانکه حافظ مزي ' ابن دقیق العید ' ابن کثیر' وغیرهم نے سخت انکار کیا هے ' اور ابن جوزي کتاب الموضوعات میں لاے هیں- اس سےبهي بڑهکر یه که دیباچه میں بنوعبید کی خلافت پر بحث کرتے هوے ان احادیث سے یقین کے لہجه میں استدلال کرتے هیں " ان الحدیث ورد بان هذ الامر اذا وصل الی بني العباس لا یخرج عنهم حتی یسلمون الی عیسي بن مریم او المهدي " (تاریخ الخلفا ۸۰) یعني یه بات حدیث میں آچکی هے که جب خلافت آل عباس تک پہنچیگي تو پهر أنهي کے قبضه میں رهیگی - یہانتک که وہ حضرت عیسیٰ یا امام مہدي کے سپرد کردیں -

لیکن اگر حافظ سیوطي پچیس برس آور زندہ رهتے اور دیکهه لیتے که خلافت و حکومت کا نام و نشان تک عباسیه میں باقي نه رها ' تو پهر اُنکو پورا پورا یقین هوجاتا که عباسیه کو آخر عهد تک خلافت و پادشاهت کی کوئي بشارت نہیں دي گئي هے ' اور یقیناً یه تمام حدیثیں وضعی هیں جیسا که ائمۂ اثر فیصله کرچکے هیں -

چنانچه یه بات صاف صاف تتبع و نظر سے واضح هوجاتي هے که خلافت عباسیۂ بغداد کے تنزل اور عجمي حکومت کے ظهور و عروج کے ساتهه هي علماء کي آراء میں بهي تدریجي تغیر شروع هوگیا تها' اور اشتراط قرشیۃ میں وہ زور باقي نه رها تها ' جو قاضي عیاض وغیرہ کي مصنفات میں پایا جاتا هے - اکثر

علماء نے جب دیکھا کہ " ما اقاموا الدین "کی شرط کا ظہور شروع ہوگیا ہے اور حکومت قریش کے قبضہ سے نکل گئی ہے' تو انکی راے بدل گئی' اور قاضی عیاض والے اجماع کے دعوے میں تامل کرنے لگے - علامۂ ابن خلدون (المتولد سنہ ۷۳۲) مقدمۂ تاریخ میں شرط قرشیۃ پر بحث کرتے ہوے لکھتے ہیں : " لما ضعف امر قریش' و تلاشت عصبیتھم بما نالھم من الترف و النعم و بما انفقتھم الدولۃ فی سائر اقطار الارض' عجزوا عن حمل الخلافۃ' و تغلبت علیھم الاعاجم و صار الحل و العقد لھم' فاشتبہ ذلک علی کثیر من المحققین' حتی ذھبوا الی نفی اشتراط القرشیۃ و عولوا علی ظواھر فی ذلک مثل قولہ صلعم : اسمعوا و اطیعوا و ان امر علیکم عبد حبشی ما اقام فیکم کتاب اللہ " یعنی جب قریش کی قوت کمزور ہوگئی - عیش پرستیوں میں پڑکر اپنی عصبیۃ مٹا دی - خلافت کا بوجھہ اُٹھانے سے عاجز ہوگئے' تو عجمیوں نے اُنپر غلبہ حاصل کرلیا' اور خلافت کا فیصلہ اُنہی کے ہاتھوں میں چلا گیا - یہ انقلاب دیکھکر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیۃ کی شرط مشتبہ ہوگئی - یہانتک کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کردیا - انتہی -

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ قرشیۃ کی شرط ضروری نہیں - یہی ابن خلدون لکھتے ہیں " و من القائلین بنفی اشتراط القرشیۃ' القاضی ابوبکر الباقلانی "

عباسیہ بغداد کے انقراض کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا' اسلیے اس عہد کے علماء مصر نے (مثلاً حافظ ابن حجر' قاضی عینی' جلال الدین سیوطی و غیرھم) قرشی خلافت کو فی الجملہ قائم پایا - لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا' اور وہ زمانہ آیا جسکی خبر دیدی گئی تھی کہ " بعث اللہ علیکم من یلحاکم کما یلحی القضیب " تو جو اہل نظر اس انقلاب کے بعد پیدا ہوے' انہوں نے صاف صاف لکھدیا کہ اشتراط قرشیۃ کا کوئی ثبوت نہیں' اور نہ خلافت قریش کا وہ مطلب ہے جو ابتک سمجھا جاتا تھا - چنانچہ تیرھویں صدی کے مشہور مجدد فقہ و حدیث امام شوکانی یمنی وبل الغمام میں شرط قرشیۃ کے دلائل نقل کرکے لکھتے ہیں " لاریب ان فی بعض ھذہ الالفاظ ما یدل علی الحصر' ولکن قد خصص مفھوم الحصر احادیث وجوب الطاعۃ لغیر القرشی " الی ان قال " و الاخبار منہ صلعم بان الائمۃ

من قریش ' هو کالاخبار منه بان الاذان فی الحبشة و القضاء فی الازد ' و ما هو الجواب عن هذا ' فهو الجواب عن ذلک - و تخصیص کون الائمة من قریش ببعض بطونهم ' لا یتم الا بدلیل ' و الاخذ بما وقع علیه الاجماع لا شک انه احوط ' و اما انه یتحتم المصیر الیه ' فلیس بواضح ' و لو صح ذلک ' لزم بطلان اکثر ما دونوه من المسائل و المقام و المراکز ' و ما احقه بان لا یدون کذلک " یعني اگرچه امامة قریش کي روایات میں ایسے الفاظ هیں جنسے قریش کي خصوصیت معلوم هوتي هے ' لیکن وجوب طاعت امام کے عام احکام کتاب و سنة میں موجود هیں - وه دلالت کرتے هیں که غیر قرشي کي بهي اطاعت امت پر قرشي هي کي طرح واجب هے - باقي رهي یه بات که آنحضرة نے قریش میں امامت کي خبر دي ' تو اس سے یه لازم نهیں آتا که انکے سوا کوئي دوسرا امام هو هي نهیں سکتا - یه ویسي هي خبر هے جیسي اس بارے میں خبر دي که اذان کا کام اهل حبش میں هے اور قضاء ازدیوں میں - جس طرح ان روایتوں سے یه بات نهیں نکلتي که موذن اور قاضي صرف حبشي اور ازدي هي هونے چاهئیں ' اسي طرح یه بات بهي ثابت نهیں هوتي که امام صرف قرشي هي هوسکتا هے - جو جواب انکا دیا جائیگا ' وهي اسکا هوگا -

یه واضح رهے که جن جن علماء حدیث و کلام کے اقوال سے یه اجماع ثابت کیا جاتا هے ' وه سب کے سب اسي عهد کے هیں جبکه خلافت عباسي قائم تهي - بعد والوں نے جو کچهه لیا هے ' انهي سے لیا هے - سب سے زیاده اعتماد اس بارے میں قاضي عیاض کے بیان پر کیا جاتا هے جنکا قول نواوي نے شرح مسلم اور منهاج میں نقل کیا هے - انکا سال وفات سنه ۵۴۴ هجري هے -

پهر یه بهي واضح رهے که اجماع کے دعوے نے عام طور پر جو وسعت اختیار کرلي هے ' اور جس طرح بتدریج اس لفظ کا استعمال اپنے لغوی و اصولي معنی سے هٹ کر مختلف مصطلحه معنوں میں هونے لگا هے ' اسکو فراموش نهیں کرنا چاهیے - علي الخصوص فقهاء مذاهب کے استعمالات متکلمین اور ارباب اصول کے مصطلحه اجماع سے بالکل مختلف هیں - هر مذهب کے فقها بلا تامل اپنے مسلک کو " جمهور " اور " اجماع " کے لفظ سے تعبیر کر دیتے هیں - اسمیں کسی کا مطلب کچهه هوتا هے کسي کا کچهه - صاحب هدایه وغیره کے نزدیک عدم وجوب قرأة فاتحه خلف امام اور

افضلیت اسفار جمہور کا قول ہے - بعضوں نے اجماع تک کہدیا - لیکن شوافع و محدثین کہتے ہیں کہ قرأۃ فاتحہ ہی جمہور کا مذہب ہے اور اسی پر جماہیر علماء کا اتفاق ہے - اِنہی حافظ نواوی کی (جو اشتراط قرشیۃ کو جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں) شرح مسلم دیکھہ لی جاے - کس طرح شافعیہ کا ہر مذہب اُنکے نزدیک "جمہور" کا مذہب ہے ' اور مخالف کا ہر قول شاذ - شافعیہ اور حنفیہ کی خلافیات میں تقریباً دو تہائی مسائل تو ضرور ایسے ہونگے جنکی نسبت ہرجگہ شرح مسلم میں پاؤگے : " ھذا مذھب الشافعی و الجماھیر ' و خالف فیہ ابو حنیفہ " یعنی امام شافعی اور جمہور کا مذہب یہی ہے مگر امام ابو حنیفہ نے اس سے خلاف کیا - اگر ہمارے علماء احناف حافظ نواوی کی ان تمام جمہوریات و اجماعیات کو تسلیم کرلینے کیلیے طیار ہیں ' تو خیر' اشتراط قرشیۃ کا ایک اجماع اور سہی - لیکن یاد رہے کہ یہ وہی بات ہوگی :

گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد !

ثانیا ' ہمارا خیال ہے کہ یہ بات بھی اور بے شمار باتوں کی طرح وقت کے سیاسی اثرات کا نتیجہ تھی - یہ ظاہر ہے کہ معاملۂ خلافت ابتدا سے سخت کشمکش و تزاحم میں رہا - جو خاندان قابض ہوا ' اسکو رقیبوں اور دعویداروں کی طرف سے ہمیشہ کھٹکا لگا رہا - پس جبکہ خلافت اہل عرب کے ہاتھہ میں تھی ' تو وہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ عجمیوں کے ولولوں کی اس بارے میں جرأت افزائی کی جاے ؟ اور عرب میں سے بھی جب خاص خاندان قریش میں تھی جو ہر طرح سیادۃ و بزرگی رکھتا تھا ' تو وہ کیونکر پسند کرسکتے تھے کہ غیر قرشی خلافت کا وجود تسلیم کرکے غیر قرشیوں کو ہمتیں دلائی جائیں اور مادی طاقت کے ساتھہ شریعت کی حمایت کا سہارا بھی اُنہیں حاصل ہوجاے ؟ بخاری کی روایت میں پڑھچکے ہو کہ امیر معاویہ نے قحطانی پادشاہ کے ظہور کی روایت سنی تو کس درجہ مضطرب اور غضب ناک ہوے ؟ اور کسطرح فوراً قریش والی روایت کا اعلان کردیا تاکہ پہلے ہی سے سد باب ہوجاے ؟ جن علماء کے اقوال پر متاخرین فقہاء و متکلمین کا اعتماد ہے ' وہ سب کے سب وہی ہیں جنکا ظہور آخر عہد عباسیہ میں ہوا ہے جب قرشی خلافت قائم تھی - مثلاً قاضی عیاض و امام نواوی و غیرھم - پس وقت کی حکومت کا جو پولیٹکل اثر سب پر پڑ رہا تھا ' وہ بھی یہی تھا کہ خلافت کو حکمران خاندان کی قوم اور

خاندان سے مخصوص سمجھا جاے اور تمام ایسي باتوں میں جس میں اجتہاد راے کو دخل ہو' فکر و قیاس کا میلان قدرتي طور پر اُسي جانب ہو جاے - علی الخصوص جبکہ اسکے لیے کسي غلط بیاني یا تحریف احکام کي ضرورت نہ تھي - واقعي احادیث موجود تھیں - صرف مفہوم کي تعیین میں اجتہاد کو کام کرنا تھا - اس مسئلہ پر موقوف نہیں' وقت کے پولیٹکل اثرات بے شمار چیزوں میں اندر ھي اندر کام کرچکے ھیں' اور آج اُنکا پتہ لگانا بہت دشوار ھوگیا ھے - ساتویں صدي ھجری میں جب خلافت بغداد کا خاتمہ ھوگیا' تو آھستہ آھستہ اس اثر سے افکار خالی ھونے لگے' اور بتدریج بحث و نظر کي صورت دوسری ھوگئي - حافظ عسقلاني اور قاضي عیني جو آٹھویں صدي میں یا نوویں کے اوائل میں بخاری کي شرح لکھہ رھے ھیں' اُنکے مباحث پڑھو تو قاضي عیاض اور نوواي سے اُنکا رنگ مختلف نظر آئیگا -

قاضي عیني بخاري کي حدیث معاویہ " ما اقاموا الدین " کي شرح میں لکھتے ھیں " اي مدة اقامتهم امور الدین - قیل یحتمل ان یکون مفهومه فاذا لم یقیموه لا یسمع لهم " یعني یہ جو حدیث میں ھے کہ " جب تک دین قائم رکھینگے " تو اسکا یہ مطلب بھي ھوسکتا ھے کہ جب وہ وقت آجاے کہ قریش اقامت دین نہ کریں تو اُنکي بات نہیں سني جائیگي - حافظ عسقلاني گو اشتراط قرشیة سے صاف صاف انکار نہیں کرتے - لیکن طرز بحث و نظر کے اضطراب و ضعف نے خود بخود مسئلہ کا مخالف پہلو قوي کردیا ھے اور بہ یک نظر واضح ھوجاتا ھے کہ وہ اس بارے میں کوئي مضبوط راے نہیں رکھتے اور اگر مائل ھیں تو انکار کي طرف - اشتراط قرشیة کے مویدین کے جس قدر دلائل ھیں' اُن میں سے کوئي دلیل ایسي نہیں جس پر اُنھوں نے سنگین اعتراضات نہ کیے ھوں اور وہ مجروح ھوکر نہ رھگئي ھو - جو صاحب مزید بصیرت حاصل کرني چاھیں' فتح الباري جلد ۳ - کتاب الاحکام کے ابواب " الامراء من قریش " اور " السمع و الطاعة للامام " ملاحظہ فرمائیں -

غرضکہ جہاں تک تمام احادیث و دلائل پر نظر ڈالي جاتي ھے' اشتراط قرشیة کیلیے کوئي نص موجود نہیں' اگرچہ بصورت اشتراط بھي موجودہ مسئلۂ خلافت پر کوئي اثر نہیں پڑ سکتا - موجودہ مسئلہ انتخاب امام کا نہیں ھے - امام قائم و نافذ کي امامت و اطاعت کا ھے -

باب

خـــلافـــة آل عثمـــان

(چند لمحـــات تاریخیـــه)

اب بہتر ہوگا کہ تھوڑی دیرکیلیے ہم آگے بڑھنے سے رک جائیں ' اور گذشتہ تیرہ صدیوں کی طرف مڑ کے دیکھیں کہ خلافت اسلامیہ کے مختلف دوروں کا کیا حال رہا ہے ؟

" الخلافة بعدي ثلاثون سنة " (میرے بعد خلافة خاصة ۳۰ برس تک رهیگی) کی خبر کے مطابق خلفاء راشدین کا دور ۳۰ - برس تک رہا - سنہ ۱۱ - هجری سے شروع هوا اور ٹھیک سنة ۴۱ - تک باقی رہا - اسی سنہ سے بنو امیہ کی خلافت کا دور شروع هوتا ہے اور سنہ ۴۱ - ھ سے سنة ۱۳۲ - ھ تک قائم رہتا ہے - اسکے بعد خلافت نے ایک نیا ورق اُلٹا ' اور خاندان عباسیہ کا سلسلہ شروع هوا - خلافت کا سب سے بڑا سلسلہ یہی ہے جو سنہ ۱۳۲ - سے ۶۵۲ - ھ تک قائم رہا - چونکہ کامل پانچ صدیوں تک حکمرانی ایک هی گھرانے میں رهی' اسلیے وہ تمام ذهنی و جسمانی اور اجتمـــاعی و مدنی فسادات کمال درجہ تک پیدا هوگئے ' جو همیشہ امتداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمی نتائج رہے هیں - قریش کی نسبت فرمایا تھا " ما اقاموا الدین " جب تک وہ دین قائم رکھینگے ' حکومت انہی میں رهیگی - سو اب ٹھیک وہ وقت آگیا تھا - قریش و عرب میں دین قائم رکھنے کی صلاحیت مفقود هوگئی تھی - قیـــام دین کا کام دوسری قومیں اور طاقتیں انجـــام دے رهی تھیں - پس وهی هوا جو تاریخ عالم کے هر ایسے دور میں هوتا آیا ہے - سنہ ۶۵۶ - میں هلاکو خان تاتاری نے بغداد پر حملـــہ کیا اور آخری خلیفۂ عباسی المستعصم

باللہ کے خون نے بہکر ہمیشہ کیلیے عربي و قرشي حکومت کے خاتمہ کا اعلان کردیا - مستعصم کا قتل فی الحقیقت عربي خلافت کا قتل تھا : (۱)

و ما کان قیس هلکہ هلك واحد
و لکنہ بنیان قوم تهدما !

یہ سب کچھہ هوچکا ' مگر ابھي پیشین گوئي کي ایک آخري سطر باقي تھي - یعني " ما بقی منهم اثنان " قریش سے حکومت نکل جائیگي - پر نکل جانے پر بھي آنکي عظمت رفتہ کا یہ اثر باقي رهیگا کہ اگر دو قرشي بھي کسي گوشہ میں نکل آئینگے تو لوگ خلافت کا آنھي کو مستحق مانینگے - بغداد میں قرشي خلافت مٹي ' لیکن مٹتے مٹتے بھي ایک آخري نقش چھوڑ گئی - وہ بغداد کي خون آلود خاک سے آکھڑا اور تین سو برس تک کیلیے مصر میں جاکر جم گیا - البتہ یہ جماؤ قرشي حکومت کا جماؤ نہ تھا - محض اس کے نقش قدم کا تھا :

گو کہ هم صفحۂ هستي پہ تھے اک حرف غلط
لیکن اٹھے بھي تو اک نقش بٹھا کے اٹھے !

---

(۱) فتنۂ تاتار کا ظہور مسلمانوں کیلیے وهي معاملہ تھا جو بني اسرائیل کے لیے بخت نصر کے ظہور میں تھا - ثم بعثنا علیکم عباداً لنا اولي باس شدید - فجاسوا خلال الدیار - و کان وعداً مفعولا (۱۷ : ۹) بحکم " یأتي علی امتي ما اتي علی بني اسرائیل حذو النعل بالنعل " (صحیحین) اس آمت پر بھي وہ سب کچھہ گذرنے والا ھے جو بني اسرائیل پر گزرچکا - بني اسرائیل پر غفلت و ضلالت کے دو سب سے بڑے دور آئے - اس لیے دو ھي مرتبہ عام بربادي بھي چھائي اور آنکي تعذیب کیلیے دو جابر و قاهر قومیں مسلط هوئیں : و قضینا الی بني اسرائیل في الکتاب لتفسدن في الارض مرتین و لتعلن علواً کبیرا (۱۷ : ۵) پہلي بربادي بخت نصر کے هاتھوں هوئي : عباداً لنا اولي باس شدید - اور دوسري تیتس قیصر روم کے هاتھوں - معلوم هوتا ھے کہ اسي طرح اس امت پر بھي طغیان و عصیان کے دو بڑے وقت آنے والے تھے' اور آنکے نتائج دو معذب قوموں کي شکل میں ظاهر هوے - قوم تاتار اور اقوام یورپ - بني اسرائیل کی پہلي بربادي خود ایشیاء ھي کي ایک قوم کے هاتھوں هوئي - یعني اهل بابل کے هاتھوں - اور دوسري کا ظہور یورپ سے هوا - یعني روم سے - ٹھیک اسي طرح آس امت کیلیے بھي پہلا فتنہ ایشیاء کا تھا ' دوسرا یورپ کا - پہلا هوچکا - دوسرا هو رها ھے -

عباسي خاندان کے دو چار آدمي بغداد کے قتل عام سے بچکر نکل گئے تھے - اُنھي ميں مستعصم کا چچا احمد بن ظاهر عباسي بھي تھا - وہ سنہ ۶۶۰ ميں مصر پہنچا - وهاں ايوبي خاندان کے مماليک کي حکومت قائم تھي اور ملک ظاهر بيبرس حکمراں تھا - اُسکو احمد کے خاندان کا حال معلوم هوا تو منصب خلافت کا حقدار تسليم کر ليا اور اُس کے هاتھہ پر بيعت کرلي -

احمد بن ظاهر نے المستنصر بالله کا لقب اختيار کيا اور بيبرس کي معيت و اعانت حاصل کرکے کوشش کي کہ دار الخلافة بغداد کو تاتاريوں کے تسلط سے نجات دلاے - ليکن کاميابي نهوئي اور لڑائي ميں شهيد هوا -

اب پھر وہ وقت آگيا تھا کہ قريش سے خلافت کا انتساب بالکل معدوم هو جاے ' ليکن " ما بقي منهم اثنان " کي پيشين گوئي آخر تک اپنے عجائب دکھلانے والي تھي - قتل عام بغداد سے ايک اور عباسي شهزادہ ابو العباس احمد بن علي بچکر نکل گيا تھا اور حلب ميں مخفي تھا - اُس کا حال بيبرس کو معلوم هوا تو بڑے اعزاز و اکرام سے مصر لايا اور اس کے هاتھہ پر بيعت کرلي - حاکم بامر الله کے لقب سے وہ مشهور هوا - اسي کي نسل ميں مصر کي عباسي خلافت ۲۹۱ برس تک قائم رهي - يعني سنہ ۶۶۰ ھ سے سنہ ۹۲۳ هجري تک -

اس عرصہ ميں عالم اسلامي دو صديوں تک طرح طرح کے انقلابات وحوادث سے تہہ و بالا هوکر بالاخر ايک نئے دور ميں منتقل هوچکا تھا - عثماني ترکوں کي حکومت قسطنطنيہ ميں قائم هوکر يورپ و ايشيا کے اندر هر طرف پھيل رهي تھي - سنہ ۹۲۳ ھ (۱۵۱۷ - مسيحي) ميں سلطان سليم خاں اول نے مصر و شام پر قبضہ کيا ' اور آخري عباسي خليفہ المتوکل نے اُسکے هاتھہ پر بيعت کرکے تمام حقوق و امتيازات خلافت سپرد کرديے - حقوق خلافت کے علاوہ جو چيزيں اس سلسلہ ميں سلطان سليم کو دي گئيں ' اُن ميں سب سے بڑي چيز مقامات مقدسہ و حرمين کي کنجياں تھيں ' اور بعض آثار نبويہ - مثلاً آنحضرة صلي الله عليہ و سلم کي تلوار - جھنڈا - ايک چادر - يہ آثار اسوقت تک قسطنطنيہ ميں بطور سند خلافت کے موجود هيں - اسي تاريخ سے عثماني سلاطين نماياں طور پر " خليفہ " کے لقب سے دنيا ميں مشهور هوے ' اور حجاز اور مصر و شام کے منبروں پر اُنکا ذکر بہ حيثيت امير المومنين کے هونے لگا - حج کي امارت بھي اُنھي کے قبضہ ميں آگئي جو شرعاً خلافت کے اهم ترين فرائض ميں سے هے -

سلسلۂ خلافت کی یہ ایک مجمل تاریخ ہے - بالفرض خلیفۂ متوکل عباسی نے سلطان سلیم کے ہاتھہ پر بیعت نہ کی ہوتی ' جب بھی آیندہ پیش آنے والے واقعات کا قدرتی نتیجہ یہی تھا کہ تمام عالم اسلامی کی خلافت کا منصب عثمانی سلاطین ہی کے قبضہ میں آجاے - وقت کی جو اسلامی سلطنت سب سے بڑی اور سب سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی ہو ' وہی شرعاً خلافت کا منصب رکھہ سکتی ہے - گذشتہ چار صدیوں کے اندر اسلامی حکومتوں کے انقلابات کا جو حال رہا ہے ' اُنکو دیکھتے ہوے کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حق بجز اس سلطنت کے اور کسی سلطنت کو ملسکتا تھا ؟ خود ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کی حکومت قائم تھی - وہ ہندوستان کے اندر اپنے ہی کو امام سمجھتے تھے ' لیکن عالم اسلامی کی خلافت عظمیٰ کا دعویٰ کبھی اُنکے وہم و خیال میں بھی نہیں گزرا ' اور اگر گزرتا تو دنیا ماننے کیلیے طیار نہ تھی - ابتدا سے لیکر آخر تک مقام خلافت کی جو اہم و مشترک خصوصیات رہی ہیں اور جنکو تمام دنیا کے مسلمانوں نے عملاً بطور اسناد خلافت کے تسلیم کرلیا ہے ' وہ خلفاء عباسیہ کے بعد صرف عثمانی سلاطین ہی کو حاصل ہوئیں - کوئی دوسری اسلامی حکومت اس عام اقتدار و اختیارات کے ساتھہ قائم نہ ہوسکی -

فصل

(خلافت و امامت سلاطین عثمانیہ)

اس عارضی وقفہ کے بعد اب ہم پھر آگے بڑھتے ہیں - سلطان سلیم خان اول کے عہد سے لیکر آجتک بلا نزاع سلاطین عثمانیۂ ترک تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام ہیں - ان چار صدیوں کے اندر ایک مدعی خلافت بھی اُنکے مقابلہ میں نہیں اُٹھا - بنو امیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں بے شمار رقیبوں اور دعویداروں کی کشمکش نظر آتی ہے ' لیکن سلاطین عثمانیہ کی خلافت کی پوری تاریخ میں کسی ایک مدعی خلافت کا نام بھی ڈھونڈھکر نہیں نکالا جا سکتا - حکومت کے دعویدار سیکڑوں اُٹھے ہوں ' مگر اسلام کی مرکزی خلافت کا دعویٰ کوئی نہ کرسکا -

صدیوں سے اسلام و بلاد اسلام کي حفاظت کي تلوار صرف اُنہی کے ہاتھوں میں ہے - صدیوں سے صرف اُنہي کا سینہ اسلام کي راہ میں زخمي ہے ، صرف اُنہي کی لاشیں اسلام کیلیے خاک و خون میں تڑپتي هیں ، اور صرف اُنہي کی ذمہ داري پر تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں نے اسلام کي مرکزي حفاظت کا کارو بار چھوڑ رکھا ہے - دنیا کے خواہ کسي گوشے میں کوئي مسلمان هو ، اگر وہ بہ حیثیت ایک مسلمان کے اسلام کا چوتھا رکن حج ادا کرنے کیلیے نکلتا ہے ، تو عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر اسکو عثماني امامت کي دیني ریاست قبول کرنی پڑتي ہے اور حج کا فریضہ عثماني خلیفہ هي کے بھیجے ہوے نائب کے ماتحت انجام دیتا ہے - شریف حسین نے غیر مسلم محاربین کا ساتھہ دیکر اگر بغاوت کي اور حجاز کو قسطنطنیہ کے اقتدار حکومت سے الگ کرلیا ، تو یہ فساد و عدوان کي ایک عارضي حالت ہے جو شرعاً معتبر نہیں - حجاز حکماً اب بھي خلیفۂ قسطنطنیہ کي حکومت هي کا ایک جزء ہے - اور تمام مسلمانان عالم کا شرعاً فرض ہے کہ حرمین کو باغیوں کے تصرف سے نکالنے کي کوشش کریں ، اور اسوقت تک کرتے رهیں جب تک بغاوت اور باغیوں کا بالکل استیصال نہو جاے - اگر ایسا نہ کرینگے تو ہر مسلمان اسکے لیے عند اللہ جوابدہ هوگا -

تمام کرۂ ارضي کے مسلمان آرام و عیش کے دن بسر کرنے اور فارغ البالي کے بستر پر سونے کیلیے هیں ، لیکن صرف وهي ایک هیں جو سارے مسلمانوں کي عزت و زندگي کے بچاؤ کیلیے صدیوں سے تلواروں کے سایے تلے زندگي کے دن کاٹ رہے هیں ، اور چاروں طرف سے دشمنوں کي زد میں هیں - کامل پانچ صدیوں سے یورپ اور ایشیا کا سب سے بڑا رقبہ انکے خون سے رنگین هو رها ہے - ایک چوتھائي صدي بھي آجتک ایسي نہیں گزري کہ دشمنوں کي تلواروں نے اُنہیں مہلت دي هو - اُنکا جرم اسکے سوا کچھہ نہیں کہ جب اسلام کا محافظ دنیا میں کوئي نہ رہا - ساري تلواریں ٹوٹ گئیں - سارے بازو شل هوگئے - تو پانچ صدیوں سے وہ کیوں اسلام کے بچاؤ کیلیے باقي هیں ؟ اور کیوں وہ وقت آنے نہیں دیتے جب اسلام کي پولیٹکل طاقت کا بالکل خاتمہ هو جاے ؟

بدوستي تو خصمند عالمے با من
هزار دشمن و یک دوست مشکل اُفتادہ است !

پس تیرہ سو برس کے متفقہ عقیدہ و عمل کے مطابق رهي آج تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام اور " اولو الامر" هیں - اُنکي اطاعت و حمایت الله اور اُسکے رسول کي اطاعت و حمایت ھے - اُنسے پھرنا اور انکو اپنے جان و مال سے مدد نہ دینا ' الله اور اُسکے رسول سے پھرنا ھے اور الله اور اسکے رسول کو اپني جان و مال کي طرف سے صاف جواب دیدینا ھے - جو اُنکي اطاعت سے باهر هوا ' اگرچہ صرف بالشت بھر باهر هوا هو ' اور اسي حالت میں مرگیا ' اُسکی موت اسلامي زندگی کي موت نہوگي - جاهلیة کي موت هوگي - اگرچہ نماز پڑھتا هو ' اگرجہ روزہ رکھتا هو ' اگرچہ اپنے زعم باطل میں اپنے تئیں مسلمان سمجھتا هو - جس نے اُنکے مقابلہ میں تلوار اُٹھائي ' وہ مسلمانوں میں سے نہیں اگرچہ دنیا اُسکو مسلمانوں میں سے سمجھتی هو - الله اور الله کے رسول کی شہادت ' اُسکي شریعت کي اَن گنت اور بے شمار دلیلیں ' ایک هزار تین سو برس سے مانا هوا اسلام کا حکم و عقیدہ ' اسلام کي سیکڑوں نسلوں اور لا تعداد گھرانوں کا تعامل و اجماع ' اور سورج کي کرنوں کي طرح یقیني اور قطعي حقیقت ' یہي بتلا رهي ھے اور هر مسلمان کے دل پر نقش ھے - ایک مسلمان کیلیے (بشرطیکہ وہ ساري باتوں سے مقدم اپنے اسلامي تعلق کو سمجھتا هو ' اور دنیا سے ایک مومن اعتقاد و عمل ساتھہ لے جانا چاهتا هو) اس میں کسي طرح کے شک و شبہ کي گنجایش نہیں - جاهل سے لیکر عالم تک ' مزدور سے لیکر نظام دکن تک ' کوئي نہیں جس کا دل اس اعتقاد سے خالي هو - زندگي کا عشق اور نفس کي پرستش جس انسان سے چوري کرالیتي ھے ' ڈاکے ڈلواتي ھے ' قتل کراتي ھے ' اُس انسان سے کیا بعید ھے کہ آج کسي طمع یا خوف سے عثماني خلافت کا انکار کردے ' یا عثماني خلیفہ کي اطاعت و حمایت کے نام سے کانوں پر هاتھہ دھرنے لگے ؟ دنیا کي پوری تاریخ انساني کمزوریوں کي درد انگیز مثالوں سے لبریز ھے - پس یہ کوئي عجیب واقعہ نہ هوگا اگر آج چند نئي مثالوں کا مزید اضافہ هوجاے - لیکن حقیقت هر حال میں حقیقت ھے - اُس سے انکار کیا جا سکتا ھے لیکن اُس کو چھپایا نہیں جاسکتا - اُس سے اغماض کیا جاسکتا ھے ' لیکن اُس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا - اُس سے آنکھیں بند کرلي جاسکتي هیں لیکن اُس کي زبان بند نہیں کي جا سکتي !

هم یہاں قصداً ترکوں کي سیاسي و تمدني کارگزاریوں کي بحث نہیں چھیڑینگے - هم کو معلوم ھے کہ مسلمانوں کي تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں هي کی جماعت وہ بد قسمت جماعت ھے، جسکے لیے کوئي یوروپین دماغ منصف نہیں هوسکتا - یورپ کا پچھلا مورخ هو، خواہ موجودہ عہد کا مدبر، وہ گذشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کی مدح و توصیف کرسکتا ھے جو اب موجود نہیں هیں، لیکن اُن ترکوں کي نہیں کرسکتا، جنکي تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل و جگر میں پیوست هونے کیلیے چمکتي رهي هیں - وہ خلافت بنو امیہ کي ایک بہتر تاریخ لکھہ سکتا ھے - عباسیہ کے دور علم و تمدن کي مدحت سرائي کرسکتا ھے - صلاح الدین ایوبي تک کو ایک بت کي طرح پوج لے سکتا ھے - لیکن وہ اُن ترکوں کیلیے کیونکر انصاف کرسکتا ھے جو نہ تو عرب پر قانع هوے، نہ ایران و عراق پر - نہ شام و فلسطین کي حکومت اُنکو خوش کرسکي، نہ وسط ایشیا کي، بلکہ تمام مشرق سے بے پروا هوکر یورپ کي طرف بڑھے، اسکے عین قلب (قسطنطنیہ) کو مسخر کرلیا، اور اُسکي اندروني آبادیوں تک میں سمندر کي موجوں کي طرح در آے - حتی کہ دار الحکومت اسٹریا کي دیواریں اُنکے جولان قدم کي ترکتازیوں سے بارہا گرتے گرتے بچ گئیں !

ترکوں کا یہ وہ جرم ھے جو یورپ کبھي معاف نہیں کرسکتا - مسلمانوں کا کوئي موجودہ حکمراں خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں انکا شریک نہیں ھے - اسلیے هر حکمراں مسلمان اچھا تھا جو یورپ کي طرف متوجہ نہوسکا، مگر هر ترک وحشي و خونخوار ھے - اسلیے کہ یورپ کا طلسم سطوت اُسکي شمشیر بے پناہ سے ٹوٹ گیا -

ترکوں نے پانچ صدیوں تک جس آزادي و فیاضي کے ساتھہ حکومت کي ھے، اُسکا ثبوت اس سے بڑھکر کیا هوسکتا ھے کہ چار صدیوں کي متصل حکمراني کے بعد بھی محکوم عیسائیوں کی مذهبی و قومی عصبیت ویسی هي زندہ و توانا رهی، جیسي کسي متعصب سے متعصب مسیحی حکومت کے ماتحت رهسکتي تھي - حتی کہ وہ ترکوں کی کمزوری کے ساتھہ هی آزاد و خود مختار هوگئے، اور آج ایک حریف و مقابل کي طرح لڑ رهے هیں -

هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کے پورے تسلط کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں هوے - اتنے هي عرصہ کی حکومت نے قومي عظمت

و عصبیۃ کے جذبات ان لوگوں کے دلوں سے ابھی کھینچ لیے ہیں جنکے آباؤ اجداد ساٹھہ ستر برس پہلے اسی سرزمین میں حکمراں تھے - صرف یہی ایک چیز یورپ کے طرز حکومت ' اور ترکوں کے طرز حکومت کا فرق واضح کر دینے کیلیے کافی ہے !

ترکوں کے وہم و خیال میں بھی ظلم و خونخواری کی وہ ہیبت ناک صورتیں اور قومی تعصب و نفرت کی وہ وحشت ناک ہلاکیاں نہیں آسکتیں ' جو یورپ کے تمدن و تہذیب کا مغرور بت عین انیسویں اور بیسویں صدی کے سورج کی روشنی میں ایشیاؤ افریقہ کے اندر کر چکا ہے - ان دو صدیوں کے اندر جنگل کے درندے آرام کی نیند سوے ' اور سانپوں کو انکی غاروں سے باہر نہیں نکالا گیا ' لیکن ایشیاؤ افریقہ میں یورپ کے ہاتھوں زمین کا ایک ٹکرہ بھی ایسا نہ بچ سکا جسکو وہانکی بد بخت مخلوق اپنی زمین کہہ سکے ' اور جہاں ایک مالک و مختار کی طرح امن و عزت کی زندگی بسر کرسکے !

خود اسی آخری جنگ میں یورپ کے ہر درندے نے دوسرے درندے کو جس طرح پھاڑا ' اور ہر سفید بھیڑیے نے دوسرے سفید بھیڑیے پر جس طرح پنجہ مارا ' نہ صرف ترکوں کی تاریخ میں بلکہ تمام ایشیا کی خونریزیوں کی مجموعی تاریخ میں اسکی کوئی مثال نہیں ملسکتی -

با ایں ہمہ ترک خونخوار اور وحشی ہیں ' اور یورپ تہذیب و تمدن اور امن و رحم کا پیغمبر ہے ! علی الخصوص برطانیہ کے مقدس جزیرہ میں تو جس قدر فرشتے بستے ہیں ' وہ صرف انسانی آزادی کی حفـــاظت اور چھوٹی قوموں کی حمایت ہی کیلیے آسمان سے اتارے گئے ہیں !

یہ کرۂ ارضی کی تاریخ میں حق و باطل کا سب سے بڑا مقابلـــہ ہے - آج اسکی فتح و شکست کا اصلی فیصلہ نہیں ہوسکتا - زمین فوجوں کے بوجھہ سے دبی ہوئی ہے - فضاء ہوائی جہازوں کی قطـــاروں سے بھری ہوئی - اسکا فیصلہ کل ہوگا جب خدا کا دائمی قانون نتائج و عواقب کی زبان میں حقیقت کا اعلان کریگا ' اور مورخ کا قلم لکھے گا کہ یہ طاقت اور گھمنڈ کا سب سے بڑا چیلنج تھا جو سچائی کو دیا جاسکتا ہے - تا ہم سچائی ہی سب سے بڑی طاقت ہے - اور بالاخر فیصلہ اسی کا فیصلہ ہے - سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ' و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳ : ۲۲)

بہر حال ہماری صحبت سے یہ موضوع باہر ہے - ترکوں کی حکمرانی جیسی کچھہ بھی رہی ہو - ہر ترک سلطان حجاج بن یوسف اور خالد قسری جیسے اشرار بنو امیہ سے بھی بدتر کیوں نہ رہا ہو (۱) لیکن مسلمانوں کو اپنے مسلمان حاکموں کی اطاعت کا ہر حال میں حکم دیا گیا ہے - اور اُنکا از روے شرع یہی عقیدہ ہے کہ وہ خلیفۂ اسلام ہیں - اسمیں کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق نہیں :

---

(۱) آج ترکوں کی وحشت و تمدن کا فیصلہ علم و تحقیق کے ہاتھہ میں نہیں ہے - حریف حکومتوں کے اُن مغرور وزراء کے قبضہ میں ہے جو میدان جنگ سے واپس آکر اپنے ایک جانگی دشمن کی قسمت کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں - پس امید نہیں کہ ڈریپر (Draper) جیسے زمانہ حال کے مورخوں کی شہادت اس بارے میں سنی جاے - یہ امریکن مصنف اپنی مشہور کتاب History of The Couflict Between Religiuon And Seince میں لکھتا ہے کہ انصاف وعدالت اور مذہبی بے تعصبی میں اپنے عہد کی تمام عیسائی دنیا پر ترکوں کو وہی فوقیت رہی ہے جو چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کو تنزل یافتہ بیزنطائن پر حاصل تھی - ایڈورڈ کریسی نے تاریخ روم میں ترکوں کو تہذیب و تمدن اور علمی ایجادات و اختراعات کے لحاظ سے پندرھویں اور سولھویں صدی کے تمام یورپ میں سب سے برتر قوم تسلیم کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ انسائیکلو پیڈیا کے قسم کی کتابیں لکھنے کا ترکوں ھی کی تقلید سے یورپ میں رواج ہوا - یورپ کی زبانوں میں سب سے پہلی انسائیکلو پیڈیا ڈالائمبرٹ (Dalambcrt) نے لکھی - لیکن اُسکو ایک ترک مصنف کلبی بے کی قاموس العلوم ھی کے مطالعہ سے رہنمائی ملی تھی - کمسریٹ ' رسد رسانی ' اور فوجی شفا خانوں کا با قاعدہ انتظام ' ترکوں ھی سے یورپ نے سیکھا - قلعہ کی تعمیرات میں تمام یورپ ترکوں کا شاگرد ہے - فوجی باجا تمام یورپ نے ترکوں سے حاصل کیا - چیچک کے ٹیکہ کا اصلی موجد ایک ترک تھا - یہ ڈریپر ' کریسی ' کدگتم ' کلفرڈ ' وغیرہ مورخوں کی تحقیق ہے جنھوں نے اپنے کتب خانوں میں بیٹھکر ترکوں کے اعمال پر نظر ڈالی تھی - قدرتی طور پر مسٹر ایسکویتھہ اور مسٹر لائڈ جارج کی راے اس سے مختلف ہونی چاہیے جو ابھی گیلی پولی اور عمارہ میں ترکوں کی تلوار کا کاری زخم کھا کر نکلے ہیں ' اور کتب خانوں کی جگھہ نظارت خانوں کے اندر فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں !

نمي دانم ز منع گریه مطلب چیست ناصح را ؟
دل از من ، دیده از من ، آستین از من ، کنار از من !

(مسلمانان ہند اور خلافت سلاطین عثمانیہ)

جب تک بغداد کی خلافت باقی رہی ، ہندوستان کے تمام حکمران خاندان اسی کے زیر اثر اور فرمانبردار رہے - عباسیۂ بغداد کی خلافت جب مٹ گئی ، اور سنہ ٦٦٠ ھ میں مصر کی عباسی خلافت کا سلسلہ شروع ہوا ، تو اگرچہ یہ عباسیہ ، کے کاروان رفتہ کا محض ایک نمود غبار تھا ، تاہم تمام سلاطین ہند اسکی حلقہ بگوشی و غلامی کو اپنے لیے موجب فخر و امتیاز سمجھتے رہے ، اور مرکزی خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا کہ اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوادینے کیلیے مقام خلافت سے پروانۂ نیابت حاصل کرتے رہیں - سلطان محمد بن تغلق شاہ کے غرور حکومت کا یہ حال تھا کہ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی اسکو " ہمت فرعونی و نمرودی " سے تعبیر کرنا چاہتا ہے - تاہم اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ غرور جو وہ کرسکا ، یہی تھا کہ اپنے تئیں خلیفۂ مصر کا سب سے بڑا فرمانبردار غلام اور چاکر ظاہر کرے ، اور رعایا کو یقین دلائے کہ دلا اسکے حکم کے میں تم پر حکومت نہیں کرتا - تاریخ برنی میں ہے :

" امیر المومنین خلیفہ را بندہ ترین ہمہ بندگان بود ، و بے امر و بے فرمان او دست در امور اولو الامری نہ زد " (مطبوعہ ایشیاٹک سوسیٹی - صفحہ - ٤٦٠)

برنی نے سلطان فیروز شاہ کے فضائل و سوانح کیلیے گیارہ مقدمے ترتیب دیے ہیں - ان میں نواں مقدمہ یہ ہے :

" مقدمہ نہم در آنکہ دو کرت از حضرت امیر المؤمنین خلعت اولو الامری و منشور اذن و لواء شاہی بر سلطان عصر فیروز شاہ رسیدہ ، و بادشاہی و اولو الامری خداوند عالم بدان استحکام گرفتہ "

پھر اسی مقدمہ میں لکھتا ہے :

" در مدت شش سال دو کرت از امیر المومنین منشور اولو الامری و خلعت شاهي و لواء سلطنت بدو رسید ' و حق جل و علی پادشاه دین پرور ما را در عزت داشت منشور و خلعت و فرستادگان توفیق بخشید ' و شرائط حرمت مراحم امیر المؤمنین بالغاً ما بلغ بجا آورد ' و هم چنین دانست که منشور و خلعت امیر المؤمنین از آسمان منزل شده ' و از درگاه مصطفی صلعم رسیده - عرضداشتے با تحفه و هدایاء در نهایت تواضع بندگی امیر المؤمنین روان کرد " الخ (صفحه - ۵۹۸)

یعني سلطان فیروز شاہ کے فضائل و مفاخر میں سے ایک بڑي بات یہ سمجھي گئي کہ خلیفۂ مصر نے اجازت حکومت کا پروانہ اور لواء و خلعت بھیجا ' اور پادشاہ کو اسکي اطاعت و حرمت کي توفیق ملي - فیروز شاہ نے اس بات کي اس درجہ قدر کي - گویا آسمان سے یہ عزت نازل ہوئي ہے ' اور خود بارگاہ حضرت محمد الرسول اللہ صلعم سے اسکو قبولیت کی سند ملگئي ہے !

شمس الدین سراج عفیف نے تاریخ فیروز شاهي میں یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے لکھا ہے - جب خلیفہ کے سفراء شہر کے قریب پہنچے تو فیروز شاہ خود استقبال کیلیے پیدل نکلا - فرمان خلافت کو دونوں ہاتھوں میں لے لیا - پھر بوسہ دیکر سر پر رکھا ' اور اسی طرح سر پر دھرے ہوے دربار حکومت تک واپس آیا -

غور کرو ! مقام خلافت کي عظمت و جبروت کا اثر کس درجہ عالمگیر رہا ہے ؟ خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھي خلافت کی صرف براے نام نسبت اسدرجہ ہیبت و جبروت رکھتي تھی کہ ہندوستان جیسے بعید گوشہ میں ایک عظیم الشان فرمان رواے اقلیم ' اذن و اجازت حاصل ہوجانے پر فخر کرتا ہے - اور مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اسطرح چھائی ہوئی ہے کہ وہاں کا فرمان آسمانی فرمان ' اور وہاں کا حکم بارگاہ نبوت کا حکم سمجھا جاتا ہے !

مغلیہ سلطنت خلفاء مصر کے آخري عہد میں قائم ہوئی - ہندوستان میں بابر شاہ کي قسمت آزمائیوں کا زمانہ تھا جب سلطان سلیم خاں کے ہاتھہ پر خلیفۂ متوکل عباسی نے بیعت کی اور حجاز و شام میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعلان ہوا - شاہان مغلیہ اگرچہ ہندوستان میں خود اپنے ہی کو

امام سمجھتے تھے ' اور باعتبار حکومت کے یہ حق آنہیں حاصل بھي تھا - تا ھم عام اسلامي خلافت کا انھوں نے کبھي دعوا نہ کیا - ھمیشہ عرب و شام کے مسلمہ خلفــاء ھي کو خلیفــہ تسلیم کرتے رھے - شہنشاہ اکبر اور شاھجہاں بھي اگر حج کیلیے جاتے ' تو آنکو قسطنطنیــہ کے خلیفــہ ھي کي امارت میں حج ادا کرنا پڑتا - میدان عرفات میں وہ خود خطیب نہ ھوتے - قسطنطنیہ کا نائب السلطان خطبہ دیتا - وہ کھڑے ھوکر اُسي طرح سنتے' جس طرح ایک عام مسلمان آنکے بغل میں کھڑا سن رھا ھوتا - شرعاً و عقلاً تسلیم خلافت کیلیے اس سے زیادہ آور کونسي بات ھوسکتي ھے ؟

بعض یوروپین اخبارات کے مشرقي نامہ نگاروں نے بار بار یہ خیال ظاھر کیا ھے کہ ترکي حــکومت سے باھر ترکي خــلافت کا اعتقــاد زیادہ تر سلطان عبد الحمیــد خاں مرحوم کي سعي سے پیدا ھوا ' اور آنکا مقصود اس سے یہ تھا کہ نام نہاد " پان اسلامزم " تحریک کو تمام مسلمانان عــالم میں پھیلایا جاے - یہاں ھم یورپ کے متخیلــۂ و متوھمــہ " پان اسلامزم " کي حقیقت سے بحث کرنا نہیں چاھتے - " پان اسلامزم " سے اگر مقصود مسلمانوں کي بلا امتیاز وطن و قومیت باھمي برادري ھے ' تو اسکي تاریخ سلطان عبد الحمید کے زمانے سے نہیں بلکہ نزول قران و ظہور اسلام سے شروع ھوتي ھے - لیکن عثماني خلافت کے عالمگیر اسلامي اعتقاد کو سلطان عبد الحمیــد سے منسوب کرنا ایک ایسي بات ھے جو یا تو حد درجہ جہل کا نتیجــہ ھے یا حد درجہ دروغ گوئي کا - اور ھم نہیں جانتے کہ دونوں میں سے کس چیز کو محققین یورپ کیلیے پسند کریں ؟ سنہ ۹۲۳ھ میں جب بعہد سلطان سلیم خاں سلاطین عثمانیہ خلیفۃ المسلمین تسلیم کیے گئے ' تو اسوقت عالم اسلامي کا یہ حال تھا کہ ایران میں سلاطین صفویہ کي حکومت تھي ' ھندوستان میں مغلیہ کي ' اندرون یمن میں آئمۂ زیدیہ کي ' اور اندرون عرب میں خود مختار قبائل اور بعض شیوخ کي - پس جہاں جہاں اسلامي حکومتیں موجود تھیں ' وھاں کے مسلمانوں کي اطاعت و انقیاد کا محل و مرکز خود مقامي اسلامي حکومت ھوگئي تھي' اور احکام شرعیہ کے نفاذ و اجراء کیلیے بھي وہ کسي بیروني حکومت کے محتاج نہ تھے - اس بنا پر ظاھر ھے کہ ان ممالک میں مرکزي خلافت کا تعلق کسي نمایاں شکل میں یکایک ظاھر نہیں ھوسکتا تھا - سلطنت کے رقیبانہ جذبات بھي اپني انتہائي حالت میں سب پر چھاے ھوے تھے -

صدیوں پہلے سے تفرقۂ و انتشار کی عالمگیر مصیبت تمام عالم اسلامی کو ٹکرے ٹکرے کرچکی تھی - لیکن ان ممـــالک کے علاوہ جہاں کہیں بھی مسلمان آباد تھے اور اپنی مقامی اسلامی حکومت نہیں رکھتے تھے ' وہ اگرچہ ترکی حکومت سے کتنے ھی دور دراز گوشوں میں واقع ہوں ' لیکن عثمانی سلاطین ھی کو اسلام کی مرکزی خلافت عظمیٰ پر قابض و متصرف تسلیم کرتے تھے ' اور اسی لیے جمعۂ و عیدین کے خطبوں میں انکے لیے خاص طور پر دعا مانگنا اپنا فرض سمجھتے تھے - خود ھندوستان کے قرب و جوار اور بحر چین کے جزائر میں مسلمانوں کا ایک ایک فرد خلیفۂ قسطنطنیہ کی اس حیثیت دینی کا پورا پورا اعتقاد رکھتا تھا -

جزائر سیلون ھندوستان ھي کا ایک بحری گوشہ ھے - سنہ ۱۱۷۵ھ (سنہ ۱۷۶۱ع) میں دکن کے ایک مشہور عالم سید قمرالدین اورنگ آبادی حج سے واپسی میں کولمبو پہنچے اور وھاں کی سیر کی - میر غلام علی آزاد بلگرامی اُنکے معاصر ھیں - اپنی کتاب سبحۃ المرجان میں اُنکی زبانی نقل کرتے ھیں کہ ساحلی مقامات میں ڈچوں کی حکومت ھے - اندرونی جزائر میں ھندو راجہ ھے - کولمبو میں مسلمانوں کے دو محلے ھیں - جمعہ کی نماز تین مرتبہ سید موصوف نے وھاں پڑھی - خطبہ میں امام نے پادشاہ ھند اور سلطان روم کیلیے دعا مانگی تھی " لکونہ خادما للحرمین الشریفین " یعنی اسلیے کہ وہ خادم حرمین ھیں - (سبحۃ المرجان مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۳)

یہ اب سے ڈیڑہ سو برس پیشتر کا واقعہ ھے - سیلون کے جزیروں میں اگر مسلمان ایک غیر مسلم حاکم کے ماتحت رھکر شاہ ھند کا ذکر کرتے تھے ' تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی - ھندوستان بالکل انسے متصل تھا - لیکن قسطنطنیہ کے سلطان کیلیے دعا مانگنا جو بحر ھند سے اسقدر بعید فاصلہ پر واقع ھے ' کیا معنی رکھتا ھے ؟ کیا اسکے سوا کوئی معنی ھوسکتے ھیں کہ تمام عالم اسلامی میں وھی خلیفۃ المسلمین ھے ' اور اسلیے گو اور بھی بہت سی اسلامی حکومتیں موجود ھوں ' مگر ھر گوشۂ عالم کے مسلمانوں کے دلی تعلق و اطاعت کا اصلی مرکز صرف وھی ھوسکتا ھے ؟

صاحب تحفۃ العالم چین کوچک کے ایک سیاح سے اپنی ملاقات کا حال لکھتے ھیں جس نے عجیب عجیب جزیروں اور وھاں کے رسم و رواج کا مشاہدہ کیا تھا - " چین کوچک " سے مقصود بحر چین کے جزائر سماترا '

ملایا، جاوا، وغیرہ ہیں - سیاح مذکور کہتا ہے کہ اکثر جزائر میں مسلمان آباد ہیں اور مسجدیں معمور ہیں - جمعہ کے خطبوں میں سلطان روم کیلیے دعا مانگتے ہیں اور وہاں کے حالات سے اچھي طرح باخبر ہیں - یہ واقعہ بھی بارھویں صدي ہجري کے اوائل کا ہے -

باقی رہا یہ خیال کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا اعتقاد حال کی پیداوار ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں - یہ ظاہر ہے کہ جب تک خود ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم تھی، کسی بیرونی اسلامی حکومت سے مسلمانوں کو بلا واسطہ تعلق رکھنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی - البتہ سلطنت مغلیہ کے انقراض کے بعد وہ مجبور ہوگئے کہ بلا واسطہ خلافت قسطنطنیہ سے اپنا رشتۂ انقیاد و عقیدت قائم کرلیں - تا ہم اسلام کي مرکزي خلافت پر سلاطین عثمانیہ کا قابض ہونا ایک ایسي مسلم و معروف بات ہے جو ہمیشہ علماء ہند کے علم و اعتقاد میں رہي ہے - حضرۃ شاہ ولی اللہ کا سال وفات سنہ ۱۱۷۴ - ہجري ہے - اُنکا زمانہ احمد شاہ ابدالي کي آمد و رفت کا زمانہ تھا اور ہندوستان میں اسلامي حکومت ابھي قائم تھي - انھوں نے تفہیمات الاھیہ میں دو جگہ سلاطین روم کا ذکر کیا ہے - ایک جگہ لکھتے ہیں :

" از زمان سلطان سلیم خان کہ در اوائل سنہ الف بود، اکثر بلاد عرب و مصر و شام تحت تصرف سلاطین روم اند، و خدمت حرمین الشریفین زادہما اللہ شرفاً وکرامۃ، و امارت موسم، و ریاست حجاج، و اہتمام محامل و قوافل بر ایشان استقرار یافت، و بہ ہمین جہت بر منابر عرب و شام خصوصاً حرمین شریفین ہر یکے از ایشان بہ لقب امیر المومنین مذکور ست "

یمن میں اگرچہ آئمۂ زیدیہ سلاطین عثمانیہ کے رقیب و حریف تھے، اور انھوں نے اندرون ملک میں کبھي اُنکي حکومت جمنے نہ دي - با این ہمہ گیارھویں سے تیرھویں صدي تک کے علماء یمن کي مصنفات کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، اُن سے پوشیدہ نہیں کہ اکثروں نے سلاطین عثمانیہ کي مرکزي حیثیت تسلیم کي ہے جس کے معني بجز خلافت اسلامیہ کے اور کچھہ نہیں ہوسکتے - علامۂ صالح مقبلي صاحب العلم الشامخ المتوفی سنہ ۱۰۴۷، علامۂ فلاني صاحب ایقاظ الہمم، شیخ عبد الخالق زبیدي صاحب صفوۃ الاخبار وغیرہم اپني کتابوں میں جا بجا ترکي گورنروں کے جبر و ستم کي شکایتیں

کرتے ہیں ' مگر ساتھہ ہي سلاطین عثمانیہ کا ذکر ایسے پیرایہ میں کرتے ہیں جس سے اُنکی اسلامی خلافت و امامت کا مسلمہ ہونا ثابت ہوتا ھے - مثلاً سلطان کو مخاطب کرکے یہ کہنا کہ جو شخص آج روے زمین پر تمام مسلمانوں کا خلیفۂ و امام کہلاے ' اس کے گورنر اس طرح رعایا کے ساتھہ سلوک کریں ؟ جسکے صاف معنی یہي ہیں کہ سلاطین عثمانیہ تمام مسلمانان عالم کے خلیفۂ و امام تسلیم کیے جاتے تھے -

یہ موقعہ مزید اطناب و تفصیل کا نہیں ھے - سلاطین عثمانیہ کی خلافت کا زمانہ ہزار صدي کے بعد شروع ہوتا ھے - پس اگر اسکا ذکر ملسکتا ھے تو پچھلی تین صدیوں کي مصنفات میں - چونکہ ان عہدوں کی تصنیفات عام طور پر علماء ہند کے مطالعہ میں نہیں آئي ہیں' اسلیے مسئلہ کے تاریخي شواہد سے عموماً لوگ بے خبر ہیں - تلاش کیا جاے تو ایک بڑا ذخیرہ فراہم ہو جا سکتا ھے -

خود یوروپین حکومتیں علی الخصوص برٹش گورنمنٹ سلطان عثمانی کي اس دینی حیثیت کا ہمیشہ اقرار کرتي آئي ھے ' اور جب کبھی ضرورت ہوئي ھے' قسطنطنیہ کی طاقت سے بہ حیثیت خلیفۂ اسلام کے کام لیا گیا ھے - غدر سنہ ۵۷ کے موقعہ پر سلطان عبد المجید سے جو فرمان مسلمانان ہند کے نام حاصل کیا گیا تھا اور جسمیں انکو انگریزي حکومت کے ساتھہ بہتر سلوک کرنے کی ہدایت کي تھي ' اُسکی بنا بھي یہی تھی کہ سلطان قسطنطنیہ کو بہ حیثیت خلیفۂ اسلام مسلمانان ہند کی ارشاد و ہدایت کا حق حاصل ھے - کوئین وکٹوریا کے عہد میں بارہا حج اور حاجیوں کي مشکلات کا سوال گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے اُتھایا گیا ' اور پھر امپیریل گورنمنٹ نے باب عالي کو اس احتجاج کے ساتھہ توجہ دلائي کہ بہ حیثیت خلیفۂ اسلام ہونے کے حجاج کی تکالیف دور کرنا اُنکا مذہبی فرض ھے - فرانس اور روس کي جانب سے بھی سلطان عبد الحمید خان کے زمانے میں معتدد مرتبہ ایسے اظہارات و اعترافات ہو چکے ہیں -

فصل

(قرون متوسطۂ و اخیرہ میں مرکزی حکمرانی)

ہم نے جا بجا " اسلام کی مرکزی حکمرانی " اور " خلافت عظمی " کا لفظ استعمال کیا ہے - تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام کا محور و اساس مسئلۂ " توحید " ہے - " توحید " کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہونا - صرف اللہ کی ذات و صفات ہی میں یہ حقیقت محدود نہ تھی جیسا کہ بد قسمتی سے لوگوں نے سمجھہ رکھا ہے ' بلکہ عقائد و اعمال کی ہر شاخ اور ہر شکل میں اسلام کا اصل الاصول توحید ہی ہے - وہ مسلمانوں کی تمام اُن باتوں میں جو فرد و اجتماع سے تعلق رکھتی ہیں ' ایک کامل توحیدی حالت پیدا کردینی چاہتا ہے - جس طرح خدا کی ذات کی طرح اُس کی خلقت اور قوانین خلقت میں بھی ہر چیز پر اور ہر جگہ یگانگی و یک عملی اور وحدت و واحدیۃ کار فرما ہے - ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت - فارجع البصر ' ہل تری من فطور ؟ (ملک)

اس بنا پر اسلام نے جس طرح مسلمانوں کی ساری باتیں ایک قرار دی تھیں - اُنکی شریعت ' اُنکا قانون ' اُنکی کتاب ' اُنکا نام ' اُنکی زبان ' اُنکی قومیت ' اُنکا قبلہ ' اُنکا کعبہ ' اُنکا مرکز اجتماع ' مرکز ارض ' اُسی طرح اُنکی حکومت بھی ایک ہی قرار دی تھی - یعنی تمام روے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانرواء و خلیفہ ہو - لیکن جہاں ساری باتوں میں انحراف اور تفرقۂ و انتشار ہوا ' وہاں یہ بات بھی جاتی رہی - خلفاء راشدین کے بعد صرف بنو امیہ کے ابتدائی عہد تک وحدۃ حکومت نظر آتی ہے - اُسکے بعد کوئی زمانہ ایسا نہ آیا جب تمام عالم اسلامی کی حکومت کسی ایک طاقت میں جمع رہی ہو - مختلف گوشوں میں مختلف دعویدار اُٹھے' اور جسکا قدم جہاں جم گیا ' خود مختارانہ فرمانروائی کرنے لگا -

با ایں ہمہ ایک خاص مرکزی اقتدار ہر زمانے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور مورخ کی بصیرۃ محسوس کرلیتی ہے کہ اس تفرقۂ و انتشار کی عام سطح میں ایک مرکزی قوت اُبھری ہوئی ہے - اسلامی حکومتیں ہر

گوشۂ عالم میں قائم ہوگئی تھیں ' مگر ہمیشہ ایک خاص مقام ایسا ضرور رہا جہاں کی حکمرانی دنیا کی تمام اسلامی حکمرانیوں میں ایک مرکزی اقتدار کی حیثیت رکھتی تھی - دوسرے مقامات کے فرمانروا اپنے دائرۂ حکومت سے باہر کوئی اثر نہیں رکھتے تھے' لیکن وہاں کا حکمراں تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک خاص کشش و دعوۃ اپنے اندر رکھتا تھا - یہ بلاد شام و عراق اور عرب و حجاز کی حکومت تھی - عرب اسلام کا اصلی سر چشمہ و مبدء ہے - حجاز اسلامی قومیت کا دائمی مرکز اور اسلام کے رکن حج کا کارگاہ ہے - شریعت نے عرب ہی کو یہ شرعی خصوصیت دی ہے کہ ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے اثر سے محفوظ رکھی جاے - شریعت کے اس حکم کی تعمیل بغیر حکومت کے ممکن نہیں - جو حکومت اس پر قابض ہوگی ' وہی اس شرعی حکم کی تعمیل و نفاذ کی ذمہ دار اور اقامۂ حج کی بھی کفیل ہوگی - پس قدرتی طور پر یہ بات ہوئی کہ یہاں کی حکومت کو تمام اسلامی حکومتوں میں مرکزی اقتدار اور تمام مسلمانان عالم کے قلوب کیلیے ایک انجذابی اثر حاصل ہوجاے - اسلام کے ازمنۂ متوسطۂ و اخیرہ میں یہی مرکزی اقتدار خلافت عظمی کا قائم مقام تھا - خلافت بغداد کے مٹنے کے بعد بھی ان مقامات کی حکومت خلفاء مصر ہی کے قبضہ میں رہی -

" مرکزی حکومت " سے مقصود یہی مرکزی اقتدار ہے - خلفاء مصر کے بعد جب سلاطین عثمانیہ تمام بلاد عرب و حجاز اور مصر و شام پر قابض ہوگئے تو اسلامی خلافت عظمی کا مرکزی اقتدار بلا نزاع انہی کو حاصل ہوگیا - یہی وجہ ہے کہ ہزار صدی کے بعد سے تیرھویں صدی کے اوائل تک اگرچہ بڑی بڑی اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم رہیں ' لیکن خلافت عظمی کے اعتقاد کے ساتھ جب کبھی کسی مسلمان کی نظر اُٹھتی تو وہ صرف قسطنطنیہ ہی کی طرف دیکھہ سکتا تھا -

(ترکان عثمانی اور عالم اسلامی)

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس پوری تاریخ سے قطع نظر کر لیں - صرف اس اعتبار سے مسئلہ پر ایک آخری نظر ڈالیں کہ احکام شرعیہ کی بنا پر سلاطین

عثمانیه کے اعمال خلافت کا کیا حال رہا ہے ؟ بحث کا یہ سب سے زیادہ قطعی اور سب سے زیادہ سہل فیصلہ ہوگا -

اسلام نے خلیفہ کے نصب و تقرر کے خاص مقاصد قرار دیے ہیں - پچھلی پانچ صدیوں کے اندر متعدد اسلامی حکومتیں دنیا میں موجود تھیں اور بعض ابتک موجود ہیں - قوم و جماعت کے اعتبار سے متعدد مسلمان قوموں میں حکومت رہی اور بعض حکمراں قومیں اب بھی باقی ہیں - سوال یہ ہے کہ ان تمام حکمراں جماعتوں میں کونسی حکومت ایسی ہے جسنے شریعت کے ٹھہرائے ہوے مقاصد خلافت انجام دیے ؟ اور جو غرض شرعی خلیفہ کے قیام اور بحکم " الذین ان مکنا ھم فی الارض " الخ تمکین فی الارض سے تھی ' وہ انکے ہاتھوں پوری ہوئی ؟ جس حکومت اور جس حکمراں قوم نے ایسا کیا ہو ' صرف وہی حکومت اور قوم تمام مسلمانان عالم کی خلافت و امامت کا دعوا کر سکتی ہے -

اس اہم سوال کا فیصلہ چند سطروں میں ہو جا سکتا ہے - " خلافت اسلامیہ " کا مقصد شرعی پچھلی صحبتوں میں صاف ہوچکا ہے - سب سے پہلا مقصد اس کا یہ ہے کہ ایک ایسی طاقتور حکومت قائم ہو جو دشمنوں کے حملوں سے اسلامی ممالک اور مسلمانوں کی حفاظت کرسکے - اسلام و ملت کے دشمنوں کا استیصال و انسداد ہو - کلمۂ حق دنیا میں بلند اور دور دور تک جاری و نافذ ہو جائے - کلمۂ کفر و فساد کو خسران و ناکامی نصیب ہو - یہی مقصد پہلا مقصد ہے - باقی سب فروع و توابع ہیں -

یہی وجہ ہے کہ تمام کتب عقائد و اصول میں خلافت کی تعریف کرتے ہوے " اقامة الدین باقامة ارکان الاسلام ' و القیام بالجہاد ' و حفظ حدود الاسلام ' و ما یتعلق بہ من ترتیب الجیوش و الفرض للمقاتلہ " کے جملے سب سے پہلے ملتے ہیں - یعنی وہ مسلمانوں کی ایسی حکومت ہے جو ارکان اسلام کو قائم رکھے ' جہاد کا سلسلہ و نظام درست کرے ' اسلامی ملکوں کو دشمنوں کے حملوں سے بچائے ' اور ان کاموں کیلیے فوجی قوت کی ترتیب اور لڑائی کا سامان وغیرہ جو کچھہ مطلوب ہو ' اسکا انتظام کرے - مختصر یہ کہ اسلام کا خلیفہ وہ حکمراں ہوسکتا ہے جو اسلام و ملت کیلیے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دیسکے - ساری باتیں ان دو لفظوں میں آ گئیں -

اب فیصلہ کرلو کہ گذشتہ چار صدیوں کے اندر کس حکومت اور کس قوم نے دفاع و جہاد کی خدمت انجام دی ہے ؟

اسلام کا جب ظہور ہوا ' تو دشمنوں کی پہلی جماعت قریش مکہ کی جماعت تھی - انکے مٹ جانے کے بعد اس پوری تیرہ صدیوں میں صرف عیسائی قومیں ہی مسلمانوں کی دائمی حریف رہی ہیں - دوسری غیر مسلم قوموں میں سے کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا داعیہ ہو - ایران کی مجوسی قوت کا ابتدا ہی میں خاتمہ ہوگیا تھا - یہودیوں کی کوئی پولیٹکل قوت نہ تھی - ہندوستان کے ہندوؤں اور بدھ مذہب کے پیروؤں نے ہندوستان سے نکل کر کبھی مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا اور نہ ان میں کوئی داعیانہ قوت تھی - چین کے تاتاری اٹھے اور بلا شبہ سب سے بڑی ہلاکت کا باعث ہوے لیکن بالاخر خود اسلام کے محکوم ہوگئے - یعنے ایک صدی کے اندر ہی اندر مسلمان ہوگئے -

پس تمام روے زمین پر بجز مسیحی اقوام کے اور کوئی حملہ آور حریف اسلام کا نہ تھا - نہ ہے - مشرقی عیسائیوں کی قوت ابتدا ہی میں شکست ہوگئی تھی - صرف یورپ کی حکومتیں اور قومیں تھیں جنکو خواہ مسیحیت کے نام سے موسوم کرو خواہ یورپ کے نام سے - یہی آخری چار صدیاں ہیں جن میں بتدریج یورپ کی طاقت ترقی کرتی گئی ' اور اسکی ترقی کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام کی پولیٹکل طاقت کو روز افزوں تنزل ہوا -

تمام کرۂ ارضی کے مسلمانوں میں سے کونسی قوم ہے جس نے ان چار صدیوں کے اندر یورپ کا مقابلہ کیا ہے ' اور دفاع و جہاد جاری رکھکر اسلام اور مسلمانوں کی اس کے سب سے بڑے حریف کے مقابلے میں حفاظت کی ہے ؟ سولھویں صدی عیسوی ہی میں یورپ کی ان تمام طاقتوں نے جو مشرقی ممالک کے دروازوں سے قریب تھیں ' بتدریج قدم بڑھانا شروع کردیا تھا - اگر کوئی طاقتور اور مقاوم روک موجود نہ ہوتی تو ابسے دو صدی پیشتر ہی تمام وسط ایشیا ' شام ' عرب ' اور اسلامی افریقہ یورپ کے استیلاء سے پامال ہوچکا تھا -

پھر وہ کونسی نا قابل تسخیر فوجی قوت تھی جس نے پہلے تو اپنے پے درپے حملوں سے تمام یورپ کو اس طرح پامال کردیا کہ پوری دو صدیوں تک سنبھلنے اور قدم اٹھانے کی مہلت ہی نہ دی ' اور پھر تمام ایشیا و

بلاد اسلامی کے عین دروازہ پر مغربی مدافعت کی ایک آهنی دیوار قائم کردی ' اور اس طرح حکم جہاد کے دونوں فرض بہ یک وقت تن تنہا انجام دیے - هجوم بهي - اور دفاع بهي ؟

کیا هندوستان کی سلطنت مغلیہ نے جس نے اپني پوري تاریخ میں ایک بار بهی هندوستان سے قدم باهر نہ نکالا ؟ اور جسکی تلوار پانچ صدیوں کے اندر ایک مرتبہ بهی کسی حریف ملت کے خون سے رنگین نہ هوئی ؟ عین اکبر اعظم کے زمانے میں هندوستان کے حاجیوں کو پرتگالیوں اور ڈچوں کے جرگے ساحل هند کے سامنے لوٹ رهے تهے اور وہ آنکے انسداد سے عاجز تها !

کیا ایران کے سلاطین نے ' جنکے عقبی حملوں نے همیشہ سلاطین عثمانیہ کو مجبور کیا کہ یورپ کا فتح مندانہ اقدام ترک کرکے ایشیاء کي طرف متوجہ هوجائیں - جسکی وجہ سے یکایک یورپ کو ترکی تلواروں سے مہلت ملگئی اور تمام وسط یورپ فتح هوتے هوتے رهگیا ؟

کیا یمن کے خود مختار قبائل اور عرب آئمہ نے ' جنکو اسلام کے اس سب سے بڑے حریف کا شاید حال بهي معلوم نہ تها ؟

هر انسان جو دو اور دو کو صرف چار هي کہنا چاهتا هو ' اسکا اقرار کریگا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کي کوئي حکومت اور قوم نہیں هے جس نے قرون اخیرہ میں حفظ اسلام و ملت کي یہ خدمت انجام دي هو - اور جو فرض تمام مسلمانان عالم کے ذمے عائد هوتا تها ' اُسکو سب کي طرف سے تن تنہا اُٹھا لیا هو ؟

حقیقت یہ هے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیـــم الشان کارنامہ هے جسکي نظیر قرون اولی کے بعد مسلمانوں کی کسي حکمراں قوم کي تاریخ پیش نہیں کرسکتي - صرف صلاح الدین ایوبي کی دعوۃ اس سے مستثنی هے جس نے تمام یورپ کے متحدہ مسیحي جہاد کو شکست دي - تاهم وہ بهي ایک محدود زمانے کا دفاع تها - مسلسل تین چار صدیوں تـک صرف ترکوں هي کي اسلامي مدافعت قائم رهي هے - ان پوري چار صدیوں میں تمام روے زمین کے مسلمان اپنے سب سے بڑے قومي فرض سے غافل رهے - کسي قوم نے ایک زخم بهي اس مقدس راہ میں نہیں کهایا - کسي پادشاہ نے ایک قدم بهي اسکے لیے نہیں اُٹھایا - صرف تن تنہا ترک هي دنیا بهر کے

مسلمانوں کی جانب سے یہ پورا کام انجام دیتے رہے - انہوں نے تمام مسلمانان عالم کو عیش و راحت کے بستروں پر چھوڑ دیا - خود اپنے لیے خاک و خون کی دائمی زندگی پسند کی - اِن قرون اخیرہ میں اگر ترکوں کی جانفروش و سر باز جماعت تن تنہا اس فرض کو نہ سنبھال لیتی ' تو نہیں معلوم آج جغرافیۂ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا ؟ اور جو مصیبت اسوقت درپیش ہے ' وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اسکے معاوضہ میں مسلمانان عالم اپنا سب کچھہ اُن پر سے قربان کردیں ' جب بھی اُنکے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتے - اگر گذشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے پادشاہتیں کی ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت ' اور اگر آج پادشاہتیں کھوکر بھی کچھہ نہ کچھہ عزت کی پونجی اپنے ساتھہ رکھتے ہیں تو صرف اُنہی کی بدولت - مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو ' چین میں ہو یا افریقہ کے بعید گوشوں میں ' لیکن صدیوں سے اُسکی قومی زندگی ' قومی عزت ' قومی عیش و آرام ' اور وہ سب کچھہ جو ایک قوم کیلیے ہے اور ہوسکتا ہے ' صرف ترکوں ہی کے طفیل ہے اور اُنہی کا بخشا ہوا -

یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہوا کہ ترکوں کی مدد کریں - لیکن ترکوں کیلیے یہ کچھہ ضروری نہیں کہ وہ ہندوستان یا افریقہ میں بانٹنے کیلیے روپیہ بھیجتے رہیں - وہ چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جسکے تصور سے بھی ہم مسلمانان ہند کے دل کانپ اُٹھتے اور جسکے وہم ہی سے ہم پر موت طاری ہوجاتی ہے - یعنے اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کررہے ہیں - اس سے بڑھکر اور کونسا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کیلیے کیا جاسکتا ہے ؟ اور اسکے بعد کیا رہگیا جسکی طلب اور سوال ہو ؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں ' لیکن نماز کے قیام کی راہ میں اُنسے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا - بہت ممکن ہے کہ عرب اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے انسے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو ' لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس " سے زخم صرف اُنہی کے سینے کھا رہے ہیں - اگر اللہ کی شریعت حق ہے ' اگر قرآن و سنت کا فیصلہ باطل نہیں ' تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد و زاہد

مسلمانوں سے جنکے دلوں میں کبھی جہاد فی سبیل اللہ کا خطرہ بھی نہیں گذرتا ' ترکوں کا ایک گناھگار و معصیت آلود فرد بھی اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضلیت و محبوبیت رکھتا ھے - ھماری مدۃ العمر کی عبادتیں بھی آنکے سینے کے ایک خونچکاں زخم اور اس سے بہنے والے ایک قطرۂ خون کی عظمت نہیں پاسکتیں - حدیث ھے کہ " حرس لیلۃ فی سبیل اللہ افضل من الف لیلۃ یقـــام لیلها و یصام نهارها " (۱) جہاد فی سبیل اللہ کی ایک رات ھزار دنوں کے روزوں اور ھزار راتوں کی عبادت سے بھی افضل ھے !
حضرت عبد اللہ بن مبارک نے حضرۃ فضیل بن عیـــاض کو ایک مرتبہ یہ اشعار لکھکر بھیجے تھے :

یا عـــابد الحـــرمین لو ابصرتنـــا * لعلمت انک فی العبادۃ تلعب !
من کان یخضب خدہ بـدموعـہ * فنحـــورنا بدمـائنـــا تتخضب !
ریح العبیر لکـــم ' و نحن عبیـــرنا * رھج السنابک والغبار الا طیب (۲)

جو مسلمان یورپ کے مسیحی و سیاسی اثر سے متاثر ھوکر ترکوں پر اعتراض کیا کرتے ھیں' آنکو چاھیے کہ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں کہ صدیوں سے آنکی منافقانہ غفلت و اعراض کا کیا حال رھا ھے ؟ علی الخصوص ھندوستان کے مسلمانوں کو (جو تعداد میں ھر جگہ کے مسلمانوں سے زیادہ ھیں) غور کرنا چاھیے کہ جس اولین فرض دینی کیلیے ترک چار سو برس

---

(۱) اخرجه الامام احمد عن مصعب بن زبیر -

(۲) حافظ ابن عساکر نے امام موصوف کے ترجمہ میں یہ اشعار نقل کیے ھیں - امام موصوف ایک سال- درس حدیث دیتے ' ایک سال تجارت کرتے ' ایک سال جہاد میں شرکت فرماتے - حضرۃ فضیل آس عہد کے مشہـــور عباد و زھاد میں سے ھیں - حاصل ان اشعار کا یہ ھے " اے حرمین کے گوشہ نشین عابد ! اگر تو نے ھمارا حال دیکھا ھوتا تو معلوم کر لیتا کہ جس زھد و عبادت میں مشغول رھتا ھے وہ تو ایک طرح کا کھیل ھے - جو شخص اپنے رخسار آنسوؤں سے (عبادت میں) تر کرتا ھے ' آسے معلوم ھونا چاھیے کہ ھماری عبادت وہ ھے جسمیں رخسار آنسوؤں سے نہیں بلکہ گردنیں خون سے رنگین ھوا کرتی ھیں " ! حضرۃ فضیل نے جب یہ اشعار پڑھے تو آنکی آنکھیں اشکبـــار ھوگئیں اور فرمایا " صدق ابو عبد الرحمن " عبد اللہ بن مبارک نے سچ کہا !

سے اپنا خون بہا رہے ہیں ' انہوں نے اسکے لیے کیا کیا ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کبھی کبھار چند لاکھہ سکے ترک زخمیوں کی مرہم پٹی کیلیے بھیجدیے جو ایک ترک بیوہ کی مصیبت اور ایک ترک یتیم کے آنسوؤں کی قیمت بھی نہیں ہوسکتے ؟ کیا ایسے لوگوں کو جو اپنی راتیں فارغ البالی کے بستروں پر اور دن آرام و بےفکری کی چھتوں کے نیچے بسر کرتے ہوں، یہ حق پہنچتا ہے کہ اُن لوگوں پر زبان طعن کھولیں جو چار سو برس سے اپنی لاشیں خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں ؟

بہر حال منصب خلافت کا پہلا مقصد قیام دفاع و جہاد ہے - وہ پچھلی چار صدیوں میں بجز ترکوں کے اور کسی اسلامی حکومت نے انجام نہیں دیا - پس اگر اور دلائل و شواہد نہ ہوتے ' جب بھی صرف یہی ایک بات سلاطین عثمانیہ کی خلافت و امامت کیلیے کفایت کرتی تھی -

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ یہ تمام مبحث اس سوال سے تعلق رکھتا تھا کہ گذشتہ صدیوں میں متعدد اسلامی حکومتوں کے رہتے ہوے سلاطین عثمانیہ ہی کیوں خلافت عظمی کے حقدار تسلیم کیے گیے ؟ لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ تمام اسلامی حکومتیں مٹ چکی ہیں ' مسلمانان عالم کیلیے بجز سلطان عثمانی کے کسی دوسری خلافت کا وجود ہی نہیں رہا -
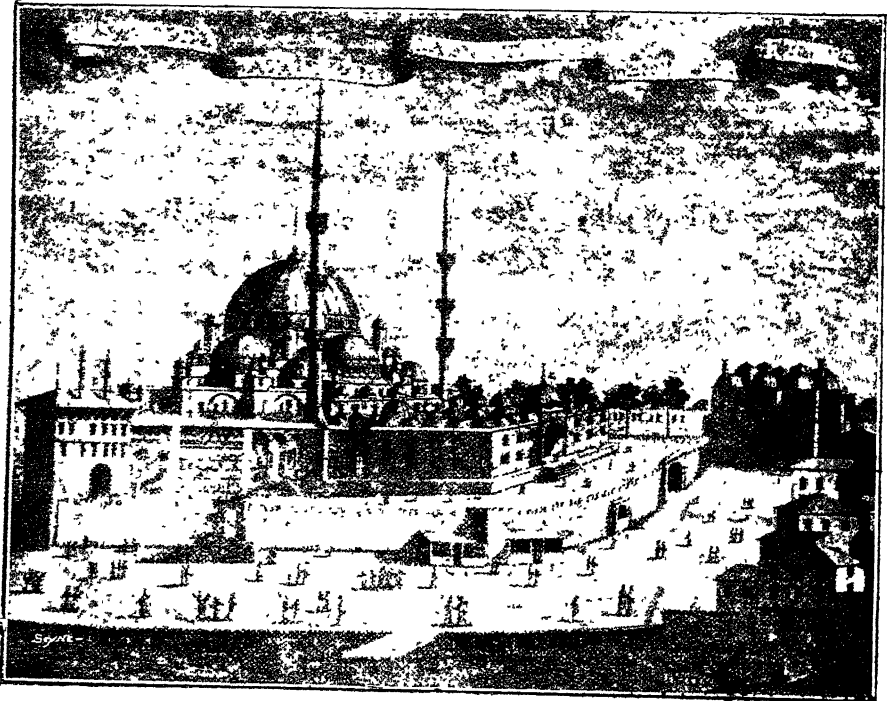
ایڈریا نوپل کی جامع سلیم کا بیرونی منظر!

باب

(فریضۂ عظیمۂ دفاع)

فصل

(حقیقت حکم دفاع)

اسلام کے شرعي واجبات و فرائض میں ایک نہایت اهم اور اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کردینے والا فرض " دفاع " ہے -

تشریح اسکي یہ ہے کہ جب کبھي کسي مسلمان حکومت یا کسي مسلمان آبادي پرکوئي غیر مسلم گروہ حملہ کرے ' تو یکے بعد دیگرے تمام دنیا کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہوجاتا ہے کہ دفاع (ڈیفنس - Difence) کیلیے اُٹھ کھڑے ہوں' اس حکومت اور آبادي کو غیر مسلم قبضہ سے لڑکر بچائیں ' اگر فوري قبضہ ہوگیا ہے تو اس سے نجات دلائیں ' اور اس کام کیلیے اپني ساري قوتیں اور ہر طرح کي ممکن کوششیں وقف کردیں - اس بارے میں قرآن و حدیث کے احکام اس کثرت سے موجود ہیں ' اور اسلامي فرائض میں یہ اسدرجہ مشہور فرض ہے ' کہ شاید ہي دنیا میں کوئي مسلمان اس سے ناواقف نکلے - یہي باهمي مددگاري و یاوري اور دفاع اعداء کا قانون ہے جس پر اسلام نے شریعت و امت کي حفاظت کي ساري بنیادیں استوار کي ہیں - لڑائي لڑنے کي نسبت سب سے پہلي آیۃ جو نازل ہوئی وہ سورۂ حج میں ہے :

ان اللہ یدافع عن الذین آمنوا ' ان اللہ لا یحب کل خوان کفور' اُذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا' و ان اللہ علی نصرهم لقدیر' الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ - (۲۲ : ۴۲)

اللہ تعالی مومنوں پر سے اُنکے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے - وہ اُن لوگوں کا ساتھي نہیں جو اُسکي بخشي ہوئي طاقت کے امانت دار نہیں ہیں ' اور شکر گزاری کي جگہہ کفران نعمت میں سرشار ہیں - جن مسلمانوں سے کافر لڑ رہے ہیں ' اب اُن مسلمانوں کو بھي کافروں سے لڑنے کی اجازت دي جاتي

ھے کیونکہ اُن پر ظلم ھورھا ھے ' اور اللہ مظلوموں کی مدد پر قادر ھے - یہ وہ لوگ ھیں کہ بلا کسي حق کے اپني آبادیوں سے نکال دیے گئے - انکا کوئي قصور نہ تھا - صرف یہ کہ اپنے پروردگار کے ماننے والے ھیں - (۱)

لیکن بعض مفسرین نے سورۂ بقرہ کی حسب ذیل آیت کو اذن قتال کا پہلا حکم قرار دیا ھے :

و قاتلوا في سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ' و لا تعتدوا - ان اللہ لا یحب المعتدین - و اقتلوھم حیث ثقفتموھم ' و أخرجوھم من حیث أخرجوکم - والفتنۃ اشد من القتل - (۲ : ۱۸۷)	اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو مسلمانوں سے لڑائي لڑ رھے ھیں - مگر زیادتي نہ کرو - اللہ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا - اور ایسا کرو کہ جہاں کہیں بھی وہ جمے ھوے ملیں ' قتل کردو - اور جہاں کہیں سے انہوں نے مسلمانوں کو نکالا ھے ' تم بھي نکال باھر کرو - ایسا کرنا اگرچہ خونریزي ھے ' مگر خونریزی کي برائي سے بھي بڑھکر ظلم و فساد کي برائي ھے -

امام ابن جریر نے ابو العالیہ کا قول نقل کیا ھے کہ جنگ کي نسبت یہي پہلي آیت ھے جو نازل ھوئي " انھا اول آیت نزلت في القتال بالمدینۃ فلما نزلت کان رسول اللہ صلعم یقاتل من قاتلہ و یکف عمن کف عنہ ' حتی نزلت سورۃ براۃ " پس اذن قتال کي پہلي آیت یا سورۂ حج کي ھے یا بقرہ کي -

ان دونوں آیتوں اور انکي ھم مطلب آیات میں قران حکیم نے حکم قتال کے اُس حصہ کو صاف صاف مسلمانوں پر فرض کردیا ھے جسکا مقصد دفاع (ڈیفنس) ھے (۲) - یعنی جب کبھي غیر مسلموں کي کوئي جماعت

---

(۱) روي الحاکم من حدیث الاعمش عن ابن عباس - قال : لما خرج رسول اللہ صلعم من مکۃ قال ابو بکر " اخرجوا نبیھم - انا للہ و انا الیہ راجعون - لیھلکن " فانزل اللہ اذن للذین یقاتلون الخ و ھي اول آیۃ نزلت فی القتال - اسنادہ علی شرط الصحیحین -

(۲) یعنی حکم جہاد کي مختلف قسموں اور صورتوں میں سے ایک قسم قتال ھے - پھر قتال کي بھي دو قسمیں ھیں - دفاع اور ھجوم - ان آیات میں دفاع کا حکم ھے - ھجوم کا حکم دوسري آیتوں میں ھے اور اسکے مواقع و بواعث اور شرائط دوسرے ھیں -

مسلمانوں کي کسي حکومت یا آبادي پر حملہ کرے ' یا اس پر خود قابض ہو جانا چاھے ' تو مسلمانوں کو چاھیے کہ وہ اپنے بھائیوں کي مدد کیلیے اُٹھہ کھڑے ھوں - جس طرح حملہ آوروں نے حملہ کیا ھے ' یہ بھي کریں - قتل و جنگ کي جو جو چال وہ چلے ھیں ' یہ بھي چلیں - البتہ یہ جائز نہیں کہ اس بارے میں رحم و عدل کے جو حدود شریعت نے باندھدیے ھیں (مثلاً ضعیفوں ' بوڑھوں ' بچوں ' عورتوں ' راھبوں ' مذھبي عبادتگاھوں وغیرہ سے تعرض نہ کرنا) اُنسے قدم باھر نکالیں - پھر اُس حکم کي علت بھي بتلادي کہ الفتنة اشد من القتل - بلاشبہ یہ جنگ قتل ھے اور انساني قتل بہت بڑی برائي ھے ' لیکن اس برائي سے بھي بڑھکر برائي یہ ھے کہ لوگ اپني آبادیوں اور حکومتوں پر قانع نہیں رہتے - دوسروں کے حقوق آزادي و حکومت چھیننا چاھتے ھیں - توحید کي جگہ کفر و شرک کے ماتحت مسلمانوں کو لانا چاھتے ھیں ' قوموں کا قدرتي حق حریت پامال کر رھے ھیں - اگر اسکے دفع کا انتظام نہ کیا جاے ' تو پھر دنیا میں کوئي قوم زندہ و باقی نہیں رہسکتی - پس بڑی برائي کے دور کرنے کیلیے چھوٹي برائي اختیار کر لیني چاھیے - یہ خود نیچر کا عالمگیر قانون اور کارخانۂ حیات کا دائمي عمل ھے - اگر ایسا نہ ھوتا تو خدا کبھي جنگ کا حکم نہ دیتا -

سورۂ محمد (ص) میں قرآن نے حکم قتال اور جواز جنگ کي اصلی علت بھي بتلادي ھے :

حتی تضع الحرب اوزارھا - (۴۷ : ٦)	لڑتے رھو ' یہانتک کہ لڑائي موقوف ھو جاے -

یعنی اسلام کا اصلي مقصد یہ ھے کہ دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم ھو جاے - ساری دنیا ایک قوم ' اور تمام نوع انساني ایک گھرانے کي طرح زندگي بسر کریں - لیکن جب تک جنگ کرنے والی ظالم و حریص قوتیں باقي ھیں ' یہ مقصد حاصل نہیں ھوسکتا - پس پہلے مفسد و جابر قوتوں کا مقابلہ کرنا اور اُنکو فنا کردینا ضروری ھوا - مضبوط اور مستقل امن اُسي وقت قائم ھوگا ' جب پہلے امن کي خاطر اچھی طرح جنگ کرلی جاے :

حتی اذا اثخنتموھم (۴۷ : ۵)	یہانتک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ھو جائیں -

قاتلوں کا جب تک خون نہ بہایا جائیگا ' مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ھوگا :

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب - (۲ : ۱۷۹) تمھارے لیے قصاص کي موت میں امن کي زندگي پوشیدہ ھے !

لہذا حکم دیا کہ جب تک دنیا جنگ اور بواعث جنگ سے باز نہ آجاے ' جنگ کرتے رھو - کبھي اس سے نہ تھکو - یہانتک کہ دنیا میں جنگ کا نام و نشان ھي باقي نہ رھے " تضع الحرب اوزارھا " جنگ اپنے ھتیار ڈالدے - یعنی جنگ بالکل موقوف ھوجاے - فساد و بطلان کي وہ قوتیں ھي باقي نہ رھیں جو خدا کي زمین کو ھمیشہ انساني خون سے رنگتي رھتي ھیں - قرآن کا دعوا ھے کہ عالمگیر امن کا یہ وقت دنیا پر ضرور آئیگا - مگر اُسي وقت آئیگا جب تمام دنیا اسلام کي دعوت امن و اخوت کے آگے جھک جائیگي : ھو الذي ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق ' لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (۹ : ۶۱)

فصل

(فضائل دفاع)

اسلامي احکام میں یہ حکم " دفاع " جو اھمیت رکھتا ھے ' وہ عقائد ضروریہ کے بعد کسي حکم ' کسي فرض ' کسي رکن ' کسي عبادت کو حاصل نہیں - قرآن و حدیث میں باربار یہ بات بتلائي گئی ھے کہ قومي زندگي اسي عمل کے بقاء پر موقوف ھے - جب تک مسلمانوں میں یہ جذبہ باقي رھیگا اور اس کام کي راہ میں ھر فرد اپني زندگي اور اپنا مال قربان کردینے کیلیے طیار رھیگا ' اُسوقت تک دنیا کي کوئي قوم اُنپر غالب نہ آسکیگي - جسدن یہ جذبہ مردہ ھوجائیگا - اُسي دن سے مسلمانوں کي قومي موت بھي شروع ھوجائیگی - چنانچہ قرآن نے مثال میں یہودیوں کي تاریخ پیش کي ھے - جب تک یہودیوں میں اعتقاداً و عملاً یہ جذبہ باقي رھا ' حکومت و عزت اُنھي کیلیے تھي - جب چند گھڑیوں کے عیش و راحت کا عشق قومي زندگي و عزت کے دائمي عیش کي طلب پر غالب آگیا ' اور اس چیز کو چھوڑ بیٹھے ' تو ذلت و محکومي کا داغ ھر یہودي کي پیشاني پر لگ گیا ' اور ھمیشہ کیلیے خوار و ذلیل ھوکر رھگئے : ضربت علیھم الذلۃ والمسکنہ و باؤا بغضب من اللہ !

الم تر الی الملاء من بني اسرائیل من بعد موسی ؟ اذ قالوا لنبي لهم " ابعث لنا ملکا نقاتل في سبیل الله " قال " هل عسیتم ان کتب علیکم القتال ان لا تقاتلوا " قالوا " وما لنا ان لا نقاتل في سبیل الله وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا ؟ " فلما کتب علیهم القتال ، تولوا الا قلیلاً منهم ، والله علیم بالظالمین - (۲ : ۲۴۲)

کیا بني اسرائیل کا حال نہیں دیکھتے کہ موسی کے بعد کیا ہوا ؟ پہلے تو خود ہي اپنے عہد کے نبی سے درخواست کی " کسی کو ہم پر پادشاہ بنادو کہ اُسکے ماتحت اللہ کی راہ میں لڑیں " نبي نے کہا " اگرچہ تم ایسا کہتے ہو لیکن امید نہیں کہ وقت پر پورے اُترو - اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو بزدلي دکھلا کے نافرمانی کرجاؤگے " ان لوگوں نے جواب دیا " نہیں ایسا نہیں ہوسکتا - ہمکو کیا ہوگیا ہے کہ حق کي راہ میں ظالموں سے جنگ نہ کریں ؟ حالانکہ انہوں نے ہم کو اور ہماري اولاد کو ہمارے شہروں سے نکال دیا ہے " لیکن دیکھو ، جب لڑائي کا حکم دیا گیا تو بجز چند حق پرستوں کے سب اپنے قول و قرار سے پھر گئے - وقت پر اُنکا دعوا سچا ثابت نہ ہوا -

سنن ابو داؤد میں ہے " اذا ضن الناس بالدینار والدرهم و تبایعوا بالعین واتبعوا اذناب بقر ، و ترکوا الجهاد في سبیل الله ، انزل الله بهم بلاء ، فلم یرفعه حتی یراجعوا " یعنی جب کوئي جماعت جہاد فی سبیل اللہ ترک کردیتي ہے تو اسپر بلائیں نازل ہوتي ہیں جو کبھي دور نہیں ہوسکتیں - الا یہ کہ وہ اس معصیت سے باز آئیں -

چونکہ شریعت و ملت کے قیام کي اصلي بنیاد یہي چیز تھي ، اسلیے ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے اس پر زور دیا گیا ، اور سارے عملوں اور نیکیوں سے جو ایک مسلمان دنیا میں کرسکتا ہے ، اس عمل کا مرتبۂ و اجر افضل و اعلی ٹھہرایا - جس عمل میں جسقدر زیادہ ایثار و قرباني ہوگي ، اُتنا هي زیادہ اُسکا اجر و ثواب بھي ہوگا - ظاہر ہے کہ اس عمل سے بڑھکر اور کس عمل میں مال و جان کا ایثار ہوسکتا ہے ؟

کوئي خاص وقت اور عہد اسکے لیے مخصوص نہیں - ہر حال اور ہر زمانے میں ایک مسلم و مومن زندگي کے ایمان و صداقت کي بنیاد یہي چیز اور اسي کا سچا عشق و ولولہ ہے - یہي سنام دین ہے - یہي عماد ملت

ھے - یہي اساس شرع ھے - یہي ملاک اسلام ھے - یہي ایمان و نفاق کي اصلی کسوتی ھے - یہی مومن کو منافق سے الگ کردینے کیلیے اصلی پہچان ھے - نماز اسی سے ھے - روزہ اسی ھے - حج اسی سے ھے - زکواۃ کا سب سے پہلا اور افضل مصرف یہی ھے - سب اسکے لیے ملتوي ھو جاسکتے ھیں - اسکو کسی کی خاطر نہیں چھوڑا جا سکتا - نماز دین کا ستون ھے اور روزہ برائیوں سے بچنے کی ڈھال ' لیکن یہ دین کی بنیاد ھے اور برائیوں کو معدوم کردینے والی تلوار - پس اسکی فضیلت کو نہ نماز پہنچ سکتی ھے نہ روزہ - نہ اس سے بڑھکر کوئی دوسرا عمل ھے جو اللہ کی نظروں میں محبوب ھو اور کرنے والے کو اسکی دائمي محبوبیت سے سرفراز کردے - ہزاروں نمازیں اور ہزاروں روزے بھي اس ایک قطرۂ خون کي فضیلت و تقدیس نہیں پا سکتے جو اس راہ میں بہایا گیا ' اور عمر بھر کي صدقات و خیرات بھی اس ایک درھم کے اجر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو اس راہ میں خرچ کیا گیا - حتی کہ یہي عمل اسلام و ایمان کي اصلی پہچان قرار پایا - جس مسلمان کا دل اس کے ولولۂ و طلب سے خالي ھوا ' وہ ایمان و اسلام کي روشني سے محروم ھوگیا - نفاق کي ظلمت اسپر چھا گئی - صحیح مسلم میں ھے :

من مات و لم یغزو لم یحدث نفسه به ' مات علی شعبة من النفاق - (عن ابي ھریرہ)

جو مسلمان اس حالت میں دنیا سے گیا کہ نہ تو کبھي اللہ کي راہ میں لڑائي لڑی ' اور نہ اسکے دل میں اس بات کي طلب رھي ' اسکي موت ایسی حالت میں ھوئی جو نفاق کي شاخوں میں سے ایک شاخ ھے -

قرطبي نے اسکی شرح میں کہا " فیه دلیل علی وجوب العزم " اس حدیث سے ثابت ھوا کہ جہاد کا عزم اور ارادہ ھر مسلمان پر واجب ھے - اسکے عزم اور طلب سے بھي اگر دل خالی ھو گیا تو وہ مومن نہیں ھے ' منافق ھے - اگر ھندوستان کے مسلمان چاھیں تو اس فرمان رسول کو سامنے رکھکر اپنے ایمان و نفاق کا فیصلہ کر لے سکتے ھیں !

ترمذي میں ھے - ایک مرتبہ صحابہ کي ایک جماعت میں اس بات کا چرچا ھوا " ای الاعمال احب الي اللہ " ؟ ساري نیکیوں اور عبادتوں میں

سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہے ؟ اسپر سورۂ صف نازل ہوئی (۱)

ان اللہ یحب الذین یقاتلون في سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص !

اللہ تعالی تو اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اُسکی راہ میں صف باندھکر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں، گویا ایک دیوار ہے جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردی گئی ہے، اور دیوار بھی کیسی ؟ ایسی جسکی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈالکر جوڑ دی گئی ہو !

پھر اسی سورۃ میں آگے چلکر فرمایا - یہی وہ عمل ہے جسکے کرنے کے بعد تمام گناہ بخشدیے جاتے ہیں - کوئی خطا، کوئی معصیت، کوئی برائی باقی نہیں رہتی - ابدی نجات کا دروازہ ہمیشہ کیلیے کھل جاتا ہے :

یا ایہا الذین آمنوا ! ہل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم ؟ تؤمنون با للہ و رسولہ، و تجاہدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم، ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون - یغفر لکم ذنوبکم، و یدخلکم جنات تجری من تحتہا الانہار، و مساکن طیبۃ في جنات عدن - ذلک الفوز العظیم !

بخاري و مسلم میں حضرۃ ابو ہریرۃ سے مروی ہے - آنحضرۃ سے سوال کیا گیا - " ای العمل افضل " ؟ کونسا عمل سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے ؟ فرمایا " ایمان باللہ و رسولہ " اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا - پوچھا " ثم ما ذا " ؟ اس کے بعد ؟ - فرمایا " الجہاد فی سبیل اللہ " - اللہ کي راہ میں جہاد !

بخاري میں ابوسعید خدري سے ہے " قیل اي الناس افضل ؟ فقال مومن یجاہد في سبیل اللہ بنفسہ و مالہ " آپ سے پوچھا گیا - سب سے زیادہ افضل آدمي کون ہے ؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کي راہ میں اپني جان و مال سے جہاد کرتا ہے -

اور فرمایا " لغدوۃ في سبیل اللہ أو روحۃ خیر من الدنیا و ما فیہا " اور " خیر مما تطلع علیہ الشمس و تغرب " (بخاري) جہاد في سبیل اللہ

---

(۱) و اخرجہ ایضا امام احمد عن عبد اللہ بن سلام، و ابن ابي حاتم و ابن حبان، و الحاکم و قال صحیح علی شرط الصحیحین، و البیہقی في شعب الایمان و السنن، و الطبري في التفسیر -

کي ایک صبح یا شام تمام دنیا اور اسکي نعمتوں سے بہتر ہے اور اُن ساري چیزوں سے افضل ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے ؛

بخاري میں دو حدیثیں ہیں " ما من عبد یموت له عند الله خیر یسره أن یرجع الي الدنیا و أن له الدنیا و ما فیها ' الا الشهید - لما یری من فضل الشهـــادة فانه یسره أن یرجع الي الدنیا فیقتل مرة أخری " اور روایت انس " ما احد یدخل الجنة یحب أن یرجع الي الدنیا و له ما علي الارض من شيء ' الا الشهید ' یتمنی أن یرجع الي الدنیا فیقتل عشر مرات لما یري من الکرامة " حاصل دونوں کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں آنے کي کسي کو آرزو نہیں ہوسکتي مگر اُس کو جو الله کي راہ میں شہید ہوا - جب وہ شہادت کا اجر و ثواب دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے - کاش پھر دنیا میں جاسکوں اور دس مرتبہ اِسي طرح الله کي راہ میں مارا جاؤں - اور ہر مرتبہ شہادت کي عزت و کرامت حاصل کروں !

حد ہوگئي کہ جن لوگوں نے جنگ بدر میں جاں نثاریاں کي تھیں ' اگر کبھي انسے کوئي لغزش ہوئي اور معصیت میں مبتلا ہوگئے ' تو آپ نے سزا دینے سے انکار کردیا اور فرمایا " لعل الله اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم " یہ وہ جاں نثار حق ہیں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کي ہے - عجب نہیں کہ اس ایک عمل کے صلہ میں الله نے انکی ساري پچھلی اور آئندہ خطائیں بخشدي ہوں اور کہدیا ہو کہ جو جي میں آے کرو ! .

طبراني نے عمـــران بن حصین سے روایت کي ہے کہ جب شام کے رومیوں کي طیاریوں کي خبر پہنچي تو مدینہ میں مسلمانوں کي حالت نہایت نازک اور کمزور تھي - کسي طرح کا سازوسامان میسر نہ تھا - حضرة عثمـــان نے یہ حال دیکھا تو اپنا پورا تجارتي قافلہ آنحضرة کیخدمت میں پیش کردیا جو شام جانے کیلیے طیار ہوا تھا - اسمیں دو سو اونٹ مال و اسبـــاب سے لدے ہوے تھے ' اور دو سو اوقیہ سونا تھا - آنحضرة نے فرمایا " لا یضر عثمان ما عمل بعدها " آج کے دن کے بعد سے عثمان خواہ کچھہ ھي کرے لیکن کوئي عمل اسکو نقصـــان نہیں پہنچا سکتا - (اخرجه الترمذي و الحاکم ایضاً من حدیث عبد الرحمن بن حباب نحوه)

سبحان الله اس عمل عظیـــم کي برکت و بخشش ! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل دفاع کیلیے اپنا مال و متاع قربان کرنا خدا و رسول کي

نظروں میں ایسا محبوب و محترم کام ہے ' جسکے بعد کوئی برائی بھی صاحب عمل کو نقصان نہیں پہنچا سکتی - کسی عمل کسی طاعت ' کسی عبادت کو بھی یہ فضیلت نصیب نہ ہوئی !

ترمذی میں ہے " من رابط لیلة في سبیل الله ' کانت له کالف لیلة صیامها و قیامها " جس مسلمان نے ایک رات بھی جہاد کرتے ہوے دشمن کے انتظار میں کاتی ' اسکے لیے ایسا اجر ہے ' گویا ہزار دنوں کا روزہ اور ہزار راتوں کی عبادت !

اور فرمایا " مقام احدکم في سبیل الله خیر من عبادة احدکم فی اهله ستین سنة " (ترمذی) ساتھہ برس تک اپنے گھر میں عبادت کرنے سے بھی یہ افضل ہے کہ جہاد کے میدان میں کھڑے نظر آؤ -

اور فرمایا " حرس لیلة في سبیل الله ' افضل له من الف لیلة ' یقام لیلها و یصام نهارها " (رواہ احمد) جہاد کی ایک رات اس سے افضل ہے کہ ہزار راتیں عبادت میں اور ہزار دن روزہ میں بسر کیے جائیں !

اور فرمایا " حرمت النار علی عین دمعت من خشیة الله' و حرمت النار علی عین سهرت في سبیل الله " (ایضاً) جو آنکھہ الله کے خوف سے اشکبار ہوئی ' یا جہاد میں کام کرتے ہوے جاگی ' اسپر دوزخ کی آگ حرام ہے !

ایک شخص نے پوچھا - یا رسول الله ! کوئی ایسا عمل بتلادیجیے کہ مجاهدین کا ثواب حاصل ہو - فرمایا " هل تستطیع ان تصلی فلا تفتر ' و تصوم فلا تفطر ؟ " اسکی طاقت رکھتے ہو کہ برابر نماز پڑھتے رہو اور قضا نہو ' برابر روزہ رکھتے رہو ' اور کبھی بیچ میں افطار نہ کرو ؟ عرض کیا " انا اضعف من ان استطیع ذلک " یہ تو میری طاقت سے باہر ہے - فرمایا " فو الذي نفسي بیدہ ! لو طوقت ذلک ' ما بلغت فضل المجاهدین في سبیل الله - اما علمت ان فرس المجاهد لیستن في طوله فیکتب له بذلک الحسنات ؟ " خدا کی قسم ! اگر تم ایسا کرنے کی طاقت بھی رکھتے اور کر دکھاتے' جب بھی اُن لوگوں کی فضیلت کہاں پاسکتے تھے جو الله کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجاهد کا گھوڑا لگام میں اُچھلتا ہے تو اسکے لیے بھی اسکے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہتی ہیں ؟ (رواہ احمد ' و ایضاً رواہ البخاری باختلاف یسیر)

بخاري و مسلم میں ہے - تین مرتبہ آپ سے پوچھا گیا - " ما یعدل الجهاد في سبیل الله ؟" کونسا کام ہے جو جہاد کے برابر درجہ و فضیلت رکھتا ہو؟ تینوں مرتبہ فرمایا " لا تستطیعونه" تم اسکي طاقت نہیں رکھتے - یعني کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو جہاد کے برابر درجہ رکھتا ہو اور تم کرسکو- پھر فرمایا " مثل المجاهد کمثل الصائم القائم القانت بایات الله لا یفتر عن صلاته و لا صیامه حتی یرجع"

اور فرمایا " من اغبرت قدماه في سبیل الله ساعة من نہار ' فهما حرام علی النار" (رواه احمد) جس کے پاؤں الله کي راه میں ایک گھنٹه کیلیے بھي گرد آلود ہوے ' دوزخ کي آگ اُن قدموں پر حـــرام ہے -

امام بخاري نے اسی حدیث کو یوں روایت کیا ہے " ما اغبرت (و في روایة المستملي" اغبرتا " با التثنیه) قدما عبد في سبیل الله فتمسه النار" ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس بندے کے پانوں جہـــاد کي راه میں غبار آلوده ہوے ہوں ' اُن کو جهنم کي آگ بھي چھو سکے - حافظ عسقلاني اس کي شرح میں لکھتے ہیں - اس حدیث سے جہاد في سبیل الله کي عظمت و فضیلت کا اندازه کیا جا سکتا ہے - جب صرف غبار راه سے قدموں کا آلوده ہونا اتنا بڑا اجر رکھتا ہے کہ جهنم کي آگ اُن پر حرام ہوجاتي ہے ' تو جو خوش نصیب جہاد و دفاع میں کمال سعي و تدبیر کرے اور اپني جان اور مال کو اس کے لیے وقف کردے ' اس کے اجر و ثواب کا کیا حال ہوگا ؟ اور کون ہے جو اس کا اندازه لگا سکتا ہے ؟ و الله یضاعف لمن یشاء -

اور فرمایا " ما من میت یموت الا ختم عمله ' الا من مات مرابطا في سبیل الله ' فانه ینمو له عمله الی یوم القیامة و امن من فتنة القبر" (رواه اصحاب السنن) کوئي ایسي موت نہیں جسکے ساتھ اعمال کا سلسله بھي ختم نه ہو جاتا ہو ' الا وہ شخص که جہاد کي راه میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ہوا دنیا سے گیا - سو اُسکا عمل ایسا ہے جو مرنے کے بعد بھي قیامت تــک بڑھتا رہیگا -

یعنی عمل جہاد بھي حسنات جاریه میں سے ہے - حسنات جاریه بموجب نص حدیث مسلم تین ہیں - اولاد صالح' علم نافع' اوقاف و تعمیرات خیریه - مثلاً مساجد و مدارس وغیره جو بعد کو باقي رہیں - اس حدیث اور اُسکی ہم معنی احادیث سے معلوم ہوا که جہاد کا ہر کام بھي اسي قسم میں داخل

ھے - علت اسکي بالکل واضح ھے - عمل جہاد کي بنیاد ھي یہ ھے کہ اپنے بعد کے زمانے اور آنے والي نسلوں کی حفاظت و سعادت کیلیے اپنا وجود قربان کردیا جاے - پس کوئي عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوع پرستی کے جذبات رکھتا ھو - اور اسي لیے ضروري ہوا کہ اسکا اجر بھی وقتی نہو ' دائمی ھو - عمل کا اجر تو عمل کے نتائج پر موقوف ھے - جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملینگے ' تو صاحب عمل کا اجر بھي فوراً کیوں منقطع ھوجاے ؟

اس حدیث میں " مرابطاً في سبیـــل اللـــہ " کا لفـــظ آیا ھے - اور دوسري حـــدیثوں میں بھي جـــا بجا " رباط " کا لفـــظ وارد ھے - " رباط " سے مقصـــود یہ ھے کہ کسي مقام میں ٹھہرکر دشمن کے حملـــہ کا انتظار کرنا - تاکہ جب دشمن آجاے تو اللہ کي راہ میں مقابلہ کیا جاے - نہایہ میں ھے " ھو الاقامۃ في مکان یتوقع ھجوم العدو فیہ لقصد دفعہ للہ " پس " مرابطا في سبیل اللہ " کا مطلب یہ ھوا کہ اگر لڑکر شہید ھونے کا موقعہ نہیں ملا ' اور حملہ کے انتظـــار ھي میں موت آگئي ' جب بھي اسکا اجر مرنے کے بعد برابر بڑھتا رھیگا - اور وہ ھزار دنوں کے روزہ و نماز سے بھي افضل ھے ! اسي بنا پر امام بخاري و امام نواوي وغیرھما نے فضل الرباط في سبیل اللہ کا باب باندھا ھے -

قرآن بھي ھر جگہ اور بار بار یہي کہتا ھے :

الذین آمنوا و ھاجروا و جاھدوا في سبیـــل اللہ باموالھـــم و انفسھم ' اعظم درجۃ عند اللہ و اولائـــک ھم الفـــائـــزون - یبشرھم ربھم برحمـــۃ منـــہ و رضوان و جنات لھم فیھا نعیم مقیم - خالـــدین فیھا ابدا - ان اللہ عنـــدہ اجر عظیـــم ! (۹ : ۲۳)	جو لوگ ایمان لاے ' حق کي راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ' اپني جان و مال سے جہاد کیا ' سو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ اور اونچا درجہ انھي کا ھے - یہی لوگ ھیں کہ دنیا اور آخرۃ میں کامیاب ھونگے - اللہ کي طرف سے انکے لیے بشارت ھے - اسکي رحمت ' اسکي محبت ' بہشتي زندگی کي نعمتیں ' اور انکي دائمی اور ھمیشگي ' سب کچھہ انھی کیلیے ھے -

جو لوگ خود اپني ذات سے جہاد و دفاع میں حصہ نہ لے سکیں مگر مجاھدین کو اپنے مال و متاع سے مدد پہنچائیں ' یا اور کسي طرح کي

خدمت انجام دیں، تو اگرچہ وہ مجاہدین کا اجر و ثواب نہیں پا سکتے، لیکن اُن کے لیے بھی اجر ہے، اور ساری عبادتوں اور طاعتوں سے بڑھکر اجر ہے -

ابن ماجہ میں ہے " من ارسل بنفقة فی سبیل اللہ و اقام فی بیتہ، فلہ بکل درھم سبع مائة درھم، و من غزا بنفسہ فی سبیل اللہ و أنفق فی وجھہ ذلک، فلہ بکل درھم سبع مائة الف درھم - ثم تلا ھذہ الایہ - و اللہ یضاعف لمن یشاء " یعنی جو مسلمان ایسے وقتوں میں گھر سے نہ نکلا، صرف اپنے روپیہ سے جہاد میں مدد دی، تو اسکو ہر ایک روپیہ کے بدلے سات سو روپیوں کا اجر ملیگا - یعنے اس انفاق میں سات سو درجہ زیادہ اجر ہے - اور جس نے روپیہ بھی لگایا اور خود بھی شریک ہوا، تو اسکے لیے سات ہزار درجہ زیادہ اجر ہے - پھر آپنے یہ آیت پڑھی " اللہ جس کسی کا اجر و ثواب چاھتا ہے دوگنا کردیتا ہے "

اور امام بخاری نے باب باندھا ہے " فضل من جھز غازیا " اسمیں زید بن خالد کی حدیث لاے ہیں " من جھز غازیا فی سبیل اللہ فقد غزا و من خلف غازیا فی سبیل اللہ بخیر فقد غزا " یعنی جس شخص نے مجاہد و غازی کے سامان کا انتظام کردیا تو گویا اُس نے خود جہاد کیا - اور جس نے اُسکے پیچھے اُسکے کاموں کی دیکھہ بھال کی تو اسکے لیے بھی ایسا ہی اجر ہے !

اسلام نے حقوق العباد پر جسقدر زور دیا ہے، معلوم ہے - علی الخصوص والدین اور اقرباء کے حقوق کہ ساری نیکیوں اور ہر طرح کی عبادتوں سے مقدم تھہرائے گئے - لیکن صرف یہی وہ عمل عظیم ہے جسکے لیے یہ حقوق بھی روک نہیں ہوسکتے - امت اور شریعت کی حفاظت ہی پر تمام افراد کی حفاظت موقوف ہے - پس اگر امت دشمنوں کے نرغہ میں ہے، تو نیکی کا سب سے بڑا کام جو زمین پر ہوسکتا ہے مسلمانوں کے سامنے آ گیا - اب اس بڑے کام کے لیے سارے چھوٹے کام چھوڑ دینے چاھئیں - ماں، باپ، بھائی، بہن، بیوی، بچے، رشتے ناتے، اپنی اپنی جگہہ سب حق ہیں - سب کا حق ادا کرنا چاھیے - لیکن خدا اور اسکی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ہے - اُسکے رشتہ کے سامنے سارے رشتے ہیچ ہیں - پس اگر اُسکے کام کا وقت آ گیا تو سب کو اُسکی خاطر چھوڑ دینا پڑیگا :

قل ان كان اباؤكم و ابناؤكم و اخوانكم و ازواجكم و عشيرتكم و اموال اقترفتموها و تجارة تخشون كسادها و مساكن ترضونها احب اليكم من الله و رسوله و جهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره و الله لا يهدي القوم الفاسقين - (۹ : ۲۵)

مسلمانوں سے کہدو کہ تمہارے والدین، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان اور اسکے تمام رشتے، یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے، یہ کاروبار و تجارت جسکے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، یہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل اٹکا ہوا ہے، اگر تمہیں اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں میں ایسے بندھگئے ہیں کہ اللہ کی پکار بھی انہیں نہیں ہلا سکتی، تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں - نتائج کا انتظار کرو - یہانتک کہ اللہ کو جو کچھہ کرنا منظور ہے کر دکھاے - اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمانوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا !

اگرچہ عمل کے اعتبار سے اس فرض کی تعمیل اس وقت لازم سے الزم ہوجاتي ہے جب حملۂ اعداء کي وجہ سے خاص طور پر ضرورت پیش آجاے، لیکن عزم و استعداد کے لحاظ سے یہ حکم کسي خاص وقت میں محدود نہیں - ہمیشہ اور ہر حال میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ دفاع اعداء کیلیے طیار رہیں اور طیاري کرتے رہیں - اوپر حدیث گزرچکي ہے کہ جو دل اس کے عزم و طلب سے خالي ہوا، اس پر ایمان کي جگہ نفاق کا قبضہ ہوگیا :

و اعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله و عدوكم و آخرين من دونهم لا تعلمونهم (۸ : ۶۰)

جسقدر بھي تم سے ممکن ہو، دشمنوں کے مقابلے کیلیے اپنی قوت اور ساز و سامان سے طیار رہو - تا کہ تمہاري مستعدي دیکھکر اللہ اور اسکي امت کے دشمنوں پر خوف اور رعب چھا جاے - تم پر حملہ کرنے کي کو جرأت ہي نہو -
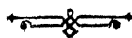
فصل

(عہد نبوت کا ایک واقعہ)

یہ قرآن و سنت کے احکام ہیں - اب دیکھیں ' صاحب شریعت کا اس بارے میں میں طرز عمل کیا رہا ہے ؟

ہجرۃ کے نو ویں سال آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو رہی ہے - یہ سنکر آپنے بھی طیاری کا حکم دیدیا ' اور تیس ہزار مجاہدین کے ساتھہ مدینہ سے کوچ کردیا - چونکہ یہ فوج بڑی ہی تنگدستی اور بے سر و سامانی کے حال میں نکلی تھی - اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صرف ایک سواری آئی تھی - جنگل کے پتے کھا کر لوگوں نے گزارہ کیا تھا ' اس لیے اس فوج کا نام " جیش العسرۃ " مشہور ہوا - الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ (۹۹ : ۱۱۹)

آج تم خدا اور اُس کے ایمان کی جگہ لوہے اور گندھک کے سامان و اسلحہ کی پرستش کر رہے ہو - لیکن ایک وقت وہ بھی تھا ' جب بے سر و سامان مسلمانوں کی یہ بھیڑ نکلی تھی ' تا کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی متمدن قوم یعنی رومیوں سے مقابلہ کرے !

حضرۃ ابوبکر (رض) نے اسی دفاع کیلیے اپنا تمام مال و متاع پیش کردیا تھا - جب اُنسے پوچھا گیا " ما ابقیت لاھلک " اپنے بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آے ہو ؟ تو اس پیکر ایمان و مجسمۂ عشق حق نے جواب دیا تھا " ابقیت لھم اللہ و رسولہ " ! اللہ اور اُس کے رسول کو !

آنکس کہ ترا بخواست ' جانرا چہ کند ؟
فرزند و عیال و خانمان را چہ کند ؟
دیوانہ کنی ھر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ھر دو جہان را چہ کند ؟

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کی دلیرانہ طیاریوں کا حال سنکر رومیوں کے حوصلے ' پست ہوگئے اور فوجیں منتشر کردی گئیں - آنحضرت نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے -

اس دفاع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوے تھے - صرف تین شخص نہ جاسکے - کعب بن مالک - ہلال بن اُمیہ - مرارہ بن ربیع - کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں ' اور اُن ۷۳ سابقین مخلصین میں سے جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوے تھے - انکے ایمان و اخلاص میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے ؟ اُنکا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا - سستی اور کاہلی سے آج کل کرتے رہے اور فوج کے ساتھہ ملنے کا موقعہ نکل گیا -

با ایں ہمہ یہ معاملہ اللہ اور اسکے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہے کہ اتنی سستی اور کاہلی بھی ایک سخت جرم قرار پائی - معذرت کرنے کیلیے حاضر ہوے تو توبہ قبول نہ ہوئی - حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور فیصلۂ وحی کا انتظار کرو - مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات انسے ترک کردیں - نہ کوئی بات چیت کرے - نہ ملے جلے - نہ اور کسی طرح کا واسطہ رکھے - پھر انکی بی بیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہوجائیں اور کوئی واسطہ نہ رکھیں - امام بخاری نے ایک طول طویل روایت خود حضرۃ کعب بن مالک کی زبانی نقل کی ہے اور اس واقعہ کیلیے خاص باب باندھا ہے - کعب کہتے ہیں - ہمارا یہ حال ہوگیا تھا کہ سارا مدینہ انسانوں سے بھرا تھا ' مگر ہمارے لیے نہ ایک آنکھہ دیکھنے والی تھی نہ ایک زبان بات کرنے والی - خود عزیز و اقارب نے ملنا جلنا ترک کردیا تھا - حسرت سے ایک ایک کا منہ تکتے اور دیوانوں کی طرح پھرتے تھے - ایک دن اپنے چچیرے بھائی ابو قتادہ کے یہاں گیا - مجھے دیکھتے ہی منہ دوسرے طرف پھرا لیا - سلام کیا تو جواب نہ ملا -

اللہ اللہ ! کیا مسلمان تھے کہ انکا رشتہ تھا تو اللہ اور اسکے رسول کا رشتہ - زندگی تھی تو صرف اسی کے حکم پر ! الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی مجسم تصویر تھے !

غسان کے عیسائی پادشاہ نے یہ حال سنا تو خوش ہوا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا اچھا موقعہ نکل آیا ہے - کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھکر بھیجا کہ تمھارے آقا نے تمھاری ساری عمر کی خدمتوں کا جو معاوضہ دیا ہے وہ دیکھہ چکے ہو - اب میرے پاس چلے آؤ - دیکھو یہاں تمھاری کیسی عزت ہوتی ہے ؟ کعب بن مالک کو خط ملا تو ایلچی کے سامنے آگ میں جھونک دیا اور کہا جواب میں کہدینا - ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر

رکھا ہے ' اسکی گیرائیاں اور دلربائیوں کا حال تمہیں کیا معلوم ؟ اُسکی بے التفاتی بھی دوسروں کي محبت و عزت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز و محبوب ہے :

اے جفا ھاے تو خوشتر ز وفاے دگراں !

ان مومنین صادقین کي یہ آزمائش پورے پچاس دن تک جاري رہی - بالآخر اللہ تعالی نے توبہ قبول فرمائی اور سورۂ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی :

و علی الثلثة الذین خلفوا ' حتی ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم و ظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا - ان اللہ هوالتواب الرحیم ! (۹ : ۱۲۰)

اور وہ تین آدمی جنکا معاملہ فیصلہ الہی کیلیے ملتوي کردیا گیا تھا ' سو جب انکا یہ حال ہوا کہ تمام مسلمانوں نے اُنکو چھوڑ دیا ' زمین باوجود اپنی وسعت کے انپر تنگ ہوگئی ' اپنی زندگي سے بیزار ہوگئے اور اُنھوں نے دیکھہ لیا کہ اللہ سے پناہ نہیں ہے مگر صرف اسی کی طرف ' تو پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کرلی - یقیناً اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرتا اور خطا کاروں کیلیے مہربانی رکھتا ہے !

حضرۃ کعب کو جب قبولیت توبہ کی بشارت ملی تو بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور اپنا سارا مال و متاع شکرانۂ قبولیت میں لٹا دینا چاہا -

اس واقعہ میں متعدد باتیں قابل غور ہیں :

(۱) رومیوں نے حملے کی طیاریاں کیں تو اسلام و اُمت کی حفاظت کیلیے دفاع کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوگیا - موسم سخت گرمی کا تھا - سفر دور دراز کا - بے سروسامانی حد درجہ کي - مقابلہ اس حکومت سے جو نصف دنیا پر حکمراں تھي - حجاز میں فصل پک چکی تھي اور کٹائی کا اصلی وقت تھا - یہی فصل ملک کیلیے سال بھر کي خوراک تھی - اگر مشکلوں اور مجبوریوں کے عذر سنے جاسکتے ہیں تو ان حالات سے بڑھکر اور کون سے حالات عذر داري کے لیے مناسب ہوسکتے ہیں ؟ مگر دفاع کا فرض ایسا سخت اور اٹل ہے کہ نہ کوئي عذر سنا گیا ' نہ کوئي مشکل رکاوٹ ہوسکي - حکم ہوا کہ سب کچھہ چھوڑ دو - ساري مصیبتیں جھیل لو - مگر دشمنوں کو روکنے کے لیے نکل کھڑے ہو - سورۂ توبہ میں اس کا بڑا ہی عبرت انگیز تذکرہ ہے - یہ موقعہ تفصیل کا نہیں - قالوا لا تنفروا في الحر - قل نار جهنم اشد حرا لو کانوا یفقهون (۹ : ۸۳)

(۲) یہ تینوں مسلمان جو شرکت دفاع سے رهگئے ' مخلصین مومنین میں سے تھے - انکی زندگیاں اسلام کی بے شمار خدمتوں اور جان نثاریوں میں بسر هوئی تھیں - عبادتوں اور نیکیوں کا کیا پوچھنا کہ شب و روز اللہ کے رسول کے سایۂ تربیت میں رهتے تھے ' انھی کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے ' انھی کے ساتھہ روزے رکھتے تھے - صحابہ کے ایک ادنی فرد کی عبادت کا مقابلہ هم اپنی پوری نسلوں اور قوموں کی عبادت گزاریاں پیش کرکے بھی نہیں کرسکتے - حضرۃ کعب بن مالک سابقون الاولون میں سے هیں - جب اسلام کا کوئی ساتھی نہ تھا تو مدینہ کے انصار نے ساتھہ دیا - عقبہ کی بیعت ثانیہ میں ۷۳ جان نثاروں نے بیعت کی تھی - یہ انھی عشاق اسلام میں سے هیں - خود کہتے هیں کہ کسی اسلامی خدمت میں دوسروں سے پیچھے نہ رها - هر جنگ میں شرکت کی - هر موقعہ پر جان و مال نثار کیا - اس دفاع کی شرکت سے بھی جو رهگئے ' تو دل کی کمزوری اور نیت کے فساد کی وجہ سے نہیں - چلنے کا پورا سامان کرلیا تھا - صرف یہ قصور هوا کہ سستی اور کاهلی کی - پوری طرح مستعدی سے کام نہ لیا - تاهم دیکھو ' یہ سستی اور کاهلی بھی خدا کے حضور کیسا بڑا جرم قرار پائی کہ نہ تو کوئی پچھلی خدمت آڑے آسکی ' نہ مدۃ العمر کی نیکیوں اور عبادتوں هی نے کچھہ کام دیا - نہ کوئی بزرگی اور بڑائی اس معاملہ میں شفیع هو سکی - نہ ایک ایسے پکے اور پرکھے هوے مخلص مسلمان کیلیے عذر و معذرت کی گنجائش نکل سکی - سخت سے سخت سزا جو دی جاسکتی تھی ' دی گئی - مسلمانوں سے اسلامی برادری کا رشتہ توڑ دیا گیا - پچاس دنوں کیلیے جماعت سے باهر کردیے گئے - یہ سارا زمانہ گریۂ و زاری اور عبادت و استغفار میں بسر هوا - تب کہیں جاکر توبہ قبول کی گئی -

(۳) اسلام کے احکام کا قبولیت توبہ کے بارے میں جو حال ہے ' معلوم ہے - خدا کا دروازۂ رحمت کسی آنے والے کا اتنا انتظار نہیں کرتا ' جسقدر اس مضطرب روح کا ' جو توبہ کیلیے اسکی طرف بڑھے - " لو اخطاتم حتی تملاء خطایاکم ما بین السماء و الارض ' ثم استغفرتم ' الله یغفر لکم " (رواہ مسلم عن ابی هریرہ) اگر تم نے اتنے گناہ کیے هوں کہ زمین و آسمان کا فاصلہ انسے بھر دیا جاسکے ' پھر بھی توبہ کا آنسو بہاتے هوے آؤ تو دروازہ

مغفرت کہلا پاؤ گے - لیکن دیکھو ' امت کي حفاظت و مدافعت سے غفلت کرنا الله کي نظروں میں کیسا ' سخت جرم ہے کہ یکایک توبہ بھي قبول نہوئي - تینوں صحابي آپکي واپسي کے بعد پہلي ھي صحبت میں عفو تقصیر کیلیے حاضر ھوگئے تھے ' مگر حکم ملا کہ ابھي نہیں - انتظار کرو - پچاس دن سزاؤ عقوبت کے گذر چکے تب کہیں جاکر توبہ قبول ھوئي !

(۴) جب اُن پاک انسانوں کا یہ حال ھوا کہ ایمان اُنکا ایمان تھا ' اور نیکیاں اُنکي نیکیاں - اُن کے بستر خواب کے اجر و ثواب کا بھي ھماري بڑي بڑي عبادتیں مقابلہ نہیں کرسکتیں ' تو خدا را بتلاؤ ' ھم بدبختوں اور سیہ کاروں کا کیا حشر ھوگا کہ نہ ایمان کي دولت ساتھہ ہے نہ طاعت و حسنات کي پونجي دامن میں - زندگي یکسر برباد غفلت و معصیت ' اور عمریں یکقلم تاراج نفس پرستي و نافرماني - وھاں عزم و ایمان کے ساتھہ سہو و نسیان تھا مگر عذر قبول نہ ھوا - یہاں اعراض و نفاق کے ساتھہ صریح نافرماني و انکار ہے اور پھر نہ ندامت ہے نہ توبۂ و انابت ! اُنکے ساتھہ سب کچھہ تھا اور کام نہ آیا - ھمارے پاس تو کچھہ بھی نہیں ہے - پھر کیا ہے جس نے آنے والے دن کي طرف سے بے فکر کردیا ہے اور ھمارے غافل دلوں پر بیخوفي کي موت چھا گئي ہے ؟ بتلاؤ ' زمین و آسمان میں کون ہے جو اُس دن ھمیں بچا سکیگا جب خدا کے غضب کا بے پناہ ھاتھہ ھماري طرف بڑھیگا ؟ یقول الانسان یومئذ این المفر ؟

فصل

(ایک عام غلط فہمي)

البتہ یاد رہے کہ " جہاد " کی حقیقت کي نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلي ھوئي ھیں - بہت سے لوگ سمجھتے ھیں کہ جہاد کے معنی صرف لڑنے کے ھیں - مخالفین اسلام بھي اسي غلط فہمي میں مبتلا ھوگئے - حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملي وسعت کو بالکل محدود کردینا ہے -

" جہاد " کے معني کمال درجہ کوشش کرنے کے ھیں - قرآن و سنت کي اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتي اغراض کي جگہ حق پرستی

اور سچائی کی راہ میں کی جائے ' " جہاد " کے لفظ سے تعبیر کیا ھے - یہ سعی زبان سے بھی ھے ' مال سے بھی ھے ' انفاق وقت و عمر سے بھی ھے ' محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ھے ' اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور اپنا خون بہانے سے بھی ھے - جس سعی کی ضرورت ھو ' اور جو سعی جسکے امکان میں ھو ' اُسپر فرض ھے ' اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغۃ و شرع ' دونوں اعتبار سے داخل - یہ بات نہیں ھے کہ " جہاد " سے مقصود مجرد لڑائی ھی ھو - اگر ایسا ھوتا تو جہاد کا اطلاق اعمال قلبی و لسانی پر نہ ھوتا - حالانکہ کتاب و سنت ایسے اطلاقات سے لبریز ھیں - شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول صاحب اقناع نے نقل کیا ھے جو حقیقت جہاد کے بارے میں قول فیصل و جامع ھے " الامر بالجہاد منہ ما یکون بالقلب ' کالعزم علیہ ' و منہ ما یکون باللسان کالدعوۃ الی الاسلام والحجۃ و البیان ' و الرای و التدبیر فی ما فیہ نفع المسلمین - و بالبدن - ای القتال بنفسہ - فیجب الجہاد بغایۃ ما یمکنہ من ھذہ الامور " (جلد - ۱ - ۲۵۳)

دشمنوں کی فوج سے خاص وقت ھی میں مقابلہ ھوسکتا ھے ' لیکن ایک مومن انسان اپنی ساری زندگی اور زندگی کی ھر صبح و شام جہاد حق میں بسر کرتا ھے - مشہور حدیث ھے " المجاھد من جاھد نفسہ فی ذات اللہ ' و المہاجر من ھجر ما نہی اللہ عنہ "

سورۂ فرقان میں ھے فلا تطع الکافرین وجاھدھم بہ جہاداً کبیرا (۲۵ : ۵۵) یعنی کفار کے مقابلہ میں بڑے سے بڑا جہاد کرو - سورۂ فرقان بالاتفاق مکی ھے ' اور معلوم ھے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ھجرۃ مدینہ کے بعد ھوا - پس غور کرنا چاھیے کہ مکی زندگی میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ھے ؟ جہاد بالسیف تو ھو نہیں سکتا - یقیناً وہ حق کی استقامت اور اسکی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا - مکی زندگی میں جس طرح یہ جہاد جاری رہا ' سب کو معلوم ھے - حق کی راہ میں دنیا کی کسی جماعت نے ایسی تکلیفیں اور مصیبتیں نہ اُٹھائی ھونگی ' جیسی اللہ کے رسول اور اُسکے ساتھیوں نے مکی زندگی میں برداشت کیں - اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ھوا -

---

اسی طرح منافقوں کے ساتھہ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا - جاھد الکفار و المنافقین و اغلظ علیہم (۹ : ۷۳) حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رھے تھے - اُنسے جنگ و قتال کی ضرورت

ھی نہ تھی، اور نہ اُن سے کبھی جنگ کی گئی - سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق و اتمام حجۃ و مقاومۃ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ھے -

بخاری و ابن ماجہ میں ھے - حضرۃ عائشہ نے پوچھا "علی النساء جہاد؟" کیا عورتوں کیلیے بھی جہاد ھے؟ فرمایا "نعم جہاد، لا قتال فیہ - الحج و العمرہ" ھاں، جہاد ھے مگر اسمیں لڑنا نہیں ھے - حج اور عمرہ - اس حدیث میں اُس سعی اور ترک وطن کی محنت کو جو حج و عمرہ میں پیش آتی ھے، عورتوں کیلیے جہاد فرمایا، اور کہا ایسا جہاد جسمیں لڑائی نہیں - اس سے معلوم ہوا کہ لڑائی کے الگ کردینے کے بعد بھی حقیقت "جہاد" باقی رهتی ھے -

اگر اُمت کیلیے دفاع و جنگ کا وقت آگیا، یا کسی جماعت مفسدین ارض پر امام نے حملہ کیا، تو ایسے وقتوں میں بھی صرف نفس جنگ ھی نہیں بلکہ سعی و کوشش کی ساری باتیں شریعت کے نزدیک جہاد ھیں - جسکی طاقت میں جنگ کرنا نہیں ھے اور اُس نے مال دیا تو وہ بھی مجاھد ھے - جس نے زبان سے دعوۃ و تبلیغ کی وہ بھی مجاھد ھے - جس نے اس راہ میں اور کسی طرح کی تکلیف و محنت اُٹھائی، وہ بھی مجاھد ھے - البتہ ایسے وقتوں میں اگر کوئی مسلمان لڑائی کی طاقت رکھتا ھے اور اس سے پہلو تہی کرے، تو اُسکا کوئی عذر نہیں سنا جائیگا - اسکا شمار مومنوں کی جگہ منافقوں میں ھوگا - جو مال دیسکتا ھے اور نہ دیا، تو وہ بھی ایمان و اخلاص کی زندگی سے نکل گیا - زمین پر گو مسلمان کہلاے پر اللہ کے حضور منافق کہلائیگا - جس شخص کی زبان اعلان حق اور دعوۃ الی الجہاد میں کھل سکتی ھے مگر نہ کھلی، اُس نے بھی ایمان چھوڑ کر نفاق کی راہ اختیار کرلی - گو شیطان حیل اور نفس خادع اسکو ھزاروں فریب دیتا رھے - ترمذی اور ابو داؤد میں ھے - "افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جایر" سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا جہاد وہ کلمۂ حق ھے جو شاھان جور و ظلم کے سامنے بے باکانہ کہا جاے -

اور پھر ان سب سے بالاتر مرتبہ اُن مجاھدین کاملین اور اصحاب عزیمۃ عمل کا ھے، جنکی زندگی سرتا سر جہاد فی سبیل اللہ، اور جنکا وجود یکسر خدمت حق، و شیفتگی صدق، و عشق دعوۃ ھے - جو اس عمل مقدس کیلیے کسی خاص صداے نفیر اور اعلان وقت کے منتظر نہیں رھتے - بلکہ ھر صبح جو اُنپر آتی ھے، جہاد فی سبیل اللہ کی صبح ھوتی ھے، اور ھر شام

کي تاریکي جو اُنپر پھیلتي ھے ' وہ اسي راہ کي شام ھوتي ھے - اُنکی زندگي پرکوئي لمحہ ایسا نہیں گزرتا جو جہاد کے مرتبۂ علیا و فضیلۃ عظمی کے اجر و ثواب سے خالي ھو -

کائنات ھستي کے ھر عمل کي طرح یہ عمل بھي تین عنصروں سے مرکب ھے - دل ' زبان ' اعضاؤ جوارح - سو اُنکا دل ھمیشہ عشق حق اور عزم مقصد کي آتش شوق میں پھنکتا رھتا ھے - انکی زبان ھمیشہ اعلان حق ' و دعوۃ الی اللہ میں سرگرم رھتي ھے - اُنکے ھاتھہ اور اُنکے تمام جوارح کبھي اس راہ کي سعي و محنت سے نہیں تھکتے - اسکے بعد جہاد کا کونسا کام رھگیا جو انہوں نے نہیں کیا ؟ اور اس راہ کا کونسا مرتبہ رھگیا جو اُنہوں نے نہیں پایا ؟ و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذوالفضل العظیم !

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو ملگیا
ھر مدعي کے واسطے دار و رسن کہاں ؟

جہاد کی اس حقیقت کو سامنے رکھکر غور کرو ! انساني اعمال کي کونسي بڑائي اور عظمت ھے جو اسکے دائرہ سے باھر رھگئي ؟ اور نوع انساني کي ھدایت و سعادت کا کونسا عمل حق ھے جو اسکے بغیر انجام پا سکتا ھے ؟ پس یہي وجہ ھے کہ شریعت نے اسکي اھمیت و فضیلت پر اسقدر زور دیا کہ ساري نیکیاں ساري عبادتیں اس سے پیچھے رھگئیں - سب کا حکم شاخوں کا ھوا - جڑ یہي عمل قرار پایا - اس سے بڑھکر اور کیا دلیل فضیلت ھوسکتي ھے کہ خود اللہ کے رسول نے فرمایا : " والذي نفسي بیدہ ' لوددت اني اقتل في سبیل اللہ ثم احیا ' ثم اقتل ثم احیا ' ثم اقتل ثم احیا ' ثم اقتل " (رواہ البخاري) خدا کي قسم ! اگر ممکن ھوتا تو میں یہ چاھتا کہ اللہ کي راہ میں قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ ھوں - پھر قتل کیا جاؤں ' پھر زندہ ھوں - پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ ھوں - پھر قتل کیا جاؤں - تاکہ اُسکي راہ میں جان دینے کي لذت و سعادت ایک ھي مرتبہ میں ختم نہ ھوجاے !

تمنت سلیمي ان نموت بحبہا
و اھون شي عندنا ما تمنت !

فصل

(احکام قطعیۂ دفاع)

غرضکه " دفاع " اسلام کے اُن بنیادي حکموں میں سے هے ' جنکو ایک مسلمان مسلمان رهکرکبهي ترک نهیں کرسکتا - اگر ایک مسلمان کے دل میں رائي برابر بهي ایمان کي محبت باقي رهگئي هے ' تو اُسکي طاقت سے باهر هے که الله کي یه صداے حق سنے ' اور از سر تا پا کانپ نه اُٹهے :

یا ایها الذین آمنوا ! ما لکم اذا قیـل لکـم انفـروا فـي سبیـل اللـه ' اثا قلتـم الـى الارض ؟ ارضیتـم بالحیـاة الـدنیا مـن الاخـرة ؟ فمـا متاع الحـیاة الـدنیا فی الاخرة الا قلیـل - (۹ : ۳۹)

مسلمانوں ! تمهیں کیا هوگیا هے که جب تم سے کہا جاتا هے " الله کي راه میں نکل کهڑے هو " تو تمهارے قدموں میں حرکت نهیں هوتي اور زمین پر ڈهیر هوے جاتے هو ؟ کیا تم نے آخرة چهوڑکر صرف دنیا هي کي زندگي پر قناعت کرلي ؟ اگر یهي بات هے تو یاد رکهو ' جس زندگي پر ریجهے بیٹهے هو ' وه آخرة کے مقـابله میں بالکل هي هیچ هے !

اسکے بعد فرمایا :

الا تنفروا ' یعذبکم عذاباً الیما و یستـبدل قوما غیـرکم ' ولا تضروه شیئا - والله علی کـل شيء قدیر ! (۹ : ۳۰)

یاد رکهو ! اگر تم نے حکم الهي سے سرتابي کي ' اور وقت کے آنے پر بهي راه حق میں کمر بسته نهوے ' تو الله نهایت هي سخت عذاب میں ڈالکر اسکي سزا دیگا اور تمهارے بدلے کسي دوسري قوم کو خدمت اسلام کیلیے کهڑا کردیگا - تم چهانت دیے جاؤگے - کلمۂ حق تمهارا محتاج نهیں هے - تم هی اپني زندگي و نجات کیلیے اُسکے محتاج هو !

اسلام اور مسلمانوں کي مخالفت ' اُنکي حکومتوں کے مٹانے ' اور اُنکي آبادیوں اور شهروں کو آپسمیں بانٹ لینے کیلیۓ کفار ایک دوسرے کے ساتهي اور حامي هیں :

والذین کفـروا بعضهـم اولیـاء بعـض -

جن لوگوں نے راه کفر اختیار کي تو وه ایک دوسرے کے ساتهي اور مددگار هیں -

مسلمانوں کي مخالفت ميں خزانوں کے خزانے خرچ کرڈالتے هيں :

والذين كفروا ينفقون اموالهم ليصـــدوا عن سبيل الله -	جن لوگوں نے راہ کفر اختيار کي ' تو وہ حق کي مخالفت ميں اپنا مال خرچ کررهے هيں-

پس مسلمانوں کي بهي سب سے بڑي اسلامي و ايماني خصلت يه قرار پائي که :

والمومنون والمومنات بعضهم اولياء بعض - (۹ : ۷۲)	مسلمان مرد اور مسلمان عورتيں باهم ايک دوسرے کي رفيق اور مددگار هيں !

اور اسي بنا پر مسلمانوں کا فرض ٹهرا که اگر دنيا کے کسي ايک اسلامي حصه پر غير مسلـــم حمله کريں اور وهاں کے مسلمان اُنکے مقابله کی کافي قوت نه رکهتے هوں ' يا بالکل مغلوب و مقهور هوگئے هوں ' تو تمام دوسرے حصص عالم کے مسلمانوں پر فرض هے که انکي ياوري و اعانت کيليے اُسي طرح اُٹهه کهڑے هوں - جس طرح خود اپني آباديوں کی حفاظت کيليے اُٹهتے - اور اپني جان و مال سے اُسي طرح مدد ديں ' جس طرح خود اپنے گهر بار کي حفاظت کيليے مدد ديتے -

يه نه کوئي نيا مذهبي اجتهاد هے ' نه کوئي پوليٹکل فتوى - تمام دنيا کے مسلمان فقه و قوانين شريعت کي جو کتابيں صديوں سے پڑهتے پڑهاتے آئے هيں ' اور جو چهپي هوئي بازاروں ميں هر جگه ملتي هيں ' اور جن پر خود هندوستاني عدالتوں ميں عمل کيا جارها هے ' اُن سب ميں يه احکام موجود هيں - اسلامي دينيات کا کوئي طالب علم ايسا نهيں مليگا جو ان حکموں سے بے خبر هو - اور پهر ان سب کے اوپر مسلمانوں کي کتاب الله هے جو اپنے هر پارہ اور هر سورة کے اندر اس حکم کا اعلان اور اس قانون کي پکار تيرہ صديوں سے بلند کررهي هے - نوع انساني کي کامل بيس نسليں گزر چکيں ' اور يه احکام اپني يکساں ' غير مبدل ' اٹل ' اور لا انتها طاقت کے ساتهه مسلمانوں کے دلوں پر حکمراني کررهے هيں !

" جهاد " کي بهت سے قسموں ميں سے ايک قسم " قتال " يعني لڑائي هے - اور اُسکي بهي دو صورتيں هيں - " هجوم " اور " دفاع " - يعني افنسو (Offensive) اور ڈيفنسو (Defensive) دراصل هجوم کي بنياد بهي دفاع هي هے - يعنے جب تک دنيا ميں عالم گير صلح و امن اور عام اخوت قائم نه هو جاے ' ضروري هوا که حريف و مفسد قوتوں سے هميشه

مقابلہ جاري رکھا جاے - اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو دشمن مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دینگے اور اسلام کي اشاعت اور اسکے مشن کي تبلیغ و تکمیل میں ہمیشہ مانع ہونگے-

فقہاء کي اصطلاح میں فرائض شرعیہ کي دو قسمیں ہیں - " کفایہ " اور " عین" - یہ وهي اعمال انساني کي قدرتي تقسیم ھے جسکو " جماعتي فرائض " اور " شخصي فرائض " کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ھے - " فرض کفایۃ " سے مقصود وہ احکام ہیں جو بہ حیثیت جماعت و اجتماع قوم پر فرض ہیں - نہ کہ بہ حیثیت فرد و انفراد - یعنے ایسے فرائض جو مسلمان جماعتوں اور آبادیوں کے ذمے عائد کردیے گئے ہیں کہ اُنکا انتظام کردیں - پس انتظام ہو جانا چاہیے - یہ ضروري نہیں کہ ہر فرد بہ ذات خاص اُس میں حصہ بھي لے- اگر ایک گروہ نے ایک وقت میں انجام دیدیا تو باقي مسلمانوں پر سے اُسوقت ساقط ہوگیا - جیسے تجہیز و تکفین اموات اور نماز جنازہ - البتہ ایک مسلمان کیلیے عزیمۃ اسي میں ہوگي کہ اداء فرض کفایہ میں بھي شخصاً حصہ لے -

فروض کفایہ میں شریعت کا خطاب اشخاص سے نہیں ھے بلکہ جماعت سے ھے پس ہر مسلمان جماعت اور آبادي کو اُسکا انتظام کر دینا چاہیے - جب انتظام ہوگیا تو اس آبادي کے بقیہ افراد پر اسکا وجوب باقي نہ رهیگا -

دوسري قسم " اعیان " کي ھے - یعنے وہ فرائض جنکي فرضیت جماعت پر نہیں بلکہ فرداً فرداً ہر مسلمان پر عائد ہوتي ھے - اور ایک کے کرنے سے دوسرا بري الذمہ نہیں ہو جاسکتا - جیسے پانچ وقت کي نماز، روزہ، زکوۃ، حج -

شرعاً قتال کي پہلي صورت (یعني ہجوم و مقابلہ کا دائمي سلسلہ) فرض کفایۃ ھے بحکم " و ما کان المومنون لینفروا کافۃ " - ضروري نہیں کہ بہ یک وقت ہر مسلمان اسمیں حصہ لے - ہر عہد اور ہر ملک میں مسلمانوں کي ایک جماعت ضرور ایسي ہوني چاہیے جو یہ فرض انجام دیتي رهے - اگر ایک جماعت انجام دے رهي ھے تو کافي ھے - جو مسلمان شریک ہوگا، اُسکے لیے بڑا اجر ھے - جو شریک نہ ہوگا، اسکے لیے کوئي گناہ نہیں = صاحب ہدایہ (جسکا انگریزي ترجمہ بھي ہوچکا ھے اور ہندوستاني عدالتوں میں محمڈن لا کي بنیادي کتاب ھے) لکھتے ہیں :

الجهاد فرض علی الکفایه - اذا قام فریق من الناس ' سقط عـــن البـــاقیـــن * * فان لم یقم به أحد ' أثم جمیـــع الناس بتـــرکه - لان الوجوب علی الکـل (کتاب السیر)

جہاد فرض کفایه هے - جب مسلمـــانوں کي کوئي ایک جماعت اسکے لیے کهڑي هوگئي ' تو باقي مسلمانوں کیلیے واجب نه رها - لیکن اگر کوئي گروه بهي اسکے لیے نه اُٹها ' تو پهر تمام مسلمان جہاد ترک کردینے کي وجه سے گناهگا ر هونگے - کیونکه فرض پوري قوم پر هے -

لیکن جماعت سے کیا مقصود هے ؟ تمام دنیا کے مسلمانوں کي مجموعي جماعت یا هر هر ملک اور اقلیم کي جماعت ؟ اسکي تشریح سعدي چلپي حاشیۂ عنایة میں کرتے هیں :

اقول لاینبغي ان یفهم منه ان الوجوب علی جمیـع اهل الارض کافـــة حتی یسقط عن اهل الهند بقیام اهل الروم ' اذ لا یندفع بقیـامهم الشر عن الهنـود المسلمین - و ان قولـــه تعالی قاتلوا الذین یلونکم من الکفـار یدل علی ان الوجوب علی اهل کل قطر یقربون الکفار - (مجموعۂ فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)

هدایه کي عبارت کا یه مطلب نه سمجها جاے که اگر ایک ملک کے مسلمانوں نے یه فرض ادا کردیا تو دوسرے ملک کے مسلمانوں پر سے بهي ساقط هوگیا - مثلاً اگر روم کے ترکوں نے جہاد قائم رکها تو هندوستان کے مسلمانوں پر سے ساقط هوگیا - کیونکه مقصود قیام جہاد سے یه هے که مسلمانوں پر سے دشمنوں کے حملوں اور شر کو دور کیـــا جاے - ظاهر هے که مسلمانان روم کے جہاد کرنے سے مسلمانان هند محفوظ نہیں هو جاسکتے - وه تو جبهي هونگے جب خود اپنے ملک میں اسکا انتظام کریں - پس مطلب یه هے که هر ملک کے مسلمانوں پر فرض کفایه هے - اگر اس ملک کے تمام مسلمانوں میں سے ایک جماعت یه فرض انجام دیتي رهي ' تو وهانکے بقیه مسلمانوں پر سے ساقط هوجائیگا - لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں پر فرضیت باقي رهیگي - قرآن میں هے : قاتلوا الذین یلونکم من الکفار - اس سے بهي یهي ثابت هوتا هے که اُن مسلمانوں پر جو دشمنوں سے قریب هوں ' قتال واجب هے - انتهی -

اس سے واضح هوگیا که اس فرض میں خطاب تمام مسلمانان عالم سے نہیں هے بلکه هر جماعت اور ملک کے مسلمانوں سے هے - اور علی الکفایه هونے کے معني یه نہیں هیں که تمام دنیاکے مسلمـــانوں میں سے کچهه

مسلمان اسکو انجام دیتے رهیں بلکه هر ملک کے مسلمانوں میں سے اُتنے مسلمانوں کو انجام دینا چاهیے جو حصول مقصد جهاد کیلیے کافي هو - پس ایک ملک میں سلسلۂ جهاد کے بقاء سے دوسرے ملک کے مسلمان بري الذمه نهیں هوسکتے اُنپر بدستور اسکا وجوب باقي رهیگا اور بصورت ترک وهاں کے تمام مسلمان گنه گار هونگے - گذشته پانچ صدیوں سے مسلمانان عالم نے اس فرض شرعي کو فراموش کردیا هے - اور صرف کسي ایک حصے کے مسلمانوں هي کے ذمه اس کو چھوڑ کر خود فارغ البال هوکر بیٹھه رهے هیں - اسي کا نتیجه هے که اعداء حق کو صدیوں کي صدیاں عروج و ظهور کیلیے مل گئیں ' اور مسلمانوں کیلیے تمام کرۂ ارضي میں کوئي ایک گوشۂ بھي امن و سکون کا باقي نهیں رها

و ما کان الله لیظلمهم و لکن کانوا انفسهم یظلمون !

اور فتح الباري میں هے " هو فرض کفایة علی المشهور ' الا ان تدعو الحاجة الیه " اسکے بعد کہا " و ان جنس جهاد الکفار متعین علی کل مسلم ' إما بیده ' و إما بلسانه ' و إما بما له ' و إما بقلبه " [جلد ۶ : ۲۸] یعني جهاد کي یه قسم فرض کفایه هے - باقي رها نفس جهاد ' تو وه هر مسلمان پر فرض عین هے ' کسي کیلیے هاتهه سے ' کسي کیلیے مال سے ' کسي کیلیے دل سے - یعني جس وقت ایک گروه هاتهه اور تلوار سے مشغول جهاد هوگا تو بقیه مسلمانوں پر دل اور زبان سے انکے لیے سعي و اعانت فرض هوگي - اور مال و دولت والوں کا فرض هوگا که مال سے مدد کریں -

اسي طرح اقناع میں هے " هو فرض کفایة اذا قام به من یکفی سقط وجوبه عن غیرهم " ابن ادریس اُسکي شرح میں لکھتے هیں " و معني الکفایة في الجهاد ان ینهض الیه قوم یکفون في جهادهم ' إما ان یکونوا جندا لهم دوا وین او یکونوا اعدوا انفسهم له تبرعاً و تکون في الثغور من یدفع العدو عنها و یبعث في کل سنة جیشا یغیرون علي العدو في بلادهم " (جلد ۱ - ۱۵۶)

یه صورت تو اُس قتال کي هے جسکي صورت حملۂ و هجوم کي هوگي ' دوسري قسم " دفاع " هے - یعني جب کوئي غیر مسلم جماعت مسلمانوں کي آبادیوں اور حکومتوں پر حمله کا قصد کرے ' تو اُس حملۂ و تسلط کو هر طرح مقابله کرکے روکنا ' اور اسلامي ملکوں اور آبادیوں کو غیر مسلموں کي حکومت اور هر طرح کے قبضۂ و اثر سے محفوظ رکھنا -

یہ فرض کفایہ نہیں ہے ' بلکہ بالاتفاق مثل نماز روزہ کے ہر مسلمان پر فرض عین ہے - ایک گروہ کے دفاع کرنے سے باقی مسلمان بری الذمہ نہیں ہوجاسکتے - جسطرح ایک گروہ کے نماز پڑھہ لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ نماز ساقط نہیں ہو جاتی - اسی ہدایہ میں ہے -

" الا ان یکون النفیر عاماً فحینئذ یصیر من فروض الاعیان "

نفیر " نفر " سے ہے - " نفر " کے معنی ہیں تیزی کے ساتھہ ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ جانا - پس قوم کے ایسے بلاوے اور اجتماع پر جو لڑائی کیلیے ہو " نفیر " کا اطلاق ہوا - قران میں ہے - انفروا خفافا و ثقالا - اور الا تنفروا - مطلب یہ ہے کہ اگر حفظ و دفاع کی ضرورت سے عام اجتماع و قیام کا وقت آ گیا ' تو پھر جنگ کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہوجاتا ہے -

ابن ہمام اسکی شرح میں لکھتے ہیں :

هذا اذا لم یکن النفیر عاماً ' فاذا کان النفیر عاماً بان هجموا علی بلدة من بلاد المسلمین ' فیصیر من فروض الاعیان سواء کان المستنفر عدلاً او فاسقاً -
(فتح القدیر - ۴ : ۲۸۰)

فرض کفایہ کی صورت اسوقت تک ہے کہ نفیر کی حالت نہو - لیکن اگر مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر غیر مسلموں نے حملہ کردیا ' تو اسوقت جنگ کرنا ہر مسلمان فرد پر فرض عین ہوجائیگا - خواہ جنگ کے لیے دعوت دینے والا عادل ہو یا فاسق -

اور عنایہ میں ہے :

ثم الجهاد یصیر فرض عین عند النفیر العام علی من یقرب من العدو وهو یقدر علیه - (مجموعه فتح القدیر - ۴ : ۲۸۱)

اور اگر نفیر عام کی حالت ہو ' تو پھر جہاد کرنا ان مسلمانوں پر فرض عین ہوجائیگا جو دشمن سے قریب ہوں اور اس پر قابو رکھتے ہوں -

اسی طرح سراجیہ ' در المختار ' شامی وغیرہ تمام کتب فقہ میں ہے - " اذا جاء النفیر ' انما یصیر فرض عین علی من یقرب من العدو " اور " الجهاد فرض کفایة اذا لم یکن النفر عاماً ' فاذا اقام به البعض ' یسقط عن الباقین - فاذا صار النفیر عاما ' فحینئذ یصیر من فروض الاعیان " الخ -

حملہ و هجوم کے دائمي جہاد میں (جب قتال فرض کفایہ ھے ھوتا) بعض جماعتیں مستثنی ھیں - مثـــلاً عورتیں اور نوکر - عورتوں کے لیے شوھر کي خدمت اور نوکر کیلیے آقا کي خدمت مقدم ھے - لیکن اگر دفاع کي صورت پیش آ گئي ھو تو اسکي فرضیۃ ایسي ھمہ گیر اور بالاتر ھے کہ بچوں اور معذوروں کے سوا کوئي گروہ ' کوئي فرد ' مستثنی نہیں ھوسکتا - بیوي بلا شوھر کي اجازت کے نکل کھڑي ھو - غلام بلا آقا کي اذن کے مشغول جہاد ھو جاے - ھدایہ میں ھے :

فان ھجم العدو علی بلد ' وجب علی جمیع الناس الدفع ' تخرج المرأۃ بغیر اذن زوجھا و العبـد بغیر اذن المولی - لانہ صار فـــرض عین ' و ملک الیمین ورق النکاح لا یظھـــر فی حق فروض الاعیان کما فی الصلوۃ و الصوم - بخلاف ما قبل النفیر ' لان بغیرھما مقنعا فلا ضرورۃ الی ابطال حـق المولی و الـــزوج - (کتاب السیر)

لیکن اگر دشمنوں نے کسی شہر پر حملہ کیا ' تو پھر تمام لوگوں پر دفاع فرض ھوگیا - بیوي بلا شوھر کي اجازت کے اور غلام بلا آقا کي اذن کے دفاع میں حصہ لے - اسلیے کہ اب جہاد فرض عین ھوگیا ' اور جو فرائض ایسے ھیں ' اُنپر مالکیت اور زوجیۃ کے حقوق موثر نہیں ھوسکتے - جیسے نماز اور روزہ - اگر نماز کا وقت آ گیا ھے تو عورت پر نماز فرض ھوگئي - شوھر کي اذن پر موقوف نہیں - البتہ نفیر سے پہلے یہ صورت نہ تھی - اُسوقت عورتوں اور غلاموں کی شرکت کے بغیر بھي یہ فرض ادا ھوسکتا تھا - پس ضرورت نہ تھی کہ شوھر اور آقا کے حقوق باطل کیے جائیں -

ھم نے ھدایہ اور متداول کتب فقہ کی عبارتیں سب سے پہلے اسلیـــے نقل کیں کہ ان کتابوں کے نام سے ھندوستان کی سرکاري عدالتیں بھی آشنا ھیں - اور انگریزي میں محمدن لا پر جسقدر کتابیں لکھی گئي ھیں ' سب میں ان کا حوالہ موجود ھے - پس بآسانی دیکھہ لیا جاسکتا ھے کہ فی الحقیقت اسلام کے احکام شرعي یہي ھیں یا نہیں ؟ ورنہ تمام کتب تفسیر و حدیث میں بھی یہ احکام موجود ھیں - امام بخاري نے باب باندھا ھے " وجوب النفیر " یعنے جب حفظ ملت کی ضرورت پیش آ جاے تو قتال کیلیے سب کا اُتھہ کھڑا ھونا واجب ھے - پھر آیۃ " انفروا خفافاً و ثقالاً " اور " مالکم اذا قیل لکم انفروا " الخ سے وجوب پر استدلال کیا ھے - اسکے بعد حضرۃ ابن عباس کي روایت درج کی ھے " لا ھجرۃ بعد الفتح

و لکن جہاد و نیۃ و اذا استنفرتم فاستنفروا " یعنی وہ جو اوائل اسلام میں ایک خاص طرح کی ھجرۃ فرض ھوئی تھي ' تو فتح مکہ کے بعد اسکي ضرورت نہیں رھي - البتہ جہاد اور عزم جہاد قیامت تک باقي ھے - تو جب جمع ھونے کیلیے پکارے جاؤ ' جمع ھو جاؤ اور جہاد کرو -

فتح الباري میں ھے " الا ان تدعوا الحاجۃ الیہ کان یدھم العدو و یتعین علی من عینہ الامام " (جلد ۶ : ۲۸)

اور موطا امام مالک میں ھے " اذا کان الکفار مستقرین ببلاد ھم ' فالجہاد فرض کفایۃ ' ان اقام بہ بعضھم سقط الحرج عن الباقین ' و اذا قصدوا بلادنا و استنفر الامام المسلمین ' وجب علی الاعیان " یعنی اگر کفار اپنے اپنے ملکوں میں ھیں - مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ھوے ھیں - تو اس حالت میں جہاد فرض کفایہ ھے - لیکن جب وہ ھمارے ملکوں کا قصد کریں اور امیر اسلام نفیر کا اعلان کرے تو پھر فرض عین ھو جائیگا -

چونکہ جابجا " نفیر " کا لفظ آیا ھے ' اسلیے یہ بات بھي صاف ھوجاني چاھیے کہ نفیر عام سے مقصود کیا ھے ؟ یہ مقصود ھے کہ دفاع کي ضرورت پیش آ جاے اور ھر شخص کو اُسکا علم ھو جاے - یا یہ مقصود ھے کہ جب تک کوئي بلانے والا مسلمانوں کو نہ بلائیگا ' نفیر عام کي حالت پیدا نہ ھوگي ؟ اسکا جواب شاہ ولي اللہ نے موطا کي شرح میں دیدیا ھے :

" نزدیک استنفار جہاد فرض علی الاعیان مي شود - استنفار را چوں منقح کنیم حاصل شود حالتی کہ مقتضاي استنفار شدہ است از قصد کفار بلاد مارا ' و قیام حرب درمیان جیوش مسلمین و کافرین ' و عدم کفایہ ازاں مسلماناں ' و انچہ بداں ماند " (مسوی جلد ۲ - ۱۲۹)

شاہ صاحب کے بیان سے یہ بات واضح ھوگئي کہ نفیر کي صورت کیا ھے ؟ تو یہ ضرور نہیں کہ کوئي خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہکر پکارے کہ آؤ جہاد کرو - مقصود یہ ھے کہ ایسي حالت پیدا ھو جاے جو مقتضاے نفیر ھے - پس جب غیر مسلموں نے اسلامي ملکوں کا قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائي شروع ھوگئي تو جہاد فرض ھوگیا ' اور جب دشمنوں کي طاقت اُن ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوي ھوئي اور انکے شکست کا خوف ھوا ' تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانان عالم پر فرض ھوگیا - خواہ کوئي پکارے یا نہ پکارے - پکارنے والا نہیں ھے تو یہ مسلمانوں

کي بدنظمي و بدحالي هے - انکا فرض هوگا که داعي و امير کا انتظام کريں
يهی حال تمام فرائض کا هے - نماز کا جب وقت آ جاے تو خواه مؤذن کي
صداے " حي علی الصلاة " سنائي دے يا نه دے ' وقت کا آ جانا وجوب
کيليے کافي هوتا هے -

فصل

(ترتيب وجوب دفاع)

جب دفاع کا فرض عين هونا واضح هوگيا ' تو اب معلوم هونا چاهيے که
اس فرض کي انجام دهي کيليے شريعت نے ايک خاص ترتيب اختيار کي
هے - عقل و حکمت کي بنا پر وهي اس معامله کي قدرتي اور صحيح
ترتيب هوسکتي تهي - صورت اسکي يه هے که جب غير مسلموں نے کسي
اسلامي حکومت اور آبادي کا قصد کيا ' تو اس شهر کے تمام مسلمانوں
پر به مجرد قصد اعداء ' دفاع فرض عين هوگيا - باقي رهے ديگر ممالک کے
مسلمان ' تو اگر زير جنگ مقامات کے مسلمان دشمن کے مقابلـــه کے ليے
کافي قوت نهيں رکهتے - دشمن بهت زياده قــوي هے - يا رکهتے هيں اور
غفلت و تساهل کرنے لگے هيں ' تو اس حالت ميں يکے بعد ديگرے تمام
دنيا کے مسلمـــانوں پر بهی دفاع فرض عين هوجائيگا - بالکل اسيطرح جيسے
نماز اور روزه -

مگر صورت اس کي يوں هوگي که پہلے ان مقامات سے قريب تر مقام کے
مسلمانوں پر واجب هوگا - پهر ان سے قريب تر پر - پهر ان سے قريب تر پر -
حتی که مغرب و مشرق جنوب و شمال ' تمام اکنـــاف عالم کے مسلمانوں پر
يکے بعد ديگرے فرضيت عائد هوجائيگي -

اسوقت سارے فرائض ' سارے وظائف ' سارے کام ' ملتوي کردينے
چاهيئيں - بمجرد اطلاع هر مسلمان کو اپنی تمام قوتوں اور تمام سامانوں کے
ساتهه وقف دفاع ملت و جهاد في سبيل الله هوجانا چاهيے - اور قيام دفاع
کے ليے شرعاً جن جن رسائل و انتظامات کي ضرورت هے ' سب کو مل جلکر
انکا انصرام کرنا چاهيے - اگر کسي آبادي ميں مسلمانوں کا کوئي امام و پيشوا
نهيں هے جو نظم و قيام اپنے هاتهه ميں لے تو سب کا فرض هوگا که پہلے امام

و امیر کا انتظام کریں - پھر جن جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کے حصول کے لیے ہر ممکن تدبیر و سعي کام میں لائیں - اگر ایسا نہ کیا گیا تو سب اللہ کے حضور جوابدہ ہونگے - سب مبتلاے معصیت و فسق ہونگے - ایسي معصیت ، ایسا فسق ، ایسا عدوان ، ایسا نفاق ، جس کے بعد صرف کفر ھي کا درجہ ھے -

اگر قیامت کا آنا حق ھے ، اور یہ جھوٹ نہیں کہ خدا کا رجوع ھے ، تو مسلمانان عالم کے پاس اُسوقت کیا جواب ہوگا ، جب قیامت کے دن پوچھا جائیگا کہ تم کروڑوں کي تعداد میں زندۂ و سلامت موجود تھے - تمھارے جسموں سے روح کھینچ نہیں لي گئي تھي - تمھاری قوتوں کو سلب نہیں کرلیا گیا تھا - تمھارے کان بہرے نہ تھے نہ ھاتھہ کٹے ھوے اور پانؤں لنگڑے - پھر تمھیں کیا ہوگیا تھا کہ تمھارے سامنے تمھارے بھائیوں کي گردنوں پر دشمنوں کي تلواریں چل گئیں - وطن سے بے وطن اور گھر سے بے گھر ہوگئے - اسلام کي آبادیاں غیروں کے قبضۂ و تسلط سے پامال ہوگئیں - پر نہ تو تمھارے دلوں میں جنبش ھوئي ، نہ تمھارے قدموں میں حرکت ہوئی ، نہ تمھاری آنکھوں نے محبت و ماتم کا ایک آنسو بخشا ، اور نہ تمھارے خزانوں پر سے بخل و زر پرستي کے قفل ٹوٹے ؟ تم نے چین اور آرام کے بستروں پر لیٹ لیٹ کر بربادی ملت اور پامالي اسلام کا یہ خونین تماشہ دیکھا ، اور اُس بے درد تماشائي کي طرح بے حس و حرکت تکتے رھے جو سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر ڈوبتے ھوے جہازوں اور بہتي ہوئي لاشوں کا نظارہ کر رھا ہو ! ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ ؟ فما حیاۃ الدنیا الا قلیل !

فتح القدیر میں ھے :

فیجب علی جمیع اھل تلک البلدۃ النفر ، وکذا من یقرب منھم ان لم یکن باھلھا کفایۃ ، وکذا من یقرب ممن یقرب ان لم یکن بمن یقرب کفایۃ ، او تکاسلوا ، او عصوا ، وھکذا الی ان یجب علی جمیع اھل الاسلام شرقاً و غرباً - (جلد ۴ - صفحہ - ۸۲۰)

اگر غیر مسلموں نے حملہ کیا تو پھر اُس شہر کے تمام باشندوں پر دفاع کے لیے اُٹھہ کھڑا ہونا فرض عین ہوجائیگا - اور اگر دشمن زیادہ طاقتور ھیں اور مقابلہ کیلیے وھاں کے مسلمان کافي نہیں ، تو جو مسلمان اُنسے قریب ہونگے ، انپر بھي فرض عین ہو جائیگا - اور اگر وہ بھي کافي نہیں ، یا انھوں نے سستي کي ، یا دانستہ انکار کیا ، تو پھر اُن تمام لوگوں پر جو اُن سے قریب

هوں یہ فرض عائد ہوگا - اسي طرح یکے بعد دیگرے اسکا رجوب منتقل ہوتا جائیگا - حتی کہ تمام مسلمانوں پر مشرق میں ہوں یا مغرب میں ، دفاع کے لیے اُٹھہ کھڑا ہونا فرض ہوجائیگا - انتہی -

ایسا ھي تمام کتب معتمدۂ فقہ و حدیث میں ہے - عبارتوں کے نقل و ترجمہ میں طول ہوگا - رد المختار وغیرہ شروح میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے :
" فاما من ورائهم ببعد من العدو ، فهو فرض كفاية عليهم حتى يسعهم تركه ، اذا لم يحتيج اليهم بان عجز من كان يقرب من العدو عن المقاومة ، او لم يعجزوا عنها لكنهم تكاسلوا ، فانه يفترض على من يليه فرض كالصلوة والصوم لا يسعهم تركه ، وثم وثم ، الى ان يفترض على جميع اهل الاسلام شرقاً وغرباً "

اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے " ثم الجهاد يصير فرض عين عند النفير العام على من يقرب من العدو وهو يقدر عليه ، واما من ورائهم فلا يكون فرضا عليهم الا اذا احتيج اليهم ، اما لعجز القريب واما للتكاسل ، فحينئذ يفرض على من يليهم " الخ -

اور شرح موطا میں ہے " فان لم تقع الكفاية بمن نزل بهم ، يجب على من بعد منهم من المسلمين عونهم " (جلد ۲ - ۱۲۹)

البتہ یاد رہے کہ یہ دفاع کي عام صورت ہے - لیکن دو حالتیں شرعاً ایسي بھی ھیں ، جن میں رجوب دفاع کیلیے یکے بعد دیگرے اس ترتیب اور الاقرب فالاقرب کي ضرورت باقي نہیں رہتي - بیک رقت اور بیک دفعہ ھي تمام مسلمانانِ عالم پر دفاع فرض ہوجاتا ہے -

پہلي حالت یہ ہے کہ خلیفۂ رقت تمام مسلمانان عالم سے طالب اعانت ہو یا اُسکي بے بسي و بیچارگي کي حالت ایسي ہوجاے کہ بلا تمام مسلمانان عالم کي مجموعي اِعانت کے مخلصي و فتح ممکن نہو -

دوسري صورت یہ ہے کہ اسلام کے عین مرکزي مقام یعني جزیرۂ عرب پر غیر مسلم حملہ آور ہوں جنکو ہمیشہ غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسي حصہ میں بستا ہو - تفصیل اسکي آگے آتي ہے -

جزیرۂ عرب و بلاد مقدسہ

فصل

(مرکز ارضي)

کوئي قوم زندہ نہیں رہسکتي ' جب تک اس کا کوئی ارضي مرکز نہو - کوئی تعلیم باقي نہیں رہسکتي ' جب تک اُسکي ایک قائم و جاري درسگاہ نہ ہو - کوئی دریا جاری نہیں رہسکتا ' جب تک ایک محفوظ سر چشمہ سے اُس کا لگاؤ نہ ہو -

نظام شمسي کا ہر ستارہ روشنی اور حرارت صرف اپنے مرکز شمسي هي سے حاصل کرتا ہے - اُسی کي بالا تر جاذبیۃ ہے جسنے یہ پورا معلق کارخانہ سنبھال رکھا ہے ! اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمد ترونہا ' ثم استوی علی العرش ' و سخر الشمس و القمر ' کل یجري لاجل مسمی ! (۱۳ : ۲)

یہي قانون الہي ہے جسپر اُسکي شریعت کے تمام جماعتی احکام مبني هیں - پس جس طرح اسلام نے امت کے بقا اور حق و ہدایت کے قیام کے لیے ہر طرح کے مرکز قرار دیے ' ضرور تھا کہ ایک ارضي مرکز بھی قیامت تک کیلیے قرار دیدیا جاتا -

اُن بے شمار مصلحتوں اور حکمتوں کي بنا پر جنکي تشریح کا یہ موقعہ نہیں ' اسلام نے اس غرض سے سر زمیں حجاز کو منتخب کیا - یہی ناف زمیں دنیا کی آخری اور دائمي ہدایت و سعادت کے لیے مرکزي سر چشمہ اور روحانی درسگاہ قرار پائي - اور چونکہ سر زمین حجاز جزیرۂ عرب میں واقع تھی ' وھي اسلام کا اولین موطن ' وھي اس کا سب سے پہلا سر چشمہ تھا ' اسلیے ضرور تھا کہ اسلامي مرکز کے قریبي گرد و پیش کا بھي وھي حکم ہوتا جو اصل مرکز کا - لہذا یہ تمام سر زمین بھي - کہ حجاز کي " وادی غیر ذي زرع " کو گھیرے ہوے ہے ' اسي حکم میں داخل ہو گئي - ذلک تقدیر العزیز العلیم !

" مرکز ارضی " سے مقصـــود یہ ھے کہ اسلام کي دعوۃ ایک عالمگیر اور دنیا کي بین الملي دعوۃ تھي - وہ کسي خاص ملک اور قوم میں محدود نہ تھي - مسلمانوں کي قومیت کے اجزاء تمام کرۂ ارضي میں بکھر جانے اور پھیل جانے والے تھے - پس ان بکھرے ھوے اجزاء کو ایک دائمی متحدہ قومیت کي ترکیب میں قائم رکھنے کیلیے ضروري تھا کہ کوئي ایک مقام ایسا مخصوص کردیا جاتا ' جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کیلیے اتحاد و انضمام کا مرکزی نقطہ ھوتا - سارے بکھرے ھوے اجزاء وھاں پہنچکر سمٹ جاتے - تمام پھیلي ھوئي شاخیں وھاں اکٹھي ھوکر جڑ جاتیں - ھر شاخ کو اُس جڑ سے زندگي ملتي ' ھر نہر اُس سر چشمہ سے سیراب ھوتي - ھر ستارہ اُس سورج سے روشني اور گرمي لیتا - ھر دوري اُس سے قرب پاتي - ھر فصل کو اُس سے مواصلت ملتي - ھر انتشار کو اُس سے اتحاد و یگانگي حاصل ھوتی -

وھي مقام تمام اُمت کي تعلیم و ھدایت کیلیے ایک وسطي درسگاہ کا کام دیتا - وھي تمام کرۂ ارضي کی پھیلی ھوئي کثرت کیلیے نقطۂ وحدت ھوتا - ساری دنیا ٹھنڈي پڑ جاتي ' پر اُسکا تنور کبھي نہ بجھتا - ساري دنیا تاریک ھوجاتی ' مگر اُسکي روشني کبھي گل نہ ھوتي - اگر تمام دنیا اولاد آدم کے باھمي جنگ و جدال اور فتنۂ و فساد سے خون ریزي کی دوزخ بن جاتي ' پھر بھي ایک گوشۂ قدس ایسا رھتا جو ھمیشہ امن و رحمت کا بہشت ھوتا ' اور انساني فتنۂ و فساد کي پرچھائیں بھي وھاں نہ پڑ سکتي -

اُسکا ایک ایک چپہ مقدس ھوتا ' اُسکا ایک ایک کونہ خدا کے نام پر محترم ھو جاتا ' اُسکا ایک ایک ذرہ اسکے جلال و قدوسیت کا جلوۂ گاہ ھوتا - خونریز اور سرکش انسان ھر مقام کو اپنے ظلم و فساد کي نجاست سے آلودہ کر سکتا ' پر اُسکي فضاء مقدس ھمیشہ پاک و محفوظ رھتی ' اور جب زمین کے ھر گوشے میں انسانی سرکشی اپني مجرمانہ خداوندی کا اعلان کرتي تو وھاں خدا کي سچی پادشاھت کا تخت عظمت و اجلال بچھہ جاتا ' اور اسکا ظل عاطفت تمام بندگان حق کو اپني طرف کھینچ بلاتا -

دنیا پر کفر و شرک کے جماؤ اور اُتھان کا کیسا ھي سخت اور برا وقت آجاتا ' مگر سچي توحید اور بے میل خدا پرستي کا وہ ایک ایسا گھر ھوتا ' جہاں خدا اور اُسکي صداقت کے سوا نہ کسي خیال کي پہنچ ھوتي ' نہ کسي صدا کی گونج اُٹھہ سکتی -

وہ انسان کی پھیلی ہوئی نسل کیلیے ایک مشترک اور عالمگیر گھر ہوتا - کٹ کٹ کر قومیں وہاں جڑتیں ' اور بکھر بکھر کے نسلیں وہاں سمٹتیں - پرند جس طرح اپنے آشیانوں کی طرف اُڑتے ہیں ' اور پروانوں کو تم نے دیکھا کہ روشنی کی طرف دوڑتے - ٹھیک اِسی طرح انسانوں کے گروہ اور قوموں کے قافلے اُسکی طرف دوڑتے ' اور زمین کی خشکی و تری کی وہ ساری راہیں جو اُس تک پہنچ سکتیں ' ہمیشہ مسافروں اور قافلوں سے بھری رہتیں -

دنیا بھر کے زخمی دل وہاں پہنچتے اور شفا اور تندرستی کا مرہم پاتے - بیقرار و مضطر روحوں کیلیے اُسکے آغوش گرم میں آرام و سکون کی ٹھنڈک ہوتی - گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم وہاں لائے جاتے ' اور محرومی و نامرادی کی مایوسیوں سے گھائل دل چیختے اور تڑپتے ہوے اُس کی جانب دوڑتے ' تو اسکی پاک ہوا امید و مراد کی عطر بیزی سے مشکبار ہوجاتی ' اسکے پہاڑوں کی چوٹیاں خدا کی محبت و بخشش کے بادلوں میں چھپ جاتیں ' اور اُس کی مقدس فضاء میں رحمت کے فرشتے غول در غول اُتر کر اپنی معصوم مسکراہٹ اور اپنے پاک نغموں کے ساتھہ مغفرت و قبولیت کی بشارتیں بانٹتے !

شاخوں کی شادابی جڑ پر موقوف ہے - درختوں کی جڑ اگر سلامت ہے تو شاخوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ اُجڑ نہیں جا سکتا - دس ٹہنیاں کاٹ دی جائینگی ' تو بیس نئی نکل آئینگی - اسی طرح قوم کا مرکز ارضی اگر محفوظ ہے ' تو اسکے بکھرے ہوے ٹکڑوں کی بربادی سے قوم نہیں مٹ جاسکتی - سارے ٹکڑے مٹ جائیں ' مگر مرکز باقی ہے تو پھر نئی نئی شاخیں پھوٹینگی اور نئی نئی زندگیاں اُبھرینگی - پس جس طرح مسلمانوں کے اجتماعی دائرہ کیلیے خلیفۂ و امام کے وجود کو مرکز ٹھہرایا گیا ' اُسی طرح اُنکی ارضی وسعت و انتشار کیلیے عبادتکدۂ ابراہیمی کا کعبة اللہ ' اسکی سرزمین حجاز ' اور اُسکا ملک جزیرۂ عرب ' دائمی مرکز قرار پایا - یہی معنی ان آیات کریمہ کے ہیں کہ :

جعـــل اللہ الکعبـــة البیت الحـرام قیاماً للناس (۵ : ۱۰۰)	اللہ نے کعبہ کو کہ اسکا محترم گھر ہے ' انسانوں کے بقاؤ قیام کا باعث ٹھہرایا -

و ان جعلنا البيت مثابة للناس و امنا (۲:۱۲۵)	اور جب ایسا ہوا کہ ہم نے خانۂ کعبہ کو انسانوں کیلیے اجتماع کا مرکز اور امن کا گھر بنایا۔

اور

من دخلہ کان امنا (۳ : ۹۷)	جو اسکے حدود کے اندر پہنچ گیا، اسکے لیے کسي طرح کا خوف اور ڈر نہیں -

اور یہي علت تھي تحویل قبلہ کي - نہ وہ جو لوگوں نے سمجھي :

و حیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطرہ (۲:۱۵۰)	اور تم کہیں بھي ہو، لیکن چاهیے کہ اپنا رخ اسي کي جانب رکھو !

کیونکہ جب یہي مقام ارضي مرکز قرار پایا، تو تمام افراد قوم کیلیے لازمي ہوا کہ جہاں کہیں بھي ہوں، رخ اُنکا اسي طرف رہے - اور دن میں پانچ مرتبہ اپنے قومي مرکز کے طرف متوجہ ہوتے رہیں - اور یاد رہے کہ من جملہ بے شمار مصالح و حکم کے، ایک بڑي مصلحت فریضۂ حج میں یہ بھي ہے کہ ساري اُمت، تمام کرۂ ارضي، اور تمام اقوام عالم کو، اس نقطۂ مرکز سے دائمي پیوستگي بخشدي :

و اذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (۲۲ : ۲۸)	اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو - پھر ایسا ہوگا کہ ساري دنیا کو یہ گوشۂ برکت کھینچ بلائیگا - لوگوں کے پیادے اور سوار قافلے دور دور سے یہاں پہنچیں گے !

فصل

(احکام شرعیہ)

اس مرکز کے قیام و بقاء کیلیے سب سے پہلی بات یہ تھي کہ دائمي طور پر اسکو صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جبتک یہ خصوصیت قائم نہ کي جاتی، امت کیلیے اس مرکزیت کے مطلوبہ مقاصد و مصالح حاصل نہ ہوتے -

---

چنانچہ اسی بنا پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا : انما المشرکون نجس، فلا یقربو المسجد الحرام بعد عامهم هذا - مسجد حرام کے حدود صرف توحید کي پاکي کیلیے مخصوص ہیں - اب آیندہ کوئي غیر مسلم اس کے

قریب بھی نہ آنے پاے - یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں ' بلکہ کسی حال میں داخل بھی نہ ہوں - جمہور اہل اسلام نے اتفاق کیا کہ مسجد حرام سے مقصود صرف احاطۂ کعبہ ہی نہیں ہے' بلکہ تمام سر زمین حرم ہے - اور دلائل و مباحث اسکے اپنے مقام پر درج ہیں -

اور اسی طرح احادیث صحیحۂ و کثیرہ سے جو حضرۃ علی ' سعد بن وقاص ' انس ' جابر ' ابو ہریرہ ' عبد اللہ بن زید ' رافع بن خدیج ' سہل بن حنیف ' وغیرہم اجلۂ صحابہ سے مروی ہیں ' ثابت ہوچکا ہے کہ مدینہ کی زمین بھی مثل مکہ کے حرم ہے ' اور عیر و ثور اسکے حدود ہیں - " المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور " اخرجہ الشیخان - اور روایت سعد کہ " انی احرم ما بین لابتی المدینہ ان یقطع عضا ہا او یقتل صیدہا " رواہ مسلم - اور روایت انس متفق علیہ کہ " اللہم ان ابراہیم حرم مکہ ' و انی احرم ما بین لابتیہا " (۱) خدایا ! ابراہیم نے مکہ کو حرم ٹھہرایا اور میں مدینہ کو ٹھہراتا ہوں !

یہ احکام تو خاص اس مرکز کی نسبت تھے - باقی رہا اسکا گرد و پیش ' یعنی جزیرۂ عرب ' تو گو اسکے لیے اسقدر اہتمام کی ضرورت نہ تھی ' تاہم اسکا خالص اسلامی ملک ہونا ضروری تھا - تا کہ اسلامی مرکز کا گرد و پیش اور اسکا مولد و منشاء ہمیشہ غیروں کے اثر سے محفوظ رہے -

اسلام کا جب ظہور ہوا تو علاوہ مشرکین عرب کے یہود و نصارا کی بھی ایک بڑی جماعت جزیرۂ عرب میں آباد تھی - مدینہ میں یہودیوں کے متعدد قبیلے تھے - خیبر میں انہی کی ریاست تھی - یمن میں نجران عیسائیوں کا بڑا مرکز تھا -

مدینہ کی سر زمین خود آپکی زندگی ہی میں یہودیوں سے خالی ہوگئی - آخری جماعت جو مدینہ سے خارج کی گئی ' بنو قینقاع اور بنو حارثہ کا گروہ تھا - امام مسلم نے ابن عمر کا قول نقل کیا ہے " ان یہود بنی النضیر حاربوا رسول اللہ صلعم فاجلی بنی النضیر و اقر قریظہ و من علیہم' حتی حاربت قریظہ' فقتل رجالہم و قسم اولادہم و نسائہم بین المسلمین

---

(۱) زیادہ مفصل بحث رسالہ " جامع الشواہد " میں لکھہ چکا ہوں - اِس رسالہ کا اصل موضوع مسئلہ خلافت ہے - یہ تذکرہ ضمناً آگیا ہے - پس اشارات پر اکتفا کیا گیا -

الا بعضهم لحقوا برسول الله فامنهم و اسلموا ' و اجلی یهود المدینة کلهم بني قینقاع و هم قوم عبد الله بن سلام و یهود بني حارثه ' و کل یهودي کان بالمدینه "

بخاري و مسلم میں اس آخري اخراج کا واقعہ بروایت حضرۃ ابو هریرۃ مروي هے - آپ صحابه کو ساتهه لیکر یهودیوں کي تعلیم گاه میں تشریف لیگئے اور فرمایا " یا معشر الیهود ! اسلموا تسلموا " اسلام قبول کرو - نجات پاؤگے - پهر فرمایا " اعلموا ان الارض لله و رسوله و اني ارید ان اجلیکم من هذه الارض ' فمن وجد منکم بماله شیئاً فلیبعه ' و الا ' فاعلموا ان الارض لله و رسوله " میں نے اراده کرلیا هے که تم کو اس ملک سے خارج کردوں - پس اپنا مال و متاع فروخت کرنا چاهو تو کردو - ورنه جان رکهو که اس ملک کي حکومت صرف الله اور اسکے رسول هي کیلیے هے -

جب آپ دنیا سے تشریف لیگئے تو دو مقام ایسے رهگئے تهے جهاں سے یهود و نصارا کا اخراج نه هوسکا تها - خیبر اور نجران - پس آپنے وصیت فرمائي که آینده جزیرۂ عرب صرف اسلام کیلیے مخصوص کردیا جاے - جو غیر مسلم اس ملک میں باقي رهگئے هیں ' خارج کردیے جائیں - امام بخاری نے باب باندها هے " اخراج الیهود من جزیرۃ العرب " اسمیں پهلي روایت یهود مدینه کے اخراج کي لاے هیں جو اوپر گزرچکي - دوسري روایت حضرت ابن عباس کي هے - آنحضرۃ صلعم نے مرض الموت میں تین باتوں کي وصیت فرمائي تهي - ایک یه تهي " اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب " حافظ ابن حجر لکهتے هیں " اقتصر علی ذکر الیهود لانهم یوحدون الله تعالی الا القلیل و مع ذلك امر باخراجهم ' فیکون اخراج غیرهم من الکفار بطریق اولی " (فتح الباري - ۶ : ۱۹۴) یعنی امام بخاری نے عنوان باب میں صرف یهود کا ذکر کیا - اسمیں استدلال یه هے که تمام غیر مسلم اقوام میں یهودي سب سے زیاده توحید کے قائل هیں - انکو خارج کیا گیا تو دیگر مذاهب کے اخراج کا وجوب بدرجۂ اولی ثابت هوگیا - پس حاجت تصریح نهیں -

حضرۃ عمر کي روایت میں " یهود و نصاری " کا لفظ هے " لاخرجن الیهود و النصاری من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلما " رواه مسلم و احمد و الترمذي و صححه - ابو عبیده بن جراح سے امام احمد نے روایت کیا هے : " اخر ما تکلم به رسول الله صلعم اخرجوا یهود اهل الحجاز و اهل نجران من جزیرۃ العرب " حضرۃ عائشه کي روایت میں اسکي علت بهي واضح کردي

ہے " آخر ما عہد رسول اللہ صلعم ان قال لا یترک بجزیرۃ العرب دنیان "
رواہ احمد - یعنی سب سے آخری وصیت رسول اللہ کی یہ تھی کہ جزیرۂ
عرب میں دو دین جمع نہ ہوں - صرف اسلام ہی کیلیے مخصوص ہوجاے -
امام مالک نے موطا میں عمر بن عبد العزیز اور ابن شہاب کے مراسیل نقل
کیے ہیں اور مصمودی و غیرہم نے باب باندھا ہے " اخراج الیہود و النصاری
من جزیرۃ العرب " عمر ابن عبد العزیز کی روایت میں ہے : " کان من آخر
ما تکلم بہ رسول اللہ صلعم انہ قال قاتل اللہ الیہود و النصاری ' اتخذوا قبور
انبیائہم مساجد - لا یبقیان دنیان بارض العرب " اور ابن شہاب کا لفظ ہے
" لا یجتمع دنیان فی جزیرۃ العرب "

حضرۃ عمر ابن عبد العزیز نے آخر تکلم " قاتل اللہ الیہود و النصاری "
جو نقل کیا ہے ' تو حضرۃ عائشہ سے صحیحین وغیرہا میں بطریق رفع بھی
ثابت ہے -

حافظ نواوی نے گو امام بخاری کا اتباع کیا اور " اجــلاء الیہــود "
کا باب استدلالاً کافی سمجھا ' لیکن حافظ منذری نے تلخیص مسلم میں
" اخراج الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب " کا الگ باب باندھکر جزیرۂ عرب
والی روایتیں روایات اجلاء یہود سے الگ کردی ہیں - یہ وصیۃ نبوی علاوہ
طرق بالا کے مسند امام احمد ' مسند حمیدی ' سنن بیہقی وغیرہ میں
بھی مختلف طریقوں سے مروی ہے ' اور سب کا مضمون متحد اور باہمدگر
اجمال و تبیین اور اعتضاد و تقویت کا حکم رکھتا ہے -

احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں - ایک قسم اُن احکام کی ہے جنکا تعلق
افراد کی اصلاح و تزکیہ سے ہوتا ہے - جیسے تمام اوامر و نواہی اور فرائض
و واجبات - دوسرے وہ ہیں جنکا تعلق افراد سے نہیں بلکہ اُمت کے قومی اور
اجتماعی فرائض اور ملکی سیاسییات سے ہوتا ہے - جیسے فتح ممالک اور
قوانین سیاسیۂ و ملکیہ -

سنۃ الہی یوں واقع ہوئی ہے کہ پہلی قسم کے احکام خود شارع کی
زندگی ہی میں تکمیل تک پہنچ جاتے ہیں ' اور وہ دنیا نہیں چھوڑتا مگر
اُنکی تکمیل کا اعلاں کرکے - لیکن دوسری قسم کے لیے ایسا ہونا ضروری
نہیں - بسا احکام ایسے ہوتے ہیں جنکے نفاذ و وقوع کے لیے ایک خاص وقت
مطلوب ہوتا ہے اور وہ شارع کے بعد بتدریج تکمیل و تنفیذ پاتے ہیں - پس

اُن کي لسبت یا تو بطریق پیشین گوئي کے خبر دیدي جاتي ھے - یا اپنے جانشینوں کو وصیت کردي جاتي ھے -

یه معامله اسي دوسري قسم میں داخل تھا - پس ضرور نه تھا که اس کا پورا پورا نفاذ خود آنحضرة صلعم کي حیات طیبه ھي میں ھوجاتا - آپ نے یہود مدینه کے اخراج سے عملاً نفاذ شروع کردیا - یہود خیبر سے ابتدا ھي میں شرط کرلي تھي که جب ضرورت ھوگي ' اس سر زمین سے خارج کردیے جاؤگے - پھر تکمیل کیلیے اپنے جانشینوں کو وصیت فرمادي - چنانچه حضرة عمر (رض) کے زمانے میں تکمیل کا وقت آ گیا - اور یہود خیبر نے طرح طرح کي شرارتیں اور نا فرمانیاں کرکے خود ھي اس کا موقعه بہم پہنچادیا - پس حضرة عمر نے اس وصیت کي تحقیق کي ' اور جب پوري طرح تصدیق ھوگئي تو تمام صحابه کو جمع کر کے اعلان کردیا - سب نے اتفاق کیا ' اور یہود خیبر و فدک خارج کردیے گئے - اسي طرح نجران سے بھي عیسائیوں کا اخراج عمل میں آیا - امام زھري نے ابن عتبه سے اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کیا ھے " ما زال عمر حتی وجد الثبت عن رسول اللــه انه قال لا یجتمع بجزیرة العرب دینان ' فقال من کان له من اھل الکتابین عھد فلیات به ' انفــذ له ' و الا فاني مجلیکم ' فاجلا ھم " (اخرجــه ابن ابي شیبه)

امام بخاری نے یہود خیبر کے اخراج کا واقعه کتاب الشروط کے باب " اذا اشترط فی المزارعة اذا شئت اخرجتک " میں درج کیا ھے ' اور ترجمۂ باب میں استدلال ھے که یہود خیبر کا تقرر پہلے ھي سے عارضي و مشروط تھا - بالاستقلال نه تھا - حافظ عسقلانی لکھتے ھیں - حضرة عمر کے اجلاء کردہ اھل کتاب کی تعداد چالیس ھزار منقول ھے -

پس صاحب شریعت کے قول و عمل ' اُن کے آخرین لمحات حیات کي وصیت ' حضرة عمر کے فحص و تصدیق ' تمام صحابه کے اجماع و اتفاق سے یه بات ثابت ھوگئی که اسلام نے ھمیشه کیلیے جزیرۂ عرب کو صرف اسلامي آبادي ھي کے لیے مخصوص کردیا ھے - الا یه که کسي مصلحت سے خلیفۂ وقت عارضي طور پر کسي گروہ کو داخل ھونے کي اجازت دیدے - اور ظاھر ھے که جب وھاں غیر مسلموں کا قیام اور دو دینوں کا اجتماع شریعت کو منظور نہیں ' تو غیر مسلم کی حکومت یا حاکمانه نگراني و بالا دستي کو جائز رکھنا کب مسلمانوں کیلیے جائز ھوسکتا ھے ؟

فصل

(جزیرۂ عرب کی تحدید)

باقی رہا یہ مسئلہ کہ جزیرۂ عرب سے مقصود کیا ہے ؟ تو یہ بالکل صاف و واضح ہے - اس کے لیے کسی بحث و نظر کی ضرورت ہی نہیں - نص حدیث میں " جزیرۂ عرب " کا لفظ وارد ہے ' اور عقلاً و اصولاً معلوم ہے کہ جب تک کوئی سبب قوی موجود نہ ہو ' کسی لفظ کے منطوق اور عام و متعارف مدلول سے انحراف جائز نہ ہوگا - اور نہ بلا مخصص کے قیاساً تخصیص جائز - شارع نے " جزیرہ " کا لفظ کہا ' اور دنیا میں اس وقت سے لیکر ابتک جزیرۂ عرب کا اطلاق ایک خاص ملک پر ہر انسان کر رہا اور جان رہا ہے - پس جو مطلب اسکا سمجھا جاتا تھا اور سمجھا جاتا ہے ' وہی سمجھا جایگا -

تمام مورخین اور جغرافیہ نگاران قدیم و جدید متفق ہیں کہ عرب کو " جزیرہ " اسلیے کہا گیا کہ تین طرف سمندر اور ایک جانب دریا کے پانی سے محصور ہے - یعنی تین طرف بحر ہند ' خلیج فارس ' بحر احمر و قلزم واقع ہیں - ایک جانب دریاے دجلہ و فرات -

فتح الباری وغیرہ میں ہے " قال الخلیل سمیت جزیرۃ العرب ' لان بحر فارس و بحر الحبشہ و الفرات و الدجلہ احاطت بہا " (۶ : ۱۱۸) اور اصمعی کا قول ہے : " لاحاطۃ البحار بہا ' یعنی بحر الھند و القلزم و بحر فارس و بحر الحبشہ و دجلہ " (ایضاً)

نہایہ میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے " سمیت جزیرہ لان بحر الفارس و بحر السودان احاط بجانبیہا ' و احاط بالجانب الشمالی دجلہ و الفرات " -

یہی قول ارباب لغۃ کا بھی ہے - قاموس میں ہے " جزیرۃ العرب ما احاط بہ بحر الھند و الشام ثم دجلہ و الفرات " پروفیسر پطرس بستانی نے بھی (جو زمانۂ حال میں شام کا ایک مشہور مسیحی مصنف گزرا ہے اور جس نے عربی میں انسائیکلو پیڈیا لکھنی شروع کی تھی) محیط المحیط میں یہی تعریف کی ہے -

حاصل سب کا یہي ہے کہ جزیرہ عرب وہ سرزمین ہے جسکے تین جانب سمندر ہیں اور شمالی جانب دریاے دجلہ و فرات -

سب سے زیادہ مفصل جغرافیہ یاقوت حمومي نے معجم البلدان میں دیا ہے - اِس سے زیادہ جامع و معتبر کتاب عربی میں جغرافیہ و تقویم بلدان کي کوئي نہیں :

" انما سمیت بلاد العرب جزیرۃ لاحاطۃ الانہار و البحار ' و ذلک ان الفرات اقبل من بلاد الروم ' فظہر بناحیۃ قنسرین ' ثم انحط علی اطراف الجزیرہ و سواد العراق ' حتی وقع في البحر في ناحیۃ البصرۃ و الابلہ ' و امتد الی عبادان ' و اخذ البحر في ذلک الموضع مغرباً منعطفاً ببلاد العرب " الخ -

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ عرب اسلیے جزیرہ مشہور ہوا کہ سمندروں اور دریاؤں سے گھرا ہوا ہے - صورت اسکی یوں ہے کہ دریاے فرات بلاد روم سے شروع ہوا ' اور قنسرین کے نواح میں عرب کي سرحد پر ظاہر ہوا - پھر عراق میں ہوتا ہوا بصرہ کے پاس سمندر میں جا ملا - وہاں سے پھر سمندر نے عرب کو گھیرا ' اور قطیف و ہجر کے کناروں سے ہوتا ہوا عمان اور شحر سے گزر گیا - پھر حضرموت اور عدن ہوتا ہوا پچھم کي جانب یمن کے ساحلوں سے جا ٹکرایا - حتی کہ جدہ نمودار ہوا جو مکۂ و حجاز کا ساحل ہے - پھر ساحل طور اور خلیج ایلہ پر جاکر سمندر کي شاخ ختم ہوگئي - پھر سر زمین مصر شروع ہوتي ہے اور قلزم نمودار ہوتا ہے ' اور اسکا سلسلہ بلاد فلسطین سے سواحل عسقلان ہوتا ہوا سر زمین صور و ساحل اردن تک بیروت پر پہنچتا ہے ' اور آخر میں پھر قنسرین تک منتہی ہوکر وہ جگہ آجاتي ہے جہاں سے فرات نے عرب کا احاطہ شروع کیا تھا - پس اس طرح چاروں طرف پانی کا سلسلہ قائم ہے - بحر احمر اور قلـــزم کي درمیاني خشکی بھی پاني سے خالي نہیں - کیونکہ سوڈان سے دریاے نیل وہاں آ پہنچا ہے اور قلزم میں گرا ہے - یہی جزیرہ ہے جس سے عرب کي سر زمین عبارت ہے' اور یہي عرب اقوام کا مولد و منشاء ہے - انتہی ملخصا - (جلد ۳ - ۱۰۰)

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ جزیرۂ عرب کے حدود کیا ہیں ؟ عرب کا نقشہ اپنے سامنے رکھو اور اسپر مندرجۂ بالا تخطیط منطبق کرکے دیکھو - اوپر شمال ہے - دھنے مشرق - بائیں مغرب - شمال میں دریاے فرات مغرب سے خم کھاتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور صحراے شام کے کنارے سے گزرتا

هوا دجلہ میں ملجاتا ھے - پھر دونوں ملکر خلیج فارس میں گرتے ھیں -
فرات کے پیچھے دجلہ کا خط ھے - اسي پر بغداد واقع ھے - خلیج فارس کے
مشرق میں ایران ھے اور مغربی ساحل میں قطیف و حساء - پھر یہ خلیج
تنگ نائے ھرمز سے نکل کر مسقط و عمان کے کناروں سے گزرتا ھے اور اسکے
بعد ھي بحر عمان نمودار ھوجاتا ھے - اسکے بعد حضرموت کا ساحل دیکھوگے -
پھر عدن آگیا' اور باب المندب سے جونہي آگے بڑھے' بحر احمر شروع ھوگیا -
چونکہ اسکا مغربي ساحل افریقـــہ و حبش سے متصل ھے ' اسلیے قدیم
جغرافیہ میں اسکو بحر حبش بھي کہتے تھے - بحر احمر کے کنارے پہلے یمن
ملیگا - پھر جدہ - اسکے بعد ساحل حجاز - حتی کہ سمندر کي شاخ پتلی
ھوکر طور سینا تک منتھي ھوگئي ' اور اسکے ساتھہ ھي خلیج عقبہ کي شاخ
نمودار ھوئی - اب مصر کي سر زمین شروع ھوگئی - نہر سوئیس کے بننے سے
پہلے یہ خشکي کا ایک ٹکڑہ تھا جس نے بحر احمر کو بحر متوسط سے جدا
کردیا تھا - اسلیے صاحب "معجم نے یہاں دریاے نیل کا ذکر کیا' جسکو اسی
درمیاني تختۂ خشک کے بائیں جانب دیکھہ رھے ھو - وہ قاھرہ سے ھوتا ھوا
اسکندریہ کے پاس سمندر میں گرتا ھے - پس اگرچہ اس زمانے میں یہ ٹکڑہ
خشک تھا مگر سمندر کي جگہ دریاے نیل کا خط آبي موجود تھا -

اس کے بعد بحر متوسط ھے جس کے ابتدائي حصہ کو قدیم جغرافیہ نویس
بحر مصر و شام سے موسوم کرتے تھے - اسي پر بیروت واقع ھے اور ساحل سے
اندر کي جانب دیکھو گے تو پھر وھي مقام سامنے ھوگا ' جہاں سے دریاے
فرات نمودار ھوکر خلیج فارس کي جانب بڑھا تھا -

پس یہ ایک مثلث نما ٹکڑہ ھے جو اس تمام بحري احاطہ کے اندر
واقع ھے - صرف خشکي کا ایک حصہ شمال میں فرات کے بائیں جانب نظر
آتا ھے - یعني سرحد شام - یہي مثلث ٹکڑہ جزیرۂ عرب ھے - قدیم و جدید
جغرافیہ نگار' دونوں اس پر متفق ھیں -

اس سے معلوم ھوا کہ عرب کے " جزیرہ " اور " جزیرہ نما " ھونے میں
سب سے زیادہ اھم وجود دریاے دجلۂ و فرات کا ھے - کیونکہ اگر یہ عرب کے
حدود سے کوئي متصل تعلق نہیں رکھتے ' تو پھر اس کي ایسي صورت ھي
باقي نہیں رھتي جس پر جزیرہ کا اطلاق ھوسکے - یعني شمال کي جانب بالکل
خشک رھجاتي ھے - یہي وجہ ھے کہ جس کسي نے عرب کي تعریف کي'

اخرجوا الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب (الحدیث)

حتی المحـــاریب تبکي وهي جامدة　　　حتی المنـــابر ترثي وهي عیدان !

ایدریا نوپل کي جامع مسجد

جو بقیه یورپین ترکي میں اسلام کی آخري متاع عزت تھی اور یونان کے سپرد کردي گئي !
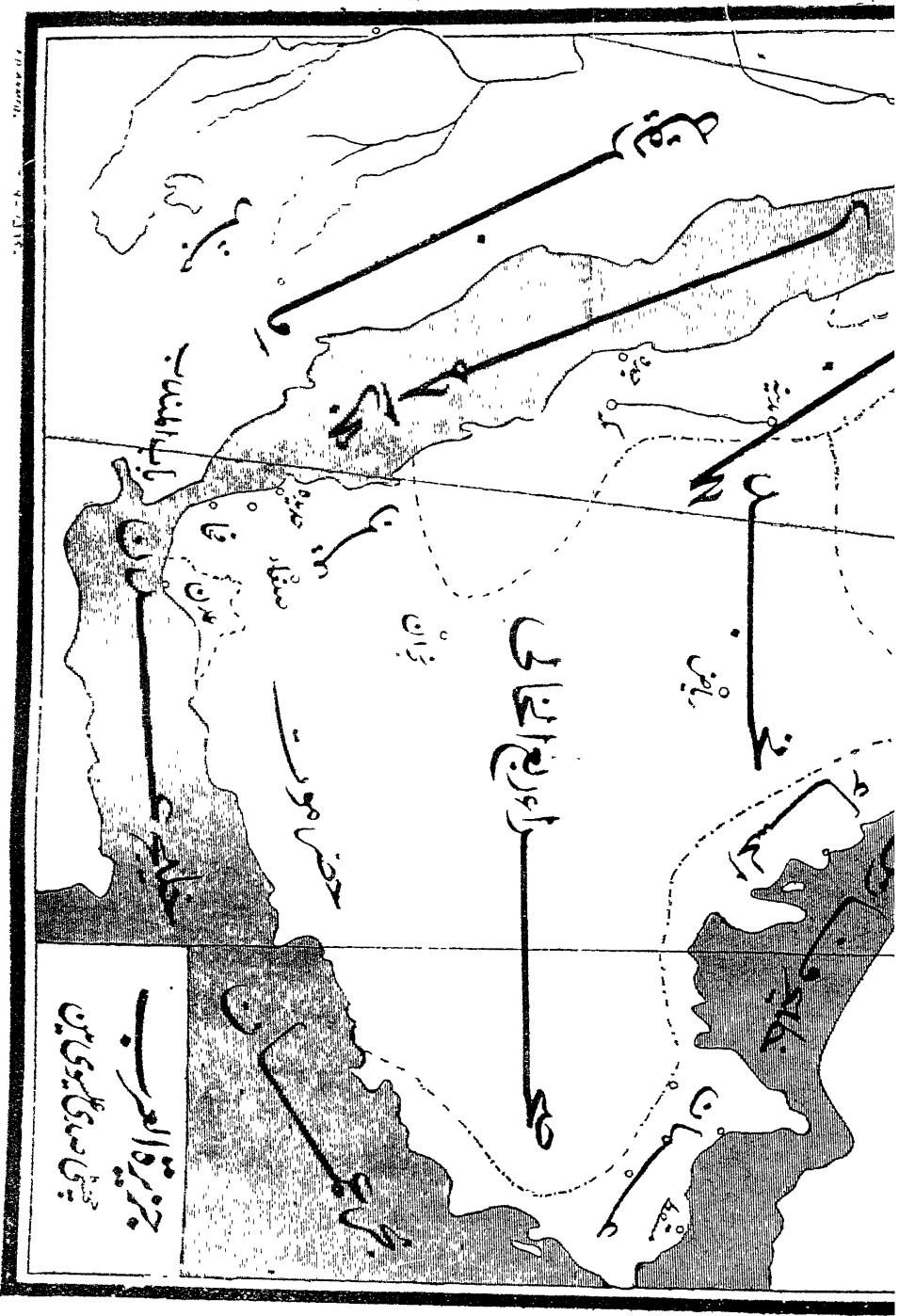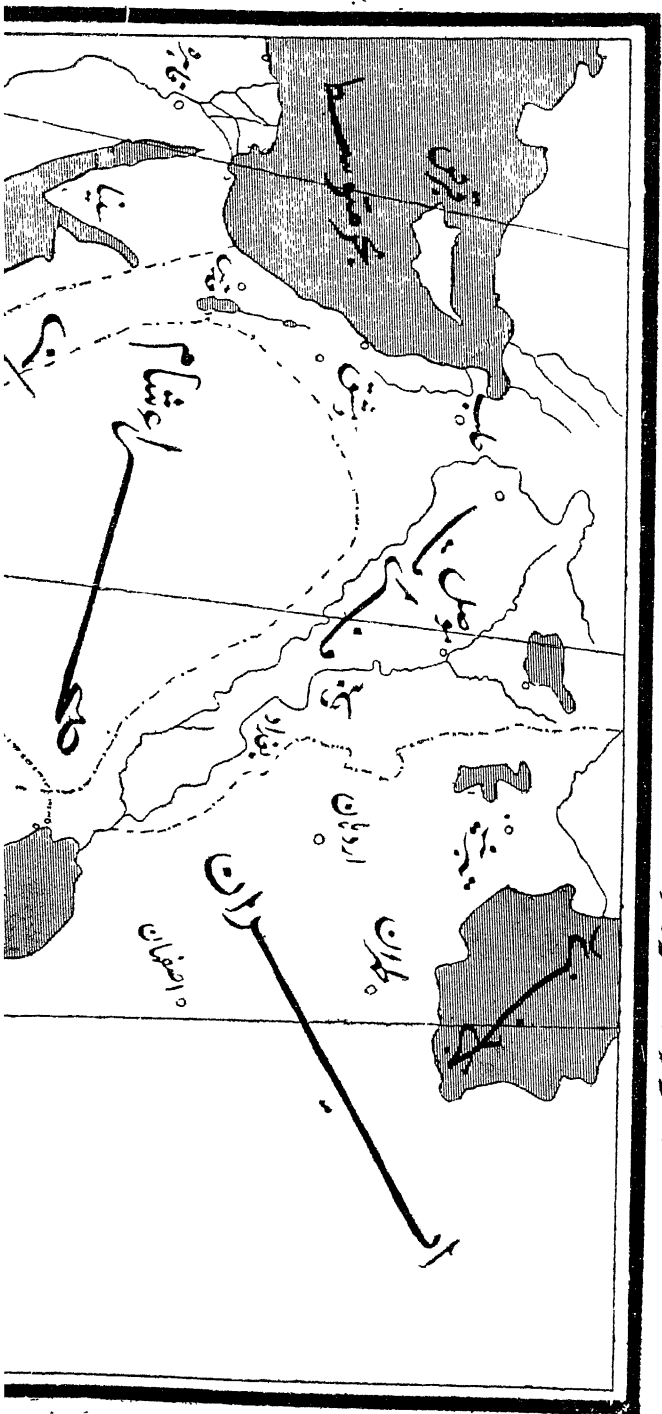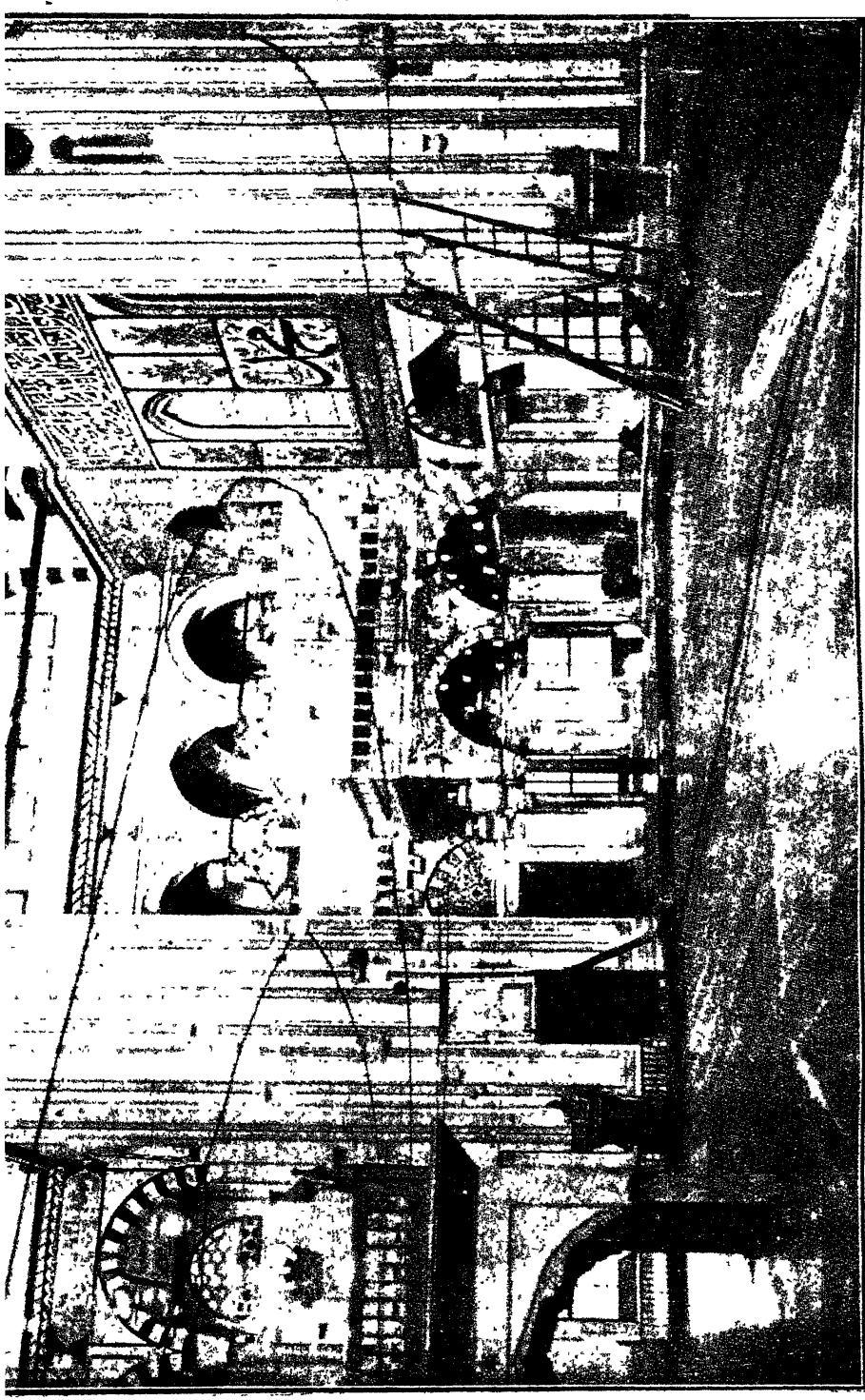
احاطۂ بحر و نہر کا لفظ کہکر واضح کردیا کہ جانب شمال دجلہ تک پہیلا ہوا ہے - اور جنہوں نے مقامات کے نام لیکر حدود متعین کیے ' انہوں نے بھي صاف کہدیا کہ شمالي حد دجلہ ہے - نہایہ ' معجم البلدان ' او ر فتح الباري میں اصمعي کا قول منقول ہے " من اقصی عـــدن ابین الی ریف العراق طولاً ' و من جـــدہ و ساحل البحر الی اطراف الشام عرضاً " کرماني نے کہا " هي ما بین عدن الی ریف العراق طولاً ' و من جـــدہ الی الشام عرضاً " یہي قاموس میں ہے - ایسا هي ابن کلبي سے مروي ہے - رفاعہ بک طہطاوي نے قدیم وجدید کتب سے اخذ کرکے عربي میں " تعریفات النافعہ لمرید الجغرافیہ " لکھي - اسمیں بھي یہي حدود هیں - پس صاحب معجم کي تفصیل اور تمام اقوال سے ثابت ہوگیا کہ عرب طول میں عدن سے لیکر عراق کي ترائي تک ' اور عرض میں ساحل بحر احمر سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے - اس کي حد شمال میں دهني جانب دجلہ ہے ' اور اگر عرض کا خط کہینچیں تو بائیں جانب شام - آجکل کے جغرافیوں میں بھي عرب کے یہي حدود بتلائے جاتے هیں - پچھم میں بحر احمر' جنوب میں بحر هند' پورب میں خلیج فارس ' اور دکھن میں ملک شام -

اسی معجم البلدان میں عراق کي وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوے لکھا ہے : " ای انها اسفل ارض العرب " (جلد ۹ : ۱۳۳) یعني عراق اسلیے نام ہوا کہ زمین عرب کا سب سے زیادہ نچلا حصہ ہے - اس سے بھي ثابت ہوا کہ عراق عرب میں داخل ہے - البتہ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے پار واقع ہے ' اس میں داخل نہ ہوگا -

هم یہاں عرب کا ایک نقشہ تفسیر البیان کے مسودہ سے لیکر درج کرتے هیں - اس نقشہ میں ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب کي حالت دکھلائي ہے - یہ نقشہ در اصل یورپ کے بعض مشہور مستشرقین (اورنٹیلسٹ) نے قدیم نقشوں اور تعریفات سے مدد لیکر طیار کیا تھا جسکو سنہ ۱۸۵۰ میں پروفیسر فرڈنینڈ ویسٹن فیلڈ (Ferdinand Wustenfeld) نے لیڈن یونیورسٹی سے شائع کیا - جزیرۂ عرب کے تمام قدیم نقشوں میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند نقشہ یہي ہے - نقطوں کے خطوط سے تجارتي قافلوں کی وہ سڑکیں دکھلائي هیں جو چھٹی صدي عیسوي میں عرب کے اندرونی مقامات سے سواحل تک جاتي تھیں -

فصل

(مسجد اقصیٰ و ارض مقدس)

مقامات مقدسۂ اسلامیہ کے سلسلہ میں بیت المقدس اور اسکی سرزمین کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لیے اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا جس قدر حرم مکہ اور حرم مدینہ کا -

اسلام نے صرف تین مقامات کے لیے بہ نیت طاعت و ثواب سفر کرنے کی اجازت دی ہے - ان میں جسطرح مکہ و مدینہ کا نام ہے ' اسیطرح بیت المقدس کا بھی - بخاری و مسلم کی مشہور روایت میں ہے : " لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد : المسجد الحرام ' و مسجدي هذا ' و المسجد الاقصیٰ " یعنی بہ نیت زیارت و طاعت سفر کا قصد و اہتمام کرنا نہیں ہے مگر ان تین جگہوں کے لیے - مسجد حرام ' مسجد مدینہ ' اور مسجد اقصیٰ - اس سے معلوم ہوا کہ تمام دنیا میں مسلمانوں کے لیے شرعاً یہی تین مقام سب سے زیادہ مقدس و محترم ہیں ' اور انہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انکی زیارت کیلیے نیت کرکے اپنے وطنوں سے نکلتے ہیں ' سفر کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتے ہیں ' اور یقین کرتے ہیں کہ اس کے معاوضہ میں انکے لیے بڑا ہی اجر ہے -

یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ اگر مسجد اقصیٰ کی زیارت کی نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا اسی طرح واجب ہوگا ' جس طرح زیارت مسجد نبوی اور حج و عمرہ کا ادا کرنا - حالانکہ ان تین جگہوں کے علاوہ اگر کسی دوسری زیارتگاہ کے سفر کیلیے نذر مانی ہو ' تو اسکا ادا کرنا باتفاق ائمہ واجب نہ ہوگا - اسی بات سے اندازہ کرلیا جاسکتا ہے کہ بیت المقدس کی سرزمین مسلمانوں کے مذہبی احکام و اعتقاد میں کیسا اہم درجہ رکھتی ہے ؟

یہی وہ مقدس سرزمین ہے جسکا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا ' اور بالآخر وعدہ پورا ہوکر رہا - لیکن وہ اسکے اہل ثابت نہ ہوے ' اور دنیا کی حکومت و عزت کے ساتھہ یہاں کی پادشاہت بھی ان سے چھین لی گئی - پھر مسیحی دور شروع ہوا - اسکے بعد مسلمان وارث ہوے - قرآن حکیم نے

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ اس وراثت کی بشارت دی تھی -

و لقد کتبنا في الزبور من بعد الذکر' ان الارض یرثها عبادي الصالحون - ان في هذا لبلاغاً لقوم عابدین - وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (۱۰۵:۲۱)

حضرۃ ابن عباس وغیرہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں " الارض " سے مقصود بیت المقدس اور فلسطین ہے - اسمیں خبر دی گئی تھی کہ اب وہاںکی پادشاہت مسلمانوں کے حصے میں آئیگی - اسی لیے کہا : ان في هذا لبلاغا الخ -

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اس سر زمین کی خدمت و وراثت کو اللہ کی طرف سے ایک مخصوص عطیہ و امانت سمجھا' اور اسکی حفاظت کو حرمین کی طرح ساری دنیا کی حکومت و فرماں روائی سے بھی زیادہ عزیز و محبوب سمجھتے رہے - یہی اعتقاد دینی تھا جسنے مسیحی جہاد کی اُن آٹھہ لڑائیوں کو کامیاب ہونے نہ دیا جن میں تمام یورپ کی طاقت اکٹھی ہوگئی تھی' حالانکہ وہ وقت مسلمانوں کی پولیٹکل طاقت کے عروج کا نہ تھا - تنزل و انحطاط کا تھا' اور تمام عالم اسلامی مختلف حکومتوں میں متفرق ہوچکا تھا - اُسوقت سے لیکر آجتک وہاں کی حکومت خلیفۂ اسلام کے ماتحت رہی ہے' اور ہمیشہ خود یورپ نے مسیحی دنیا کے امن و سکون کیلیے اسی بات کو بہتر سمجھا ہے - پس اگر آج پھر ازمنۂ مظلمہ (مڈل ایجز) کی تاریخ دھرائی جائیگی' اور اسلام کی جگہ اُسے مسیحیت یا یہودیت کے زیر اثر لانے کی کوشش کی جائیگی' تو مسلمانان عالم کیلیے ناممکن ہوگا کہ خاموش رہسکیں - اُنکا فرض ہوگا کہ جب گذشتہ کروسیڈ کا ایک حصہ دھرایا گیا ہے' تو دوسرا حصہ بھی ظہور میں آجاے - وہ مسلمانوں کی دینی زیارت گاہ ہے - اُنکا مقدس اولین قبلہ ہے - اسکی مذہبی وابستگی اُنکے ایمان و مذہب کا جزء ہے - اگر وہاں یہودیوں کا اقتدار بڑھایا جاتا ہے' یا کسی مسیحی حکومت کو نگرانی و بالا دستی کے نام سے قائم کیا جاتا ہے' تو یہ صرف مسلمانوں کی آبادیوں ھی کو نہیں بلکہ انکی شریعت کو چیلنج دینا ہے' اور مسلمانوں کو مجبور کردینا ہے کہ یا تو اسلام کی جانب سے اس چیلنج کو قبول کرلیں' یا اسکی اطاعت و حمایت سے دست بردار ہو جائیں -

باب

(خــاتمـــهٔ سخـــن)

فصل

(نتـــائـــج بحـث)

گذشته مباحث و تفصیلات کا خلاصه حسب ذیل هے :

(۱) اسلام کا قانون شرعی یه هے که هر زمانے میں مسلمانوں کا ایک خلیفهٔ و امام هونا چاهیے - " خلیفه " سے مقصود ایسا خود مختار مسلمان پادشاه اور صاحب حکومت و مملکت هے جو مسلمانوں اور اُنکی آبادیوں کی حفاظت اور شریعت کے اجراء و نفاذ کی پوری قدرت رکھتا هو اور دشمنوں کے مقابلے کیلیے پوري طرح طاقتور هو -

(۲) اُسکی اطاعت و اعانت هر مسلمان پر فرض هے - اور مثل اطاعت خدا و رسول کے هے - تاوقتیکه اُس سے کفر بواح (صریح) ظاهر نهو - جو مسلمان اسکی اطاعت سے باهر هوا ' وه اسلامی جماعت سے باهر هوگیا - جس مسلمان نے اُسکے مقابله میں لڑائی کی - یا لڑنے والوں کی مدد کی ' اُس نے الله اور اسکے رسول کے مقابلے میں تلوار کھینچی - وه اسلام سے باهر هوگیا ' اگرچه نماز پڑھتا هو ' روزه رکھتا هو ' اور اپنے تئیں مسلم سمجھتا هو -

(۳) ایک خلیفه کی حکومت اگر جم چکی هے ' اور پھر کوئی مسلمان اُسکی اطاعت سے باهر هوا اور اپنی حکومت کا دعوا کیا ' تو وه باغی هے - اسکو قتل کردینا چاهیے -

(۴) صدیوں سے اسلامی خلافت کا منصب سلاطین عثمانیه کو حاصل هے ' اور اسوقت از روے شرع تمام مسلمانان عالم کے خلیفه و امام وهی هیں - پس اُنکی اطاعت و اعانت تمام مسلمانوں پر فرض هے - جو الکی اطاعت سے باهر هوا ' اس نے اسلام کا حلقه اپنی گردن سے نکالدیا ' اور

اسلام کی جگہ جاھلیۃ مول لی - جس نے انکے مقابلے میں لڑائی کی ' یا انکے دشمنوں کا ساتھہ دیا ' اُس نے خدا اور اُسکے رسول سے لڑائی کی -

(٥) صرف خلیفۂ اسلام ھي کے لیے یہ حکم مخصوص نہیں ھے - جب کبھي مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں لڑائي ھو' تو کسي مسلمان کیلیے شرعاً جائز نہیں کہ غیر مسلمان فوج کا ساتھي ھوکر مسلمانوں سے لڑے - یا انکي مدد کرے - اگر کریگا تو بحکم " من حمل علینا السلاح فلیس منا " اور نص قراني من یقتل مومناً متعمداً فجزاءہ جھنم خالداً فیھا وہ اسلامي جماعت سے خارج ھو جائیگا - اس کا ٹھکانا دوزخ ھے -

(٦) جب کسي اسلامی حکومت یا جماعت پر غیر مسلم حملہ کریں یا حملہ کا قصد کریں ' یا اُنکی آزادي و خود مختاري کو کسي دوسري طرح نقصان پہونچانا چاھیں ' تو ھر ملک کے مسلمانوں پر یکے بعد دیگرے اُنکي مدد کرنا ' اور حملہ کرنے والوں سے لڑنا ' فرض ھو جاتا ھے - علی الخصوص ایسي حالت میں جب کہ حملہ آور زیادہ طاقتور ھوں ' اور ان کے مقابلہ کي کافي طاقت اُن مسلمانوں اور وھاں کي اسلامی حکومت میں نہو - اس صورت میں جہاد کي فرضیۃ علی الکفایہ نہ ھوگی - مثل نماز روزہ کے فرض عین ھوگي -

(۷) اگر خلیفۂ اسلام کو دشمنوں کا ایسا طاقتور گروہ گھیر لے کہ ان کا مقابلہ کرنا اس کی طاقت سے باھر ھو' اور بلا تمام مسلمانان عالم کي فوجي مدد و نصرت کے اسلامي ممالک کي حفاظت نہ ھو سکے' تو اُس صورت میں تمام دنیا کے مسلمانوں کا بہ یک وقت فرض ھوگا کہ جس طرح بھي ممکن ھو' اس کی مدد کریں - اور اُس کے دشمنوں پر حملہ آور ھوں -

(۸) اسلام کا حکم شرعی ھے کہ جزیرۂ عرب کو غیر مسلم اثر سے محفوظ رکھا جاے - اُس میں عراق کا ایک حصہ اور بغداد بھي داخل ھے - پس اگر کوئي غیر مسلم حکومت اس پر قابض ھونا چاھے ' یا اُس کو خلیفۂ اسلام کي حکومت سے نکال کر اپنے زیر اثر لانا چاھے ' تو یہ صرف ایک اسلامي ملک کے نکل جانے ھي کا مسئلہ نہ ھوگا ' بلکہ اُس سے بھي بڑھکر ایک مخصوص سنگین حالت پیدا ھو جائیگي - یعنی اسلام کی مرکزي سر زمین پر کفر کا اثر چھا رہا ھے - پس اس حالت میں تمام مسلمانان عالم کا

اولین فرض ہوگا کہ اس قبضہ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے اُٹھہ کھڑے ہوں ' اور اپنی تمام قوتیں اس کام کے لیے وقف کردیں -

(۹) اسلام کے مقامات مقدسہ میں بیت المقدس اُسی طرح محترم ہے جس طرح حرمین شریفین - اس کے لیے لاکھوں مسلمان اپنی جانوں کی قربانیاں ' اور یورپ کے ساتھہ صلیبی جہادوں کا مقابلہ کرچکے ہیں - پس تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مقام کو دوبارہ غیر مسلموں کے قبضہ میں جانے نہ دیں - علی الخصوص مسیحی حکومتوں کے قبضۂ و اقتدار میں - اور اگر ایسا ہو رہا ہے ' تو اُس کے خلاف دفاع کرنا صرف وہاں کی مسلمان آبادی ہی کا فرض نہوگا - بلکہ بہ یک وقت و بہ یک دفعہ تمام مسلمانان عالم کا -

(۱۰) اس صورت میں جو فرض شرعی مسلمانوں پر عائد ہوگا ' اس میں پہلی چیز " ترک " ہے - دوسری " اختیار " - " ترک " سے مقصود یہ ہے کہ تمام ایسے تعلقات ترک کردینا پڑینگے جن میں برٹش گورنمنٹ کی اعانت و موالات ہو - "اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام وسائل اختیار کرنے پڑینگے ' جنکے ذریعہ فریضۂ دفاع انجام پاسکے -

و تلک عشرۃ کاملہ -

(خلیفۃ المسلمین اور گورنمنٹ برطانیہ)

جب کہ اسلام کے اٹل اور اپنے پیروؤں کے لیے دائمی احکام کا یہ حال ہے ' تو یکایک ۴ - اگست ۱۹۱۴ کو عالمگیر جنگ عالم کا شرارہ وسط یورپ میں چمکا ' اور دیکھتے ہی دیکھتے مغربی تمدن کا تمام آتشگیر مادۂ جنگ بھڑک اُٹھا : نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدہ ! پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ نے مسلمانان ہند کے لیے ایک ایسی نازک صورت اختیار کرلی ' جو برطانیہ کی حکومت ہند کی پوری تاریخ میں آج تک کبھی پیش نہیں آئی تھی - یعنی خلیفۃ المسلین کی فوجیں بھی میدان جنگ میں مشغول پیکار نظر آئیں ' اور ترکی کے بر خلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کردیا -

اس اعلان جنگ کي اطلاع جب سرکاری طور پر هندوستان میں مشتهر کی گئي ' تو ساتهه هي حسب ذیل امور کا بهی اعلان کیا گیا تها :

(١) ترکی حکومت کے ساتهه هماري جنگ دفاعی هے - نه که حمله آورانه - هم نے دو ماه تک هر طرح کا مخالفانه اور جنگ جویانه سلوک برداشت کیا ' اور پوري کوشش کی که کسي طرح یه جنگ تل جاے ' لیکن ترکی گورنمنٹ نے برابر اپنے حملے جاری رکهے - اب مجبوراً هم کو بهی اعلان جنگ کرنا پڑا هے -

(٢) هندوستان کے مسلمانوں کو پوري طرح بهروسه رکهنا چاهیے که اس جنگ میں همارے یا همارے ساتهیوں کی جانب سے کوئی بات ایسي نه هوگي جو انکے مذهبي محسوسات کو صدمه پهونچاے - اسلام کے تمام مقدس مقامات محفوظ رهینگے جن میں عراق بهی داخل هے - انکے احترام کا پورا پورا لحاظ رکها جاے گا - اسلام کے مقدس مقام خلافت کے خلاف کوئی کارروائي عمل میں نه آئیگي - هماري جنگ موجوده ترکي وزارت سے هے جو جرمني کے زیر اثر کام کررهي هے - خلیفة المسلمین سے اور اسلام سے نهیں هے - گورنمنٹ برطانیه نه صرف اپني جانب سے بلکه اپنے تمام حلیفوں کي جانب سے اِن باتوں کي ذمه داري لیتي هے -

یه خلاصه اُس سرکاري اعلان کا هے جو پهلي نومبر سنه ١٩١٤ کو اعلان جنگ کي اطلاع کے ساتهه هي گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کیا تها ' اور پهر تمام صوبوں میں سرکاري طور پر اسکي اشاعت کی گئي تهي - حتیٰ که هر کمشنري ' هر ضلع ' هر صدر مقام ' هر شهر کے مسلمانوں کو جمع کرکے مقامی حکام نے اسکي نقلیں بانٹي تهیں اور زباني بهي پڑهکر سنایا تها - برٹش انڈیا کا کوئي مسلمان گهر ایسا نهیں ملیگا جو اس اعلان سے بے خبر چهوڑ دیا گیا هو - بعد کو " نیر ایسٹ " وغیره اخبارات سے معلوم هوا که مصر و سوڈان میں بهی بجنسه یهی اعلان شائع کیا گیا تها -

اس اعلان کے بعد بهي همیشه ذمه دار حکام هند و انگلستان کي زبان سے یه دونوں باتیں بار بار ظاهر هوتي رهیں - اگر کسی اظهار و بیان کي مضبوطی میں اعلان کي تکرار و اشاعت کي کثرت و وسعت کو دخل هے ' تو بلا خوف رد کها جاسکتا هے که جسقدر کثرت و تکرار کے ساتهه یه اعلان شائع کیا گیا ' شاید هی کوئی انساني وعده اسقدر دهرایا گیا هو -

یہ کہنا ضروري نہیں کہ اسوقت میدان جنگ کا کیا حال تھا ؟ برٹش گورنمنٹ کو اپنی زندگي کیلیے لاکھوں سپاهیوں اور توپوں کي جسقدر ضرورت تھی ' اس سے کہیں زیادہ اس اعلان اور اسکي کامیابی کی ضرورت تھي - اگر اسوقت هندوستان کے مسلمانوں میں ذرا بھی بے چینی پیدا هوجاتي ' تونہیں معلوم جنگ کي تاریخ کیسا پلٹا کھاتي ' اور آج نتائج کا کیا حال هوتا ؟

اس اعلان کا نتیجہ وهی نکلا جو مطلوب تھا - یعنی مسلمانان هند پر صورت حال مشتبہ هوگئی - نادان و حیلہ جو علماء اس خیال میں پڑگئے کہ جب ترکوں نے انگلستان و دول متحدہ پر حملہ کیا هے' تو شرعاً صورت دفاع کی نہیں هے بلکہ حملۂ و هجوم کي هے' اور اسلیے اسکي شرکت فرض کفایہ کا حکم رکھتی هے - نہ کہ فرض عین کا - پس شرعاً ضروري نہیں کہ مسلمانان هند بھی اسمیں حصہ لیں - عام مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ برٹش گورنمنٹ صرف اپنا بچاؤ کر رهي هے - اسکا مقصود اسلامی ممالک پر قبضۂ و تصرف کرنا یا خلیفۂ اسلام کي حکومت کو نقصان پہنچانا نہیں هے - نیز اسلام کے مقدس مقامات یعني جزیرۂ عرب اور بیت المقدس وغیرہ هر حال میں محفوظ رهینگے - ان تمام باتونکا نہ صرف انگلستان کي جانب سے وعدہ کیا جاتا هے ' بلکہ تمام حلیف حکومتوں کي جانب سے بھي -

نہایت افسوس اور رسیاهی کے ساتھہ اقرار کرنا پڑتا هے کہ مسلمانوں کا نہ یہ مذهبی فیصلہ صحیح تھا - نہ وعدوں اور اعلان پر اعتماد - انھوں نے اپني سیزدہ صد سالہ تاریخ حیات میں شاید هی کوئي ایسي قومي و مذهبي غلطي کي هوگي ' جیسی اس موقعہ پر کی ' اور جسکے نتائج کي پہلي قسط آج آنکے سامنے هے - " و ما تخفی في صدورهم اکبر "

فما کان اللہ لیظلمھم و لکن کانوا انفسھم یظلمون !

تھوڑي دیر کیلیے اس سے قطع نظر کرلو کہ احکام شرع کي بنا پر یہ راے کہانتک صحیح تھي ؟ صرف اس پہلو سے دیکھو کہ جن وعدوں پر بھروسہ کیا گیا ' آنکا حال کیا تھا ؟

پرانے وقتوں کي طرح موجودہ زمانے کی سوسائٹي بھي اشخاص کے لیے ضروري سمجھتي هے کہ ایفاے عہد میں اپنے تئیں

شریف ثابت کریں ' لیکن بیسویں صدي کي تہذیب میں حکومتوں کیلیے شریف هونا چنداں ضروري بات نہیں هے ' اور اگر طاقت موجود هے تو پھر اخلاقي صداقت کے مطالبه کا وهم و گمان بھی نہیں کرنا چاهیے - جب وعدوں کا ایفا اور عہد و پیمان کي پابندي کمزور حکومتوں کے ساتھہ ضروري نہیں سمجھی جاتی ' تو پھر محکوم و بے سرو سامان رعایا کے ساتھہ کیوں ضروري سمجھي جاے ' جو اپني وفاداري میں کتے کی طرح قابل تعریف مگر بے زباني میں اُسی کي طرح بے بس بھي هے ؟

انگلستان کي حکومت نے نپولین کے عہد سے لیکر آجتک اپنے وعدوں کو جس طرح پورا کیا هے ' انکي عبرۃ انگیز سرگذشت صفحات تاریخ پر ثبت هے -

برطاني وعدوں کے اعتماد اور اُنکے ایفاء کي اخلاقي نمائش کا یہ پہلا هي موقعه نہیں هے - ۱۵ - جولائي سنه ۱۸۱۵ ع کو جب نپولین نے بلرافان نامي انگریزي جہاز پر قدم رکھا تھا تو اُس نے بھي انگلستان کے وعدوں پر اعتماد هي کیا تھا - کچھہ بے اعتمادي نه کي تھي - لیکن خود اُسي کے لفظوں میں " انگلستان نے هاتھہ بڑھا کر اپنا مہمان بنانے کیلیے بلایا ' اور جب وہ آگیا تو اسکا خاتمہ کردیا "

سینٹ هلینا کي سنگلاخ چٹانیں آجتک سمندر کے طوفانوں کے اندر انگریزي مواعید کي اخلاقي قدر و قیمت کا اعلان کر رهي هیں !

۴ - اگست سنه ۱۸۱۵ کو جنگ واٹرلو کے بعد جب شہر پیرس متحدہ افواج کے حوالے کیا گیا ' اور اس عہد نامه کو فرانسیسیوں نے عہد نامه سمجھا جس پر انگلستان کے نامور هیرو ڈیوک آف ویلنگٹن کے دستخط تھے ' تو یقیناً انھوں نے بھي انگلستان پر اعتماد هي کیا تھا - لیکن قبضه کے بعد جو نتیجه نکلا ' اس پر تاریخ کا اٹل فیصله صادر هوچکا هے ' اور خود انگریز مورخوں کي زباني اُسکا افسانۂ خونیں سن لیا جاسکتا هے -

خود هندوستان کے گذشته سو سالوں کي تاریخ هي اسکے لیے کافی هے - دوسرے ملکوں کي سرگذشتوں کي طرف نظر اُٹھانے کي ضرورت کیا هے ؟

شمشاد خانه پرور ما از کے کمتر ست ؟

تاہم بدبخت مسلمانوں نے بھروسہ کیا اور جنگ کے نتائج کی طرف سے مطمئن ہوگئے - اُنکا روپیہ ' اُنکی جانیں ' اُنکے ملک کی تمام قوتیں ' بے دریغ خرچ کی گئیں - دنیا کی آخری اسلامی حکومت و خلافت کے مٹانے میں اُنکی ہر چیز نے پورا پورا کام دیا - یہانتک کہ برٹش گورنمنٹ اپنی تاریخ حیات کے سب سے بڑے مہلک وقت سے بچ گئی ' اور وہ فتح مندی مکمل ہوگئی جسکا پہلا نتیجہ اسلامی خلافت کی بربادی و تباہی ہے -

اثناء جنگ ہی میں اس اعتماد کے تمام نتائج ظاہر ہوگئے تھے - بغداد پر انگریزی فوج قابض ہوگئی تھی جو جزیرۂ عرب کی مقدس سرزمین میں داخل ہے - عین حدود حرم مکہ کے اندر سازشیں کرکے بغاوت کرائی گئی اور اسکی وجہ سے جسقدر توہین اس مقدس مقام کی ہونی تھی وہ ہوکر رہی - پھر بھی مسلمانان ہند اپنے اعتماد سے دست بردار نہ ہوے اور اس انتظار میں رہے کہ یہ جنگ کی عارضی حالتیں ہیں - صلح کے بعد ہی برطانی اعلان و مواعید کی مقدس صداقت تمام عالم پر آشکارا ہو جائیگی -

فصل

(موجودہ و آیندہ حالت اور احکام شرعیہ)

بحث کے اس ٹکرہ کو ہم دانستہ حذف کردیتے ہیں کہ جنگ کے بعد ان وعدوں اور اعلانات کا کیا نتیجہ نکلا ؟ نہ ہم اُن پیہم اعلانات کا یہاں ذکر کرینگے جنکا سلسلہ برابر اثناے جنگ میں بھی جاری رہا - مثلاً وزیر اعظم کی تقریر ۵ - جنوری سنہ ۱۹۱۸ - کیونکہ یہ تمام باتیں دنیا کے سامنے ہیں - اور سورج کی روشنی جن چیزوں کو دکھلادے ' انکے لیے بحث و نظر کی روشنی سے مدد لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی -

ہمکو یہاں صرف ایک بات کا فیصلہ کرنا ہے - اسکے علاوہ نہ اب کوئی بات ہمارے لیے سونچنے سمجھنے کی باقی رہی ہے - نہ گورنمنٹ کیلیے - وہ صرف موجودہ و آیندہ حالت کا سوال ہے -

احکام شرعیه اوپر گذر چکے هیں - پس اگر موجودہ حالت میں تبدیلی نہ هوئی اور صلح کے نام سے اسلامی خلافت کے خلاف رهی حملہ آورانہ جنگ عمل میں لائی گئی جسکا اظہار هو رها هے ' تو نتائج حسب ذیل هونگے :

(۱) جس وقت خلیفۃ المسلمین نے جنگ میں شرکت کی هے تو برٹش گورنمنٹ نے اعلان کیا تھا کہ حملہ اُنکی جانب سے هے - انگلستان و حلفاء کی جانب سے نہیں هے - لیکن اب موجودہ حالت بالکل اسکے برعکس هے - یعنی خلیفۃ المسلمین کسی غیر مسلم ملک و حکومت پر حملہ آور نہیں هیں بلکہ غیر مسلم حکومتیں مسلمان آبادیوں اور خلیفۂ اسلام کی حکومت پر قابض هو رهی هیں ' اور خلیفۃ المسلمین پر حملہ آور هیں - پس اگر اس حالت میں تبدیلی نہ هوئی اور عارضی صلح کے بعد بھی یہی حال رها ' تو مسلمانوں کیلیے قطعاً صورت دفاع اور نفیر عام کی پیدا هو جائیگی جب جہاد هر مسلمان پر فرض عین هو جاتا هے - حملۂ و هجوم کی صورت نہ هوگی کہ فرض علی الکفایہ هو - لہذا هندوستان کے هر مسلمان کا یہ شرعی فرض هوگا کہ خلیفۃ المسلمین ' اور اُن تمام اسلامی آبادیوں کی اعانت کیلیے اُٹھہ کھڑا هو ' جہاں سے اسلامی حکومت مٹائی جا رهی هے -

(۲) یہ حقیقت پہلے سے آشکارا تھی ' مگر چار سال کی جنگ اور اسکے نتائج نے آخری درجۂ یقین تک ظاهر کردی کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کی موجودہ طاقت غیر مسلم حریفوں کے مقابلے کیلیے کافی هے - نہ موجودہ اسلامی ممالک کے مسلمانوں کی - یعنی وہ شکست کھا چکے هیں اور بعض مقامات کے مسلمانوں کی درماندگی و تباهی غایت درجۂ هلاکت تک پہنچ چکی هے - جیسے ولایت سمرنا وغیرہ کے مسلمان - پس اس بنا پر بھی مسلمانان هند کا فرض شرعی هوگا کہ انکی مدد کیلیے اُٹھہ کھڑے هوں - کیونکہ اگر ایک مقام کے مسلمان دشمن کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیگر ممالک کے مسلمانوں پر دفاع میں شریک هونا فرض هوجاتا هے -

(۳) جن بلاد اسلامیہ پر غیر مسلم دخل و تصرف کرنا چاهتے هیں ' یا کرچکے هیں - مثلاً ایڈریا نوپل ' تھریس ' ایشیاے کوچک ' سمرنا ' عراق ' فلسطین ' انکے قرب و جوار میں مسلمانوں کی کوئی ایسی جماعت موجود نہیں جو دشمنوں کے دفاع میں مددگار هوسکے ' اور اسکی اعانت کی وجہ سے مسلمانان هند بری الذمہ هو جائیں - پس اس بنا پر بھی ساری شرعی

ذمہ داري مسلمانان هند هي کے ذمے عائد هوتي هے ' جنکي تعداد دنیا کي تمام اسلامي آبادیوں سے زیادہ ' اور جو بہت سي باتوں میں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے بہتر حالت رکھتے هیں -

(۴) عراق کا تمام خطہ دریاے دجلہ تک جزیرۂ عرب میں داخل هے - پس اگر انگریزي قبضہ وهاں قائم رها ' یا کسي طرح کا بھی انگریزي اقتدار حکم برداري اور نگرانی کے نام سے حاصل کیا گیا ' تو یہ صریح [جزیرۂ عرب پر غیرمسلم اقتدار هوگا ' اور از روے شرع مسلمانان هند کا فرض هوگا کہ اس اقتدار کے دور کرنے کیلیے حریف کا مقابلہ کریں -

(۵) بیت المقدس اسلام کے مقامات مقدسہ میں داخل هے - اگر اسپر غیر مسلم اقتدار قائم رکھا جائیگا ' تو تمام دنیا کے مسلمانوں کي طرح هندوستاني مسلمانوں کا بھي فرض هوگا کہ دفاع کیلیے مستعد هوجائیں -

(۶) غرضکہ هندوستان کے مسلمانوں پر ایک وفادار برٹش شهري کی زندگي بسر کرنا شرعاً ناجائز هوجائیگا - اور یہ فرائض کی سب سے بڑي کشمکش هوگی جسمیں کوئی انسانی جماعت مبتلا هو سکتی هے - یعنی بمجرد ان حالات کے برٹش گورنمنٹ کی حیثیت از روے شرع یہ هوجائیگی کہ وہ " اسلام اور مسلمانوں کي حملہ آور دشمن هے ' اور اسلیے اس سلوک کي مستحق هے جو از روے شرع مسلمانوں کو حملہ آور حریف کے ساتھہ کرنا چاهیے " جب ایسا هوا ' تو مسلمان مجبور هونگے کہ دو راهوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیں - یا برٹش گورنمنٹ کا ساتھہ دیں ' یا اسلام کا - یہ ناممکن هوگا کہ دونوں تعلق ایک وقت میں جمع کیے جاسکیں -

کیا چھہ کروڑ سے زائد انسانوں کو اس کشمکش میں مبتلا کردینا کوئي عاقبت اندیشانہ فعل هوسکتا هے ؟ فرصت کي آخري گھڑیاں گزر رهي هیں - اگر عارضي فتح مندي کا گھمنڈ مہلت دے ' تو گورنمنٹ اس سوال پر غور کرلے -

اگر انگلستان کے وزرا (نپولین کے لفظوں میں) وعدہ اسلیے نہیں کیا کرتے کہ وفا کیا جاے ' تو کم از کم اُس ایک وعدہ کو تو اس اخلاقی کلیہ سے مستثنی کردینا چاهیے جسکو هندوستان میں برٹش گورنمنٹ کا بنیادي اصول سمجھا جاتا هے - یعني کامل مذهبي آزادي کا وعدہ - اسی وعدہ کا

نتیجه هے که هندوستان میں هر قوم کي طرح مسلمان بهي روزمرہ اپنے مذهبي فرائض انجام دے رهے هیں - انکي مسجدیں قائم هیں - پانچ وقت اذان کي صدائیں بلند هوتی هیں - کوئي حاکم مسلمانوں سے یه نہیں کہتا که نماز نه پڑهو -

لیکن اگر برٹش گورنمنٹ بلاد اسلامیه کے خلاف اپنے موجودہ طرز عمل پر قائم رهي ' اسکے جهاز اسلامي حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے کیلیے سمندروں میں دوڑتے رهے ' اُسکی فوجیں عراق کي سرزمین پر قابض رهیں جو مقدس جزیرۂ عرب میں داخل هے ' اور ساتهه هي وہ اس کی بهي متوقع رهي که هندوستان کے بد بخت مسلمان اسکے وفادار بنے رهیں ' تو اسکے معني یه هونگے که وہ مسلمانوں کو انکے مذهب کے چهوٹے چهوٹے حکموں میں تو آزادي دینے کیلیے طیار هے ' لیکن جو احکام اسلام کے بنیادی عقائد هیں اور اُن بڑے حکموں میں داخل هیں جن کے ترک کردینے سے مسلمان مسلمان نہیں رهتا ' اُنکے لیے چاهتی هے که حق و آزادي کا نام بهي زبان پر نه لائیں ' اور برطانیه کي وفاداري کي خاطر اپنے اسلام سے باغی هو جائیں !

وہ مسلمانوں کو آزادي دیتی هے که نماز پڑهیں جو مذهبي احکام میں شاخ کا حکم رکهتي هے ' لیکن ساتهه هي اسلامي خلافت و امامت پر حمله آور بهی هے جو شاخ نہیں بلکه بنیاد اور جڑ کے حکم میں داخل هے ؟

وہ نماز پڑهنے میں مداخلت نہیں کریگی جس کے نه پڑهنے سے مسلمان گناهگار هو جاتا هے ' لیکن خلیفة المسلمین کو اُنکي حکومت و مملکت سے محروم کردیگي جنکي مدد نه کرنے سے مسلمان گناهگار هي نہیں بلکه اسلامي جماعت سے باهر هو جاتا هے ؟

وہ مسلمانوں کو حج کے سفر سے نہیں روکتي کیونکه انکا مذهبی عمل هے- لیکن وہ خلیفة المسلمین کو اپنی فوجی طاقت سے محصور کرکے مجبور کریگي که اسلامی مملکتوں کو غیر مسلموں کے حواله کردیں - اسوقت مسلمان دفاع کیلیے اُٹهینگے تو کهیگی که یه بغاوت هے - پهر کیا دفاع مسلمانوں کا مذهبی عمل نه هوگا ؟ اور کیسا مذهبي عمل ؟ ایسا عمل که شرعا هزاروں حج سے بڑهکر- حج اس کے لیے چهوڑ دیا جا سکتا هے ' لیکن حج کی خاطر وہ نہیں چهوڑا جا سکتا -

مسلمان هندوستان کی مسجدوں اور اُنکے اندرکي نمازوں کو لیکر کیا کرینگے جنکي اجازت دیدینے پر برتش گورنمنت کي آزادي کو ناز هے ' جبکه شریعت کے وہ احکام اُن کے سامنے آجائینگے جنکي تعمیل هزار نمازوں سے بهی بڑهکر اور هزار روزوں سے بهي اشد و اهم هے ' اور جنکی نا فرمانی کے بعد نہ تو اُنکی نمازیں هی اُن کے لیے سود مند رهینگي - نہ اُن کے روزے هی اُن کو نجات دلا سکینگے ؟

باب

ترک و اختیار

فصل

(ترک موالات)

اس صورت میں مسلمانوں پر ترک و اختیار' دونوں طرح کے احکام شرعاً عائد ہونگے -

" ترک " سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت کر رہے ہیں ' ترک کردینی پڑینگی -

" اختیار" سے مقصود یہ ہے کہ بہت سی باتیں جو اس وقت نہیں کو رہے ' کرنی پڑینگي -

اس سلسلہ میں سب سے پہلي چیز وہ ہے جس کو شریعت نے " ترک موالات " سے تعبیر کیا ہے - یعنی جو غیر مسلم مسلمانوں کے حریف و دشمن اور حملہ آور فریق کا حکم رکھتے ہوں ' اُن سے تمام ایسے تعلقات ترک کردینا جو محبت' خدمت' اور اعانت پر مبني ہوں - اگر کوئی مسلمان ایسا تعلق رکھے گا ' تو اُس کا شمار بھي شریعت کے نزدیک اُنھي غیر مسلموں میں ہوگا - مسلمانوں میں نہ ہوگا -

قرآن حکیم نے اس بارے میں ایک اصولي تقسیم کردي ہے - تمام غیر مسلم اقوام و افراد کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے - ایک قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو نہ تو مسلمانوں سے لڑتے ہیں - نہ انپر حملہ آور ہیں ' نہ اُن کي آبادیوں پر قابض ہونا چاہتے ہیں - دوسري قسم اُن غیر مسلموں کی ہے جو یہ ساري باتیں کر رہے ہیں - یعنی لڑتے ہیں ' حملہ آور ہیں' اسلامي ممالک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں - یا کرچکے ہیں -

اسلام کا حکم یہ ھے کہ پہلی قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ مسلمانوں کو نیکی و محبت اور ھر طرح کے احسان و خیر خواھی کا سلوک کرنا چاھیے - اسلام اس سے ھرگز مانع نہیں - عالمگیر محبت اس کی دعوۃ حق کا اصل الاصول ھے - البتہ دوسری قسم کے غیر مسلموں کے ساتھہ وہ اجازت نہیں دیتا کہ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی مسلمان رکھیں - اگر رکھینگے تو اُن کا شمار بھی اللہ اور اس کی شریعت کے دشمنوں میں ھوگا - ایک مسلمان کے سارے گناھوں سے شریعت درگزر کر لے سکتی ھے ' لیکن اگر دوسری قسم کے غیر مسلموں سے محبت کرتا ھے ' یا کسی طرح کا واسطہ رکھتا ھے ' تو یہ گناہ نہیں ھے -نفاق ھے - اور منافق مومن نہیں ھے -

قرآن نے یہ تقسیم سورۂ ممتحنہ میں کردی ھے : لا ینھا کم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ' ان تبرو ھم و تقسطوا الیھم ' ان اللہ یحب المقسطین - انما ینھا کم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم عن دیارکم و ظاھروا علی اخراجکم ' ان تولوھم ' و من یتولھم فاولئک ھم ' الظلمون - [۶۰ : ۱۰]

اور اسی سورۃ کے اوائل میں فرمایا : یا ایھا الذین آمنوا ! لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء ' تلقون الیھم بالمودہ و قد کفروا بما جاءکم من الحق ؟ الخ مسلمانو ! جو غیر مسلم تمھارے اور تمھارے خدا کے دشمن ھیں ' اُنکو اپنا دوست نہ بناؤ - اور سورۂ مائدہ میں ھے : لا تتخذوا الیھود و النصاری اولیاء ' بعضھم اولیاء بعض - و من یتولھم منکم فانہ منھم (۵ : ۵۴) اُن یہود و نصاری کو جو مسلمانوں کی دشمنی اور نقصان رسانی میں سرگرم ھوں ' اپنا دوست نہ بناؤ - اور جو مسلمان بنائیگا ' خدا کے حضور اسکا شمار بھی اُنھی میں ھوگا - اس سے بھی زیادہ واضح فرمایا : لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین (۳ : ۲۸) اور لاتتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین (۴ : ۱۴۳) یعنی جبکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں میں باھم جنگ ھو ' تو مسلمانوں کو نہیں چاھیے کہ اپنے بھائیوں کو چھوڑ کر اُن کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں - " من دون المومنین " جہاں جہاں آیا ھے ' اس نے واضح کردیا ھے کہ مقصود ھر قسم کے غیر مسلموں سے ترک موالات نہیں ھے '

بلکہ ایک خاص قسم کے محارب غیر مسلموں سے اور ایک خاص حالت جنگ میں - اسی طرح سورۂ عمران میں ہے : لا تتخذوا بطانة من دونکم لا یالونکم خبالا - ودوا ماعنتم ' قد بدت البغضاء من افواههم ' و ما تخفی فی صدورهم اکبر - (۳ : ۱۱۸)

یہاں ضمناً یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھہ مسلمانوں کو شرعاً کیسا تعلق رکھنا چاہیے ؟ سو معلوم ہوگیا کہ قران کی اس تقسیم کی بموجب وہ دوسری قسم میں داخل ہیں - پس ان کے ساتھہ بر و احسان اور نیکی و ہمدردی کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی - آجتک انہوں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا ' نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا ' نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوے -

فصل

(واقعۂ حاطب بن ابی بلتعہ)

سورۂ ممتحنہ کے شان نزول کا واقعہ اس بارے میں مسلمانوں کیلیے بڑا ہی عبرت انگیز ہے -

بخاری و مسلم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مہاجرین صحابہ اور شرکاء بدر میں سے تھے - آنحضرت صلعم نے مکہ پر چڑھائی کا قصد کیا تو انہوں نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے ایک خط لکھکر مکہ میں اطلاع دیدینی چاہی - وحی الہی سے آنحضرت اسپر مطلع ہوگئے اور راستے ہی میں سے خط پکڑوا منگوایا - جب حاطب سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی " ما فعلت ہذا کفرا و لا ارتدادا " میں نے کفر و ارتداد اور اسلام کی مخالفت کے خیال سے ایسا نہیں کیا - صرف اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے خط بھیجدیا تھا - میری نیت بری نہ تھی - حضرۃ عمر نے چاہا کہ انہیں قتل کردیں اور کہا : " انہ منافق - قد خان اللہ و رسولہ " یہ منافق ہے - اس نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھہ خیانت کی !

اسپر سورۂ ممتحنہ کا نزول ہوا :

یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودہ ، و قد کفروا بما جاء کم من الحق -	مسلمانو ! خدا کے اور خود اپنے دشمنوں کو ایسا دوست نہ بناؤ کہ محبت و الفت کے اُنسے تعلقات رکھو - یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام سے انکار کرچکے ہیں ، اور اللہ اور اسکے دین برحق کے دشمن ہیں -

اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑي ھي عبرت ھے - حاطب بن ابي بلتعہ مہاجرین و بدریین میں سے تھے - انھوں نے صرف اپنے اھل و عیال کي حفاظت کے خیال سے خط لکھا تھا - دشمنان اسلام کي مدد کرنا مقصود نہ تھا - اسپر بھي اللہ کی جانب سے یہ عتاب نازل ہوا ، اور حضرۃ عمر قتل کردینے کیلیے اُتھے کہ یہ منافق ھے - غور کرنا چاھیے کہ جب باوجود علاقۂ قرابت ، مخالف و محارب فریق کے ساتھہ اتنا تعلق بھي گوارا نہیں کیا گیا ، تو پھر اُن مسلمانوں کا شرعاً کیا حکم ھونا چاھیے جو برٹش گورنمنت کے محارب فریق ھونے پر بھي ، ھر طرح کي محبت و موالات اور اعانت و مشارکت کے تعلقات اُسکے ساتھہ رکھتے ھیں - اور جنکا ابتک یہ حال ھے کہ اُسکے درباروں کے دیے ھوے بے سود خطابوں کو بھی ترک کر دینا اُنکے نفس حق فراموش پر گراں گزر رہا ھے ؟

علي الخصوص اُن مدعیان علم و تقدس کا حال قابل تماشا ھے جنکو اُنکي بارگاھوں سے " شمس العلماء " کے خطابات ملے ھیں - یہ وہ لوگ ھیں جو اپنے تئیں اسلام کي دیني ریاست کا اولین حقدار اور مسلمانوں کي مذھبي پیشوائي کا سب سے زیادہ مستحق ظاھر کرتے ھیں - یا سبحان اللہ ! مسلمانوں پر اُنکي قومي بدبختي کا اس سے بڑھکر اور کونسا وقت آسکتا ھے ؟ جن لوگوں کو اسلام اور اسکي کتاب قطعاً منافق قرار دے رھي ھو ، اور جو اللہ کے نزدیک اسکے بھي حقدار نہوں کہ مسلمانوں کي صف میں جگہ پائیں ، اُنکو مسلمانوں کي ریاست و پیشوائي کا دعوی ھو ، وہ مسلمانوں کي بڑي بڑی درسگاھوں کے مالک ھوں جہاں صبح شام قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا رھتا ھو ، اور پھر اس سے بھي عجیب تر یہ کہ بہت سے مسلمان ھوں جو انکی پیشوائي کو جان و دل سے مان رھے ھوں ، اور اُنکے آگے عقیدت و ارادت کا سر جھکا کر اللہ اور اُسکے رسول سے گردن موڑ رھے ھوں !

مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن !

الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المومنین ' ایبتغون عندھم العزۃ ؟ فان العزۃ للہ جمیعا ! (۴ : ۱۳۸)

جو مسلمان ' مسلمانوں کو چھوڑ کر انکے مخالف غیر مسلموں کو اپنا دوست بنا رہے ھیں ' تو کیا وہ چاھتے ھیں کہ اُنکي بارگاھوں سے عزت حاصل کریں ؟ اگر عزت ھي کي طلب ھے تو یاد رکھین کہ اصلي عزت دینے والے وہ نہیں ھیں - عزت اللہ کیلیے ھے اور ایک مسلمان کو ملسکتي ھے تو اسي کي چوکھٹ سے -

سورۂ نساء میں یہ تمام خصلتیں منافقوں کي قرار دي ھیں ' جن میں آج ھمارے بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت مبتلا ھیں - اُن کا حال یہ ھوتا ھے کہ ایک ھي وقت میں اسلام و کفر ' دونوں سے ساز باز رکھنا چاھتے ھیں - یعني وہ چاھتے ھیں کہ مسلمان بھی رھیں ' اور اسلام کے مخالفوں سے بھی رسم و راہ جاري رھے - مذبذبین بین ذالک - لا الی ھا ولاء ' ولا الی ھا ولاء (۴ : ۱۴۳) تو ایسے لوگوں کي نسبت فرمایا : یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین - اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا مبینا ؟ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار (۴ : ۱۴۳)

اسلام تو ایک مسلمان کے لیے یہ بات بھی جائز نہیں رکھتا کہ اگر اس کے ماں باپ ' بھائی بہن ' مسلمانوں سے لڑ رھے ھوں ' تو اُن سے بھي کسی طرح کا واسطہ رکھے : لا تتخذوا آباء کم و اخوانکم اولیاء ان استحبو الکفر علی الایمان ' و من یتولھم منکم فاولئک ھم الظالمون (۹ : ۲۳) اور جو مسلمان ایسے وقتوں میں محارب غیر مسلموں سے محبت و اعانت کا تعلق رکھیں ' خواہ وہ اُنکے ماں باپ ھی کیوں نہوں ' اُن کے مومن ھونےکي صاف صاف نفي کر رھا ھے : لا تجد قوما یومنون با اللہ و الیوم الاخر ' یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آبائھم (۵۸ : ۲۲) مہاجرین صحابہ نے اس حکم کی تصویر بنکر دنیا کو دکھلا دیا کہ ایمان کے معنی کیا ھیں ؟

پس اب فیصلہ کرلو کہ اُن لوگوں کا حکم کیا ھونا چاھیے جو ایسے وقتوں میں بھي محارب غیر مسلموں کے دیے ھوے خطابوں سے پیار کرینگے ' اُن کے دیے ھوے تمغوں کو (جن میں سے اکثر اسلام فروشي ھي کے صلے میں ملے ھیں) اپنے سینوں پر جگہ دینگے ' اُنکی بارگاھوں میں جاکر اطاعت و تعبد

کا سر جھکائینگے ' اور آہ ' ان سب سے بھي بڑھکر وہ ' جو انکي راھوں میں غلاموں کي طرح بچھینگے ' اُنکے حکموں پر کتوں کی طرح لوٹینگے ' اُنکي خدمت و چاکري کے عشق میں اپنے دین و ایمان تک کو نثار کردینگے ؟ فیا للہ و للمسلمین ! من ھذہ الفاقرة التي ھي اعظم فواقر الدین ' والرزیة التي ما رزي بمثلھا سبیل المومنین !

لمثـــل ھذا یذوب القلب من کمد
ان کان في القلب اســلام و ایمان !

فصل

ھل للامام ان یمنع المتخلفین والقاعدین من الکلام معھم و الزیارة و نحوہ ؟

ایک اھم سوال شرعاً یہاں یہ پیدا ھوتا ھے کہ جو مسلمان باوجود تبلیغ و تفھیم ' محارب غیر مسلموں سے ترک موالات نہ کریں ' اور اُنکي مودت و اعانت سے باز نہ آئیں ' اُنکے ساتھہ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاھیے ؟

حضرة کعب بن مالک اور غزوۂ تبوک کے متخلفین کا واقعہ گذشتہ باب میں گزر چکا ھے - اس موقعہ پر آنحضرة صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا ' اس سے ثابت ھوتا ھے کہ جو مسلمان مصالح امت کے خلاف روش اختیار کریں ' اور دشمنان ملت کے دفاع میں با وجود استطاعت حصہ نہ لیں ' انسے بھي مسلمانوں کو ترک موالات کردینا چاھیے -

امام بخاری نے کتاب الاحکام میں باب باندھا ھے " ھل للامام أن یمنع المجرمین و اھل المعصیة من الکلام معہ و الزیارة و نحوہ ؟ " یعنی کیا مسلمانوں کے امام کو اس بات کا حق پہنچتا ھے کہ جو لوگ شرعي جرائم کے مرتکب ھوں ' اُنسے ملنے ' بات چیت کرنے ' اور اسي طرح کے تعلقات رکھنے سے لوگوں کو روک دے ؟ اور پھر اسمیں حضرة کعب بن مالک کي روایت درج کي ھے - گویا اس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ھیں کہ امام کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا ھے ' اور زجر و تنبیـــہ اور عبرت پذیري کے لیے ایسا کرنا اعمال نبوت کے تھیک مطابق ھوگا -

امام بخاري کا یہ استدلال نہایت واضح اور صاف ہے - آنحضرة صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ کسي طرح کا واسطہ ان لوگوں سے نہ رکھیں - نہ سلام کریں - نہ کلام کریں - نہ ملیں جلیں - یہانتک کہ انکي بیبیوں تک کو تعلقات زوجیة رکھنے کي اجازت نہ تھي - بالاخر یہ حالت ھوگئي کہ " ضاقت علیھم الارض بما رحبت " پس اس سے ثابت ھوا کہ جب کبھي اسلام اور امت کي حفاظت اور دفاع کا وقت آجاے اور تمام مسلمانوں کا اسمیں شریک ھونا ضروري ھو' تو جس مسلمان کي طرف سے اسمیں سستي وکاھلي ھو' یا انکار و تخلف ھو' اُسکا جرم عند اللہ نہایت شدید و عظیم ہے' اور مسلمانوں کی جماعت کو حق پہنچتا ھے کہ زجر و تنبیہ کیلیے اُسکے ساتھہ وھي سلوک کریں جو اُن تینوں شخصوں کے ساتھہ کیا گیا تھا - اور جبتک وہ اپنے رویہ سے باز نہ آجائیں' کوئي مسلمان اُن سے کسي طرح کا علاقہ نہ رکھے - جب اُن مسلمانوں کیساتھہ یہ سلوک جائز ھوا جو سابقین انصار اور شرکاء بدر میں سے تھے اور جنکا قصور بجز سستي و کاھلي کے اور کچھہ نہ تھا' تو جو لوگ صریح طور پر اعداء اسلام کے ساتھہ اطاعت و اعانت کے تعلقات رکھیں' اور دفاع اسلام کي سعي و تدبیر میں شامل ھونے سے صاف صاف انکار کردیں' انکے لیے تو ایسا حکم دینا نہ صرف جائز و مشروع ھوگا' بلکہ یقیناً واجب و الزم ھوگا -

ابن ابي حاتم نے امام حسن بصري کا کیا خوب قول نقل کیا ھے - قال " یا سبحان اللہ ! ما أکل ھا اولاء الثلاثة مالاً حراماً' و لا سفکوا دماً حراما' و لا افسدوا فی الارض' اصابھم ما سمعتم' و ضاقت بھم الارض بما رحبت' فکیف بمن یواقع الفواحش و الکبائر؟ "

حافظ ابن حجر لکھتے ھیں " و فیھا ترک السلام علی من أذنب و جواز ھجرہ أکثر من ثلاث - و اما النھي عن الھجر فوق الثلاث فمحمول علی من لم یکن ھجرانہ شرعیا " (۱) یعنی اس واقعہ سے یہ بات بھي ثابت ھوتي ھے کہ مجرمین شرع سے ترک سلام و کلام کرنا جائز ھے اور تین دن سے زیادہ

---

(۱) امام بخاري اپني عادت کے مطابق حدیث کعب کو مختلف ابواب میں لاے ھیں - باب متذکرۂ متن کتاب الاحکام کا آخري باب ھے' اور مفصل حدیث کتاب المغازي میں ھے - کتاب المغازي کي شرح میں حافظ موصوف کي یہ عبارت ملیگي - (جلد ۸ ۴

اُن سے ترک تعلق کیا جا سکتا ھے - باقي رھی حدیث - " لا یحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث" یعني کسي مسلمان کیلیے جائزنہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائي مسلمان سے جدا رھے - تو اُس سے مقصود وہ جدائي ھے جو بلا سبب شرعي ھو' اور اس واقعہ میں جدائي کا حکم جرم شرعي کے ارتکاب کي بنا پر ھوا - پس زیادہ عرصہ تک ترک علائق جائز ھے -

حافظ ابن قیم نے بھی ھدي میں اس واقعہ سے یہ حکم مستنبط کیا ھے اور اپنے مخصوص طرز میں مشرح بحث کي ھے -

فصل

(ایک شبہ اور اُسکا ازالہ)

بیجا نہ ھوگا اگر یہاں ایک شبہ دور کردیا جاے جو اس معاملہ کي نسبت ھوا ھے اور ھوسکتا ھے - حافظ ابن حجر لکھتے ھیں " استدل بعض المتاخرین لکونہما لم یشھدا بدرا بما وقع في قصۃ حاطب' و ان النبي صلعم لم یھجرہ و لا عاقبہ مع کونہ جس علیہ بل قال لعمر لما ھم بقتلہ : لعل اللہ اطلع علي اھل بدر فقال اعملو ما شئتم فقد غفرت لکم : قال - و این ذنب التخلف من ذنب الجس ؟ " یعني بعض متاخرین نے اس سے انکار کیا ھے کہ مرارہ بن ربیع اور ھلال بن امیہ شھداء بدر میں سے تھے - کیونکہ اگر ایسا ھوتا تو انکو یہ سزا نہ دي جاتي - حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ سے خط وکتابت کي اور وہ جرم بڑا ھی سخت جرم تھا - یعني جاسوسي کا تھا - اسپر بھي بوجہ بدري ھونے کے آنحضرۃ نے معاف کردیا اور لوگوں کو انکے ساتھہ ترک تعلق کا حکم نہیں دیا - کعب اور اُنکے ساتھیوں کا اس سے بڑھکر تو قصور نہ تھا ؟ پھر اتنی بڑي سخت سزا انکو کیوں دي گئي ؟ پس اس سے ثابت ھوتا ھے کہ حاطب کي معافی اُنکے بدري ھونے کي وجہ سے تھی' اور یہ لوگ اسلیے ماخوذ ھوے کہ بدری نہ تھے - انتھی -

پھر حافظ موصوف نے اسکا جواب دیا ھے کہ یہ لوگ ضرور بدری تھے - حاطب کو اسلیے کوئي سزا نہیں دي گئي کہ اُنھوں نے اپنے اھل و عیال کي حفاظت کا عذر پیش کیا تھا - لیکن ان لوگوں کے پاس کوئي عذر نہ تھا - پھر آگے چلکر سہیلي کا جواب نقل کیا ھے کہ ان لوگوں کو سخت

سزا اسلیے دی گئي کہ انصار میں سے تھے اور انصار نے آنحضرت کي حمایت کا خاص طور پر وعدہ کیا تھا - آنپر دوسروں سے کہیں زیادہ معیت و نصرت فرض تھي - اسمیں کوتا ھي ھوئي تو مستحق تعزیر ھوے -

ھم کو افسوس کے ساتھہ کہنا پڑتا ھے کہ یہ شبہ جسقدر تعجب انگیز ھے، اس سے کہیں زیادہ ان اکابر و اعلام کے جوابات و تعلیلات تعجب انگیز ھیں - سخت حیراني ھوتي ھے کہ ایک نہایت صاف و واضح معاملہ کي نسبت کیوں اسقدر غیر ضروری کا وشیں کي گئیں ' اور کیوں اصلي علت سامنے نہ آگئي ؟

حضرت ھلال اور مرارہ کا بدري ھونا مسلم ھے - بخاري کي روایت میں خود حضرۃ کعب کہتے ھیں " رجلین صالحین قد شھدا بدرا " اور حاطب بن ابي بلتعہ کے واقعہ اور اس معاملہ میں کسي طرح کي منافات نہیں ھے - دونوں معاملے اپني اپني جگہ ٹھیک ھیں - اس واقعہ پر جن لوگوں کو تعجب ھوا ' انھوں نے حکم دفاع کي اھمیت پر نظر نہ ڈالي - اگر اسپر غور کرلیتے تو یہ شبہ پیدا ھي نہ ھوتا - نہ ان کمزور توجیھوں کي ضرورت پیش آتي -

ایک صورت عام طور پر حفظ ملک و نصرت قوم کي ھے - اور ایک صورت خاص دشمن کے حملۂ و ھجوم کی ھے - پہلي حالت میں اگر جنگي احکام کي تعمیل میں سستي و کاھلي ھو' تو اُس درجہ سنگین نہیں ھوتي جسقدر دوسري حالت میں - پہلی حالت اندرونی امن کي ھے - دوسري بیروني حملہ و جنگ کي - جنگ و دفاع کي حالت میں ایک ذرا سي سستي اور کاھلي بھي اتنا بڑا جرم ھوتي ھے کہ اسکي پاداش میں موت کي سزا کو بھي سخت نہیں کہا جاسکتا -

اسي بنا پر شریعت نے ایک حالت تہیۂ جہاد و رباط خیل و استعداد کار کي قرار دي ھے - دوسري حالت " دفاع " اور نفیر کي بتلائی - جب کسي دشمن نے مسلمانوں پر حملہ کردیا ھو اور مسلم و غیر مسلم جنگ کي حالت پیدا ھوگئي ھو' تو وہ حالت دفاع کی ھے -

حاطب بن ابي بلتعہ کا واقعہ یہ ھے کہ مدینہ میں امن تھا - قریش یا کسی دوسرے دشمن کی طرف سے اُسوقت حملہ کا خوف نہ تھا - خود مسلمان مکہ پر حملہ کرنے والے تھے - کیونکہ قریش نے اپنا عہد و میثاق توڑ دیا تھا -

لیکن حضرت کعب بن مالک کا معاملہ دوسرا تھا - اُنہوں نے اسوقت اداء فرض میں سستی کی جب دشمن کے حملۂ و ہجوم کا اعلان ہوچکا تھا اور چالیس ہزار رومیوں کے اجتماع کي خبریں آچکی تھیں - وہ حملہ کا وقت نہ تھا - دفاع کا تھا - امام نے حکم دیدیا تھا ' اور نفیر عام کی صورت پیدا ہوگئی تھی - اُسوقت اداء فرض میں غفلت کرنا ایسا سنگین جرم ہے کہ کسی طرح معاف نہیں کیا جاسکتا - پس ضروری تھا کہ عبرت کیلیے کوئی سخت طرز عمل اختیار کیا جاتا ' تا کہ آیندہ ایسی غفلتوں کی کسی کو جرأت نہ ہو -

تعجب ہے کہ حافظ ابن قیم کو بھی ہدی میں یہی شبہ لاحق ہوا اور اسی لیے اُنہوں نے ہلال اور مرارہ کے بدری ہونے سے انکار کردیا ہے - والغلط لا یعصمہ الانسان -

فصل

(گورنمنت کے لیے اصلي سوال)

گورنمنت صرف اپنے فوائد و اغراض هی سامنے رکھکر غور کرلے کہ هندوستان کے کروروں انسانوں کو جو دنیا اور زندگي کي ساري چیزوں سے زیادہ اپنے مذهب کو محبوب رکھتے هیں ' ایک ایسي اٹل اور لا علاج کشمکش میں ڈالدینا بہتر هوگا جس میں ایک طرف انکے مذهبي احکام هیں ' دوسري طرف برٹش گورنمنٹ ؟ اور دونوں باتیں اس طرح آپس میں لڑگئی هیں کہ کسي طرح بھي جمع نہیں هو سکتیں ؟

اگر انسان کے هاتهہ اشارے کرکے طوفانوں اور بجلیوں کو بلا سکتے هیں ' تو یقیناً برٹش گورنمنت اِسوقت اُس آدمي کي طرح سمندر کے کنارے کھڑي ہے جو اپنا هاتهہ هلا هلا کر طوفانوں کو دعوت دے رها هو -

في الحقیقت یہ نہ تو کوئي اُلجھاؤ ہے نہ کوئي مشکل مسئلہ - بالکل صاف اور سیدھي سی بات ہے - بشرطیکہ حاکمانہ غرور اور طاقت کا نشہ چند لمحوں کے لیے عقل و انصاف کو کام کرنے دے -

مسلمانوں کا مطالبہ شرعي احکام کا مطالبہ ہے - اسلام کے احکام کوئی راز نہیں هیں جن تک گورنمنت کي رسائي نهو - چھپي هوئي کتابوں میں

مرتب هیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز زیر درس و تدریس رهتے هیں - پس گورنمنٹ کو چاهیے کہ صرف اس بات کي جانچ کرلے کہ واقعي اسلام کے شرعي احکام ایسے هي هیں یا نہیں ؟

اگر ثابت هوجاے کہ ایسا هی هے' تو پهر صرف دو هي راهیں گورنمنٹ کے سامنے هوني چاهئیں :

یا مسلمانوں کیلیے اُنکے مذهب کو چهوڑدے اور کوئي بات ایسی نہ کرے جس سے انکے مذهب میں مداخلت هو اور وہ اپنے مذهبي احکام کی بنا پر برٹش گورنمنٹ کے خلاف هوجانے پر مجبور هو جائیں -

یا پهر اعلان کردے کہ اس کو مسلمانوں کے مذهبی احکام کي کوئي پروا نہیں هے - نہ اس پالیسي پر قائم هے کہ ان کے مذهب میں مداخلت نہوگي - اس کو صـــرف زیادہ سے زیادہ زمیں چاهیے ' زیادہ سے زیادہ حکومت چاهیے ' موصل کے تیل کے چشمے چاهئیں ' عراق کي زرخیز زمین کي دولت چاهیے ' اور اسلامي خلافت کا خاتمہ ' تا کہ دنیا میں اس کا کوئی اسلامي حریف باقی نہ رهے - اگر ایسا کرنے کي وجہ سے مسلمانوں کے مذهبي احکام متصادم هوتے هیں' تو هوں - اگر انپر طرح طرح کے اشد فرائض عائد هوجاتے هیں ' تو هوا کریں - اُنکو هر حال میں برٹش گورنمنٹ کا وفادار غلام بنا رهنا چاهیے ' اگرچہ اسکی خاطـــر اپنے مذهب سے بهی دست بردار هو جانا پڑے -

اسکے بعد مسلمانوں کیلیے بهي نہایت آسان هوجائگا کہ اپنا وقت بے سود شور و فغاں میں ضائع نہ کریں ' اور برٹش گورنمنٹ اور اسلام ' اِن دونوں میں سے کوئي ایک بات اپنے لیے پسند کرلیں -

باب

(نظام عمل)

فصل

(مسلمانان هند اور نظام جماعت)

لیکن همارے لیے اصلي سوال اب یه نهیں رها هے که گورنمنٹ کو کیا کرنا تها ؟ صرف یه هے که همیں کیا کرنا چاهیے ؟

اس بارے میں مسلمانوں کیلیے راه عمل همیشه سے ایک هی رهي هے ' اور همیشه کي طرح اب بهي ایک هي هے - یعني هندوستاں کے مسلمان اپني جماعتي زندگي کي اُس معصیت سے باز آجائیں جسمیں ایک عرصه سے مبتلا هیں ' اور جسکي وجه سے فوز و فلاح کے تمام دروازے انپر بند هوگئے هیں -

" جماعتي زندگي کي معصیت " سے مقصود یه هے که ان میں ایک " جماعت " بنکر رهنے کا شرعي نظام مفقود هوگیا هے - وه بالکل اُس گلے کي طرح هیں جسکا انبوه جنگل کي جهاڑیوں میں منتشر هوکر گم هوگیا هو - وه بسا اوقات یکجا اکٹهے هوکر اپني جماعتي قوت کي نمایش کرني چاهتے هیں - کمیٹیاں بناتے هیں - کانفرنسیں منعقد کرتے هیں - لیکن یه تمام اجتماعي نمائشیں شریعت کي نظروں میں " بهیڑ " اور " انبوه " کا حکم رکهتي هیں - " جماعت " کا حکم نهیں رکهتیں - " بهیڑ " اور جماعت " میں فرق هے - پهلي چیز بازاروں میں نظر آجاتي هے جب کوئی تماشه هورها هو - دوسري چیز جمعه کے دن مسجدوں میں دیکهي جا سکتي هے جب هزاروں انسانوں کی منظم و مرتب صفیں ایک مقصد ' ایک جهت ' ایک حالت ' اور ایک هي کے پیچهے مجتمع هوتي هیں -

شریعت نے مسلمانوں کیلیے جهاں انفرادي زندگي کے اعمال مقرر کردیے هیں ' وهاں اُنکے لیے ایک اجتماعي نظام بهی قرار دیدیا هے - وه کهتي هے که زندگي اجتماع کا نام هے - افراد و اشخاص کوئي شے نهیں - جب

کوئي قوم اس نظام کو ترک کردیتي ھے تو گو اسکے افراد فرداً فرداً کتنے ھي شخصی اعمال و طاعات میں سرگرم ھوں ' لیکن یہ سرگرمیاں اس بارے میں کچھہ سود مند نہیں ھوسکتیں ' اور قوم جماعتي معصیت میں مبتلا ھوجاتي ھے -

قرآن و سنة نے بتلایا ھے کہ شخصي زندگي کے معاصي کسی قوم کو یکایک برباد نہیں کردیتے - اشخاص کی معصیت کا زھر آھستہ آھستہ کام کرتا ھے - لیکن جماعتی زندگی کی معصیت کا تخم (یعني نظام جماعتی کا نہونا) ایسا تخم ھلاکت ھے جو فوراً بربادي کا پھل لاتا ھے اور پوري قوم کي قوم تباہ ھوجاتی ھے -

شخصی اعمال کي اصلاح و درستگي بھي نظام اجتماعی کے قیام پر موقوف ھے - مسلمانان ھند جماعتي زندگی کي معصیت میں مبتلا ھیں - اور جب جماعتي معصیت سب پر چھاگئي ھے تو افراد کی اصلاح کیونکر ھوسکتی ھے ؟

کتاب و سنة نے جماعتی زندگی کے تین رکن بتلائے ھیں :

تمام لوگ کسي ایک صاحب علم و عمل مسلمان پر جمع ھوجائیں ' اور وہ اُنکا امام ھو -

وہ جو کچھہ تعلیم دے ' ایمان و صداقت کے ساتھہ قبول کریں -

قرآن و سنت کے ماتحت اسکے جو کچھہ احکام ھوں ' اُنکی بلا چون و چرا تعمیل و اطاعت کریں -

سب کی زبانیں گونگی ھوں - صرف اسی کی زبان گویا ھو - سب کے دماغ بیکار ھوجائیں - صرف اُسي کا دماغ کار فرما ھو - لوگوں کے پاس نہ زبان ھو نہ دماغ - صرف دل ھو جو قبول کرے ' صرف ھاتھہ پاؤں ھوں جو عمل کریں !

اگر ایسا نہیں ھے ' تو ایک بھیڑ ھے ' ایک انبوہ ھے ' جانوروں کا ایک جنگل ھے ' کنکر پتھر کا ایک ڈھیر ھے ' مگر نہ تو " جماعت " ھے نہ " امت " - نہ " قوم " نہ " اجتماع " - اینٹیں ھیں مگر دیوار نہیں - کنکر ھیں مگر پہاڑ نہیں - قطرے ھیں مگر دریا نہیں - کڑیاں ھیں جو ٹکڑے ٹکڑے کردي جاسکتي ھیں ' مگر زنجیر نہیں ھے جو بڑے بڑے جہازوں کو گرفتار کرلے سکتی ھے -

کسی گذشتہ فصل میں بہ ضمن شرح حدیث حارث اشعری " جماعت " کی حقیقت پر بحث کی گئی ہے - اس موقعہ پر وہ پیش نظر رہے -

یہ وقت فصل کاٹنے کا تھا ' نہ کہ دانہ ڈالنے کا - لیکن مسلمانوں نے اپني جد و جہد کي تمام گذشتہ زندگي گمگشتگي و بے حاصلي میں ضائع کردی - حتی کہ سچ مچ وہ وقت آ گیا جسکي تباھیوں کا تخیل پیدا کرکے کبھي ڈرانے والے ڈرایا کرتے تھے : فقد جاء اشراطها - فاني لهم اذ جاءتهم ذکراهم ؟ (۴۷ : ۲۱) اب بھي اگر کام ہے تو یہي کام ہے اور غم ہونا چاھیے تو اسی کا - سچے کام کے کرنے میں کتني ھي دیر ہو جاے ' مگر جب کبھي کیا جاے ' سچائي ہے - اسکے لیے نہ تو کوئي وقت ناموافق ہے نہ کوئي جگہ مخالف - اسکے کرنے میں جسقدر دیر کي جائیگی ' معصیت اور ھلاکي ہے - لیکن جب کبھي کردیا جاے ' سچائي اور نیکي ہے ' اور اُسکا ثمرہ زندگي اور کامراني -

تمھاري سب سے بڑي گمراھي یہ ہے کہ خاص خاص وقتوں میں خاص خاص کاموں کا نام سن پاتے ہو ' اور پھر چیخنے چلانے لگتے ہو ' اور جسطرح اونگھتا ہوا آدمي ایک مرتبہ چونک اُٹھتا ہے ' یکایک اعتقاد اور عمل ' دونوں تمھیں یاد آ جاتے ھیں - حالانکہ نہ تو خاص خاص وقتوں ھي میں تمھاري مصیبت وجود میں آتي ہے - نہ کامیابي کي راہ کسي خاص کام کے پڑ جانے پر موقوف ہے - تمھاري مصیبت دائمي ' تمھارا ماتم ھمیشگي کا ' تمھارا روگ تمھاري ھڈیوں کے اندر سمایا ہوا ' اور تمھاري نحوست چوبیس گھنٹے تمھاري ساتھي ہے - اور ٹھیک اُسی کی طرح تمھاري کامیابی و خوشحالی بھی ہر وقت تمھارے سایے کے ساتھہ ساتھہ دوڑ رھی ہے - اور ہر آن و ہر لمحہ تمھارے وجود کے اندر سمائی ہوئی ہے -

تم وقت پر سامنے آجانے والی چیزوں کے غم میں کیوں گھلے جاتے ہو ؟ اپنا ھمیشہ کا معاملہ ایک مرتبہ درست کیوں نہیں کر لیتے ؟ جبتک دل و جگر کا علاج نہوگا ' روز نئے نئے روگ لگتے رھینگے - خلافت کا مسئلہ کل سے سامنے آیا ہے ' مگر تمھاري بربادي کا مسئلہ کل ھی سے نہیں شروع ہوا - پس تمھارا اصلی کام کوئی خاص مسئلہ اور کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتي - ھمیشہ سے اور ھمیشہ کیلیے صرف یہی ہے کہ " ھندوستان کے مسلمانوں کو مسلمان بننا چاھیے ' اور قوم و فرد ' دونوں اعتباروں سے ٹھیک ٹھیک

اسلامی زندگی اختیار کرلینی چاهیے " اس ایک کام کے انجام پانے پر سارے کام خود بخود انجام پا جائینگے - سوال حکومتوں کے نکل جانے کا نہیں ہے - ایمان کی گم گشتگی اور محرومی کا ہے :

درازی شب و بیداری من این همه نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست !

اسی مسئلۂ خلافت کو دیکھو ! شرعی اور سیاسی ' دونوں پہلوؤں سے کسقدر اہم اور نازک معاملہ ہے ؟ اگر آج مسلمانوں میں آنکے ائمۂ و مشاہیر موجود ہوتے ' تو انمیں سے بھی ہر شخص زبان نہ کھولتا - کسی ایک صاحب نظر و عمل کے احکام پر سب کار بند ہو جاتے - لیکن اسکے مقابلہ میں آج تمھارا حال کیا ہو رہا ہے ؟ کمیٹیوں اور تجویزوں کی عادت برسوں سے پڑی ہوئی ہے - اسی قینچی سے اس پہاڑ کو بھی کترنا چاہتے ہو - ہر زبان تجویزیں پیش کر رہی ہے - ہر قلم امام و مجتہد کی طرح احکام نافذ کر رہا ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی کچھہ کہتا ہے - کوئی دھنے بلاتا ہے - کوئی بائیں - کیا اس طوائف الملوکی اور ذہنی انارکی کے ساتھہ جو عالم فکر و نظر کا ایک پورا پورا غدر ہے ' یہ مہم سر ہوسکتی ہے ؟

شرعی پہلو سے مسئلہ کا یہ حال کہ ایک صاحب نظر و اجتہاد دماغ کی ضرورت ہے جسکا قلب کتاب و سنۃ کے معارف و غوامض سے معمور ہو - وہ اصول شرعیہ کو مسلمانان ہند کی موجودہ حالت پر ' انکے توطن ہند کی حدیث العہد نوعیت پر ' ایک ایک لمحہ کے اندر متغیر ہوجانے والے حوادث جنگ و صلح پر ' ٹھیک ٹھیک منطبق کرے ' اور پھر تمام مصالح و مقاصد شرعیۂ و ملیہ کے تحفظ و توازن کے بعد فتوئ شرع صادر کرتا رہے - نہ ہر عالم اسکا اہل ہے - نہ ہر مدرسہ نشین اس کا اسرار شناس -

سیاسی پہلو سے دیکھا جاے تو جو کام فوجوں اور حکومتوں کی طاقت سے انجام پا سکتا ہے ' اسکو تم صرف اپنی جماعتی قوت کے استعمال سے حاصل کرنا چاہتے ہو - پھر کسقدر نامرادی ہے کہ وہ قوت بھی ناپید ؟

بلاشبہ لوگوں میں احساس اور طلب کی کمی نہیں - نہ جوش و سرگرمی کی کمی ہے ' اور یہ بڑی ہی قیمتی چیز ہے - لیکن اگر صحیح راہ عمل اختیار نہ کی گئی تو یہی بات سب سے زیادہ مضر بھی ہو جاسکتی ہے - جذبات کی مثال اسٹیم کی سی ہے - بغیر اسٹیم کے کچھہ نہیں ہوسکتا ' لیکن وہ بھی بغیر مشین اور سائق (ڈرایور) کے کچھہ نہیں کرسکتی - مشین اسکی

طاقت کو ترتیب دیتي اور قرار رکھکر اس سے کام لیتا ھے - اگر یہ دونوں باتیں نہیں ھیں ' تو اس سے زیادہ کوئي خطرناک اور مہلک چیز بھي نہیں ھوسکتي - کاش وہ نہ ھوتي - وہ ٹرین کو منزل مقصود پر پہنچاتي ھے ' مگر انجنوں کو ٹکرا کر ھزاروں انسانوں کو ھلاک بھي کردیتي ھے !

" جذبات " اُسي وقت کام دے سکتے ھیں ' جب اُنکو مرتب کرنے اور اُنپر حکم و قضاء کیلیے " ادراک " اور " دماغ " بھي موجود ھو - و ذلک من عمل النبوۃ ' و لکن لا یعقلھا الا العالمون -

بہر حال اسوقت ' اور ھمیشہ سے ' اور ھمیشہ کیلیے ' " راہ عمل " یہي ھے کہ مسلمان سب سے پہلے اسلام کي جماعتي زندگي اختیار کرلیں - اسي پر مسئلۂ خلافت اسلامي کے بھي تمام مہمات و اعمال موقوف ھیں -

تمام مسلمانوں کو اُن ھمدردان ملت کا شکر گزار ھونا چاھیے جنہوں نے آل انڈیا خلافت کمیٹي کي بنیاد ڈالي اور تمام ملک میں اسکي شاخوں کے قیام کا سروسامان کیا - لیکن خلافت کمیٹي کا نظام مسلمانوں کو نظـــام جماعتي و شرعي کے قیام سے مستغنی نہیں کردے سکتا - خلافت کمیٹي روپیہ جمع کریگي - ایجي ٹیشن جاری رکھیگي - تبلیغ و اشاعت کریگی - لیکن نہ تو وہ قوم کو سنبھال سکتي ھے ' نہ کمیٹیوں سے " جماعت " پیدا ھوسکتي ھے ' نہ شرعي نظام کي قائم مقامي ھوسکتي ھے - وہ خود احکام شرعیہ کے علم کیلیے ' اپنے قیام و تکمیل کیلیے ' دفع تفرقۂ و انتشار کیلیے ' اور روح اجتماع و قوام کے نفوذ کیلیے ایک بالاتر قوت حاکمۂ و نافذہ کي محتاج ھے - اور اگر وہ قوت نہیں ھے تو پھر اسکي ھستي بھی قائم نہیں رھسکتی -

نظام شرعي یہ نہیں ھے کہ ھر شخص فرداً فرداً سونچتا رھے کہ مسئلۂ خلافت کیلیے کیا کرنا چاھیے ؟ اور اخباروں میں آرٹیکل لکھے جائیں کہ عملي راہ کیا ھوني چاھیے ؟ اور نہ ھر شخص یا چند آدمیوں کي گڑھي ھوئي کمیٹي کو یہ حق ھے کہ لوگوں کو کسي خاص راہ کي طرف دعوت دینا شروع کردے - یہ کام صرف ایک صاحب نظر و اجتہاد کا ھے جسکو قوم نے بالاتفاق تسلیم کرلیا ھو - وہ وقت اور حالت پر اصول و احکام شریعت کو منطبق کریگا - ایک ایک جزئیۂ حوادث و واقعات پر پوری کار داني و نکتہ شناسی کے ساتھہ نظر ڈالیگا ' اُمت و شرع کے اصولي مصالح و مقاصد اسکے سامنے ھونگے - کسي ایک گوشے ھي میں ایسا مستغرق نہوجائیگا کہ باقي تمام گوشوں سے بے پروا ھوجاے :

حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء !

سب سے بڑھکر یہ کہ اعمال مہمۂ اُمت کی راہ میں منہاج نبوت پر اسکا قدم استوار ہوگا ' اور ان ساری باتوں کے علم و بصیرۃ کے بعد ہر وقت ' ہر تغیر ' ہر حالت ' ہر جماعت کے لیے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکے گا -

فصل

زبان ز نکتہ فرو ماند و راز من باقیست !
بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست !

عزیزان ملت ! اس طول طویل صحبت میں جو کچھہ بیان کیا گیا اُس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو میری زبان پر نئی ہو - یہ تمام وہی افسانۂ کہن ہے جو پچھلے دس سالوں سے برابر دھراتا رہا ہوں ' اور اگر " الہلال " و " البلاغ " کی پیہم صدائیں تمہارے حافظہ میں فراموش نہیں ہوگئی ہیں ' تو تم اُسکی تصدیق کروگے - تمہارے رہبروں اور پیشواؤں کی رائیں اور صدائیں کتنی ہی مضطرب و متزلزل رہی ہوں ' لیکن میری طرف دیکھو ! میں ایک انسان تم میں موجود ہوں جو دس سال سے صرف ایک ہی صداے دعوۃ بلند کر رہا ' اور صرف ایک ہی بات کی جانب تڑپ تڑپ کر بلا رہا اور لوٹ لوٹ کر پکار رہا ہوں - و لکن لا تحبون الناصحین (۷ : ۷۸) افسوس ! کہ تم حقیقی اور سچی بات کہنے والوں کو پسند نہیں کرتے - تم نمائش کے پجاری ' شور و ہنگامہ کے بندے ' اور وقتی جذبات و انفجار ہیجان کی مخلوق ہو - تم میں نہ امتیاز ہے نہ نظر - نہ تم جانتے ہو نہ پہچانتے ہو - تم جس قدر تیز دوڑ کر آتے ہو ' اُتنی ہی تیزی کے ساتھہ فرار بھی کرجاتے ہو - تمہاری اطاعت جس قدر سہل ہے اور تمہاری ارادت جتنی سستی ' اُتنا ہی تمہارا انحراف آسان ہے ' اور اُسی نسبت سے تمہاری مخالفت بھی ارزان ہے - پس نہ تو تمہاری تحسین کی کوئی قیمت ' نہ تمہاری توہین کا کوئی وزن - نہ تمہارے پاس دماغ ہے نہ دل - وساوس ہیں جنکو تم افکار سمجھتے ہو ' خطرات ہیں جنکو تم عزائم کہتے ہو - خدا را بتلاؤ ! میں تمہارے ساتھہ کیا کروں ؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ آج جن باتوں کے لیے تم رو رہے ہو ' یہ وہی باتیں ہیں جو ایک زمانے میں میری زبان سے فریاد کا اضطراب اور طلب

کی چیخ بنکر نکلتی تھیں ' مگر تمھارے سینے کے اندر پتھر کا ایک ٹکرہ ہے '
اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں ؟ اور تم یکقلم انکار و اعراض میں غرق تھے ؟

تم نے ہمیشہ اعراض کیا - تم نے اعراض ہی نہیں کیا ' بلکہ

جعلوا اصابعهم فی آذانهم ' و استغشوا ثیابهم ' و اصروا ' و استکبروا استکبارا [۷۱ : ۷] کی ساری سنتیں غفلت و انکار کی تازہ کردیں - میں نے تم میں سے ہر گروہ کو ٹٹولا - میں نے دلوں اور روحوں کا ایک ایک گوشہ چھان مارا - جب کبھی کوئی بھیڑ دیکھی ' فریاد کی - جب کبھی انسانوں کو دیکھا اپنی طرف بلایا - لیکن فلم یزد هم دعائی الا فرارا (۷۱ : ٦) بہت کم روحیں ایسی نکلیں جنکو حقیقت کا فہم ہو ' اور بہت کم دل ایسے ملے جو طلب و عشق سے معمور ہوں - یہانتک کہ میں تمھاری آبادیوں سے الگ ہوکر رانچی کے گوشۂ قید و بند میں چلا گیا ' اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں بھی میری صبحیں اور میری شامیں کن فکروں اور کاموں میں بسر ہوتی رہیں - اب میں پھر تم میں واپس آ گیا ہوں - لیکن تمھاری بھیڑوں اور غولوں میں سچی جستجو کا چہرہ اسی طرح مفقود ہے ' جیسا کہ ہمیشہ سے مفقود رہا ہے - ابتک حقیقت شناسی کی کوئی گیرائی تم میں نظر نہیں آتی - تم مجھے بلاتے ہو کہ استقبال سے بھرے ہوے ریلوے اسٹیشنوں پر اتارو ' اور ایسے پرجوش انسانوں کے نعرے سناؤ جنکے ہاتھوں میں فتح مند فوجوں کی طرح جھنڈیاں ہوں ' اور پھر اتنے انسان میری گاڑی کے چاروں طرف اکٹھے کردو کہ انکے ہجوم میں دو چار آدمیوں کا خون ہو جاے ' مگر آہ ! میں تمھاری ان بھیڑوں کو لیکر کیا کروں جب تمھارے دلوں میں سناٹا چھایا ہوا ہے ' اور تمھارے اس جوش استقبال سے مجھے کیا خوشی ہو جب تمھاری روحیں موت کی افسردگی سے مرجھائی ہوئی ہیں - افسوس ! تم میں کوئی نہیں جو میری زبان سمجھتا ہو - تم میں کوئی نہیں جو میرا شناسا ہو - میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تمھارے اس پورے ملک میں میں ایک بے یار و آشنا غریب الوطن ہوں :

من بهر جمعیتے نالاں شدم * جفت خوشحالاں و بد حالاں شدم
هر کسے از ظن خود شد یار من * وز درون من نه جست اسرار من
سر من از نالۂ من دور نیست * لیک کس را گوش آں منظور نیست

میری راہوں میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی ' نہ میرے سفر میں کبھی یمین و یسار کا تذبذب پیش آیا ہے - تبدیلیاں فکروں میں ہوسکتی ہیں '

قیاسوں میں هوسکتي هیں ' پولیٹکل حکمت عملیوں میں هوسکتی هیں ' انسانی تقلید اُسکا سرچشمه هے ' اور انسانوں اور قوموں کا اتباع اسکا منبع ' لیکن اُن عقائد میں کبھی تبدیلی نہیں هوسکتی جو وحی و تنزیل کی اٹل اور دائمی هدایتوں سے ماخوذ هوں - الحمد لله که میں جو کچھه کہتا اور کرتا رها ' وہ میرے عقائد و معلومات تھے ' تمھارے بڑوں کی طرح آراء و مظنونات نه تھے - و ان الظن لا یغني من الحق شیئا (۵۳ : ۴) اُسوقت تم میں سے اکثروں نے اعراض کیا ' بہتوں نے استہزاء کیا ' کتنوں هي نے کہدیا که یه تو ایک طرح کي مذهبی بشارت اور ما فوق الفطرۃ دعوؤں کا اعلان هے : یرید ان یتفضل علینا - بعضوں نے تو فیصله هي کردیا که یه صرف فصاحت و بلاغت کی ساحري اور ایک طرح کي ادیبانه افسونگري هے : اکتتبها فهي تملی علیه بکرۃ و اصیلا (۲۵ : ۷) لیکن دیکھو ! بالاخر رفته رفته سب نے اپني جگھیں چھوڑ دیں - سب اُسي راہ پر چل پڑے - بہتوں نے دانسته ' اور بہتوں نے نادانسته ' مگر راہ سب نے وهي اختیار کی - آج تم سب اُسي " ما فوق الفطرۃ دعوؤں " اور " ساحرانه فصاحت طرازیوں " کو اپنا اصل الاصول بنائے هوے هو ' اور " قیام شریعت " اور " تقدیم و اتباع شریعت " اور " حفظ و دفاع ملت " کے ناموں سے موسوم کرتے هو -

پس جبکه یه پہلا تجربۂ و مشاهدہ تمھارے سامنے هے ' تو آج میں اعلان کرتا هوں که دوسرے تجربه کا وقت آگیا - راہ عمل کیلیے تمھارا رخ وہ هے جسکي طرف تم دوڑ رهے هو - اور میري راہ وہ هے جسکي طرف پچھلے صفحوں میں بلا چکا هوں - تم بارش کے وجود سے انکار تو نہیں کرتے ' مگر منتظر رهتے هو که پاني برسنے لگ جاے تو اقرار کریں ' لیکن میں هواؤں میں پاني کي بو سونگھه لینے کا عادي هوں ' اور صرف بادلوں هي کو دیکھه لینا میرے علم کیلیے کافي هوتا هے - پس اگر پچھلا تجربه بس کرتا هے تو اس سے عبرت پکڑو ' اور اگر ابھی اور انتظار کرنا چاهتے هو تو انتظار کر دیکھو : فستذکرون ما اقول لکم ' و افوض امري الی الله - ان الله بصیر بالعباد (۴۰ : ۴۷)

جدول سنین خلافۃ اسلامیہ

عدد	خلفاء	سنہ ہجری	سنہ مسیحی
۱	ابوبکر الصدیق (رض)	۱۱	۶۳۲
۲	عمر بن الخطاب (رض)	۱۳	۶۳۴
۳	عثمان بن عفان (رض)	۲۳	۶۴۴
۴	علي بن ابي طالب (رض)	۳۵	۶۵۲
	سلسلۂ بنو امیہ		
۵	معاویہ بن ابي سفیان	۴۱	۶۶۱
۶	یزید بن معاویہ	۶۰	۶۸۰
۷	معاویہ بن یزید	۶۴	۶۸۳
۸	مروان بن الحکم	۶۴	۶۸۳
۹	عبد الملک بن مروان	۶۵	۶۸۴
۱۰	الولید بن عبد الملک	۸۶	۷۰۵
۱۱	سلیمان بن عبد الملک	۹۶	۷۱۴
۱۲	عمر بن عبد العزیز	۹۹	۷۱۷
۱۳	یزید بن عبد الملک	۱۰۱	۷۱۹
۱۴	هشام بن عبد الملک	۱۰۵	۷۲۳
۱۵	الولید بن یزید بن عبد الملک	۱۲۵	۷۴۲
۱۶	یزید بن الولید	۱۲۶	۷۴۳
۱۷	ابراهیم بن الولید	۱۲۶	۷۴۳
۱۸	مروان بن محمد بن مروان	۱۲۷	۷۴۴
	سلسلۂ عباسیہ		
۱۹	ابو العباس سفاح	۱۳۲	۷۴۹
۲۰	ابو جعفر منصور	۱۳۷	۷۵۴

۲۱	المہدي بن منصور	۱۵۸	۷۷۴
۲۲	الہادي بن المہدي	۱۶۹	۷۸۵
۲۳	ہارون الرشید بن المہدي	۱۷۰	۷۸۶
۲۴	محمد الامین بن ہارون	۱۹۳	۸۰۸
۲۵	المامون بن ہارون	۱۹۸	۸۱۳
۶۶	المعتصم بن ہارون	۲۱۸	۸۳۳
۲۷	الواثق بن المعتصم	۲۲۷	۸۴۲
۲۸	المتوکل علي الله بن المعتصم	۲۳۲	۸۴۷
۲۹	المستنصر بالله بن المتوکل	۲۴۷	۸۶۱
۳۰	المستعین بالله بن المعتصم	۲۴۸	۸۶۲
۳۱	المعتز بالله بن المتوکل	۲۵۲	۸۶۶
۳۲	المہتدي بالله بن الواثق	۲۵۵	۸۶۹
۳۳	المعتمد بالله بن المتوکل	۶۵۲	۸۷۰
۳۴	المعتضد بالله بن الموفق	۲۷۹	۸۹۲
۳۵	المقتدر بالله بن الموفق	۲۹۵	۹۰۸
۳۶	الراضي بالله بن المقتدر	۳۲۲	۹۳۳
۳۷	المقتفی بالله بن المقتدر	۳۲۹	۹۴۰
۳۸	المستکفی بالله بن المقتفی	۳۳۳	۹۴۴
۳۹	المطیع بالله بن المقتدر	۳۴۳	۹۴۶
۴۰	الطائع لله بن المطیع	۳۶۳	۹۷۴
۴۱	القادر بالله بن المقتدر	۳۸۱	۹۹۱
۴۲	القائم بامر الله بن القادر	۴۲۲	۱۰۳۱
۴۳	المقتدي بالله بن القائم	۴۶۷	۱۰۷۵
۴۴	المستظہر بالله بن المقتدي	۴۸۷	۱۰۹۴
۴۵	المسترشد بالله بن المستظہر	۵۱۲	۱۱۱۸
۴۶	الراشد بن المسترشد	۵۵۹	۱۱۳۶
۴۷	المقتفي بن المستظہر	۵۳۰	۱۱۳۶
۴۸	المستنجد بالله بن المقتفي	۵۵۵	۱۱۶۰
۴۹	المستضئی بنور الله بن المستنجد	۵۶۶	۱۱۸۰
۵۰	الناصر لدین الله بن المستضئی	۵۷۵	۱۱۸۰

۵۱	الظاهر بالله بن الناصر	۶۲۲	۱۲۲۵
۵۲	المستنصر بالله بن الظاهر	۶۲۳	۱۲۲۳
۵۳	المستعصم بالله بن المستنصر	۶۴۰	۱۲۴۳

عباسیۂ مصر

۵۴	المستنصر بالله	۶۵۶	۱۲۵۸
۵۵	الحاکم بامر الله	۶۶۱	۱۲۶۲
۵۶	المستکفي با لله	۷۰۱	۱۳۰۱
۵۷	الواثق با لله	۷۴۰	۱۳۳۹
۵۸	الحاکم بامر الله	۷۴۲	۱۳۴۱
۵۹	المعتضد با لله	۷۵۳	۱۳۵۲
۶۰	المتوکل علی الله	۷۶۳	۱۳۶۱
۶۱	الواثق بالله	۷۸۵	۱۳۸۳
۶۲	المستعین با لله	۸۰۸	۱۴۰۱
۶۳	المعتضد با لله	۸۱۵	۱۴۱۲
۶۴	المستکفي با لله	۸۴۰	۱۴۴۱
۶۵	القائم بامر الله	۸۵۴	۱۴۵۰
۶۶	المستنجد با لله	۸۵۹	۱۴۵۴
۶۷	المتوکل علی الله	۸۸۴	۱۴۷۹
۶۸	المستمسک با لله	۹۰۳	۱۴۹۷
۶۹	المتوکل علی الله	۹۱۲	۱۵۰۶

سلسلۂ عثمانیہ

۷۰	سلیم خان اول	۹۲۳	۱۵۱۷
۷۱	سلیمان اول	۹۲۶	۱۵۲۰
۷۲	سلیم ثاني	۹۷۴	۱۵۶۶
۷۳	مراد ثالث	۹۵۲	۱۵۷۴
۷۴	محمد ثالث	۱۰۰۴	۱۵۹۶
۷۵	احمد اول	۱۰۱۲	۱۶۰۴
۷۶	مصطفی اول	۱۰۲۷	۱۶۱۸
۷۷	عثمان ثاني	۱۰۲۷	۱۶۱۸

۷۸	مراد رابع	۱۰۳۲	۱۶۲۳
۷۹	ابراهیم اول	۱۰۴۹	۱۶۴۰
۸۰	محمد رابع	۱۰۵۳	۱۶۷۴
۸۱	سلیمان ثانی	۱۰۹۹	۱۶۸۷
۸۲	احمد ثانی	۱۱۰۲	۱۶۹۱
۸۳	مصطفی ثانی	۱۱۰۶	۱۶۹۵
۸۴	احمد ثالث	۱۱۱۵	۱۷۰۳
۸۵	محمود اول	۱۱۴۲	۱۷۳۰
۸۶	عثمان ثالث	۱۱۲۸	۱۷۵۴
۸۷	مصطفی ثالث	۱۱۷۱	۱۷۵۷
۸۸	عبد المجید اول	۱۱۸۷	۱۷۷۴
۸۹	سلیم ثالث	۱۲۰۳	۱۷۸۹
۹۰	مصطفی رابع	۱۲۲۲	۱۸۰۷
۹۱	محمود ثانی	۱۲۲۳	۱۸۰۸
۹۲	عبد المجید	۱۲۵۵	۱۸۳۹
۹۳	عبد العزیز	۱۲۷۷	۱۸۶۱
۹۴	مراد خامس	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۵	عبد الحمید ثانی	۱۲۹۳	۱۸۷۶
۹۶	محمد خامس	۱۳۲۴	۱۹۰۸
۹۷	امیر المومنین السلطان محمد خان سادس - خلدالله ملکه و شوکته	۱۳۳۶	۱۹۱۸

۲

مواعید و عہود

اس کتاب میں گورنمنٹ انگلستان و ہند کے جن وعدوں اور سرکاری اعلانات کی طرف جا بجا اشارہ کیا گیا ہے، اُن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کا اعلان جو ترکی کے شامل جنگ ہونے کے بعد ۲ - نومبر سنہ ۱۹۱۴ع کو شائع ہوا:

برطانیہ عظمی اور ترکی میں جنگ چھڑ گئی ہے - برطانیہ کو اسکا سخت افسوس ہے کہ یہ برے مشورے سے اور بلا کسی اشتعال کے اور خوب سونچ سمجھہ کر دولت عثمانیہ کی طرف سے عمل میں آئی ہے - لہذا ہز ایکسلنسی وایسرائے ہند ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کے حکم کے مطابق عرب کے مقامات مقدسہ کے بارے میں جن میں عراق کے متبرک مقامات اور بندرگاہ جدہ بھی شامل ہے، مندرجہ ذیل اعلان کرتے ہیں تا کہ ہز مجسٹی کی نہایت وفادار مسلم رعایا کو غلط فہمی پیدا نہو - اس جنگ میں مذہبی جنگ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے -

ان مقامات مقدسہ اور بندرگاہ جدہ پر برطانی بری و بحری طاقتوں سے کبھی حملہ نہ ہوگا، نہ ان کو ستایا جائیگا جب تک کہ حجاج و زائرین ہند سے جو ان مقامات مقدسہ میں جائیں، کوئی چھیڑ نہ کی جاے - ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کی استدعا پر گورنمنٹ فرانس و روس نے بھی اسی طرح کا یقین دلایا ہے -

(۲) ۵ - جنوري سنه ۱۹۱۸ - کو مسٹر لائڈ جارج وزیر اعظم انگلستان نے اپني مشہور تقریر میں کہا :

" هم اسلیے جنگ نہیں کر رهے هیں که ترکی کو اس کے دارالخلافة سے محروم کردیں - یا ایشیاے کوچک اور تھریس کے زرخیز و شہرۂ آفاق علاقے لے لیں جن میں ترکي النسل آبادي کا جزء غالب هے -

هم اس بات کے بھی مخالف نہیں که جن علاقوں میں ترکي نژاد آبادي هے ' وهاں ترکوں کی سلطنت قایم رهے ' یا قسطنطنیه اس کا پایه حکومت هو - البته بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راسته کو بین الاقوامی ضبط و نگراني میں لانے کے بعد هماری راے میں عرب ' آرمینیا ' عراق ' شام ' اور فلسطین اپنی اپنی جداگانه قومي حکومتوں کے مستحق هیں "

وزیر اعظم نے یه جو کچھه کہا تھا ؟ کیا محض انکی ذاتی راے تھي جسکی ذمه داری صرف اُنپر عائد هوتي هے ' یا برطانیه کا سرکاری اعلان تھا ؟ اور اگر سرکاري اعلان تھا تو صرف وزارت اور اُسکي گورنمنٹ کا تھا ' یا تمام برٹش قوم اور امپائر کا ؟ اسکا جواب اُس تمہید سے ملتا هے جو اس تقریر کے ابتدا میں موجود هے :

" اس تمام بحث و گفتگو کے بعد جو قلمرو کے مختلف الخیال اور مختلف الراے طبقوں کے نمایندوں کے ساتھه هوئي هے ' میں خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا هوں که آج میں جو کلمات کہونگا ' اُنکے لیے گو تنہا حکومت هي ذمه دار هوگی ' مگر همارے جنگی مقاصد ' شرائط صلح کي نوعیت ' اور اُسکي غرض و غایت کے متعلق میرے جو بیانات آپ سے اور آپکي معــــرفت تمام دنیا سے هونگے ' اُنسے تمام قوم متحد و متفق هے - میں دلیري کے ساتھه اس بات کا دعوی کرسکتا هوں که میں صرف گورنمنٹ کے ما في الضمیر هی کي نہیں بلکه تمام قوم اور تمام قلمرو کي بحیثیت مجموعی ترجماني کر رها هوں "

پھر ۲۶ - فروري سنه ۱۹۲۰ کو هارس اف کامنز میں تقریر کرتے هوے اسی اعلان کي نسبت وزیر اعظم کہتے هیں :

" همارا وہ اعلان بہت وسیع المعني تھا ' اور بہت کچھہ سونچ سمجھکر کیا گیا تھا - تمام جماعتوں کي مرضي کے مطابق تھا - مزدوروں کي جماعت بھي اُس سے متفق تھي "

(۳) پریسیڈنت امریکہ مسٹر ولسن نے ۸ - جنوری سنه ۱۹۱۸ - کو چودہ شرطوں کا اعلان کیا تھا جو بہ اتفاق فریقین صلح کیلیے بنیادي شرطیں قرار پائي تھیں - اُن میں بارھویں شرط یہ تھي :-

" موجودہ سلطنت عثماني میں ترکي کا جو حصہ ھے ' اُسکو یقین دلایا جائیگا کہ اس کي وہ سلطنت محفوظ رهیگي - لیکن دوسری اقوام جو سلطنت ترکي کے زیر حکومت هیں ' اُنکو بھي اسکا اطمینان دلادیا جاے کہ اُنکي جان و مال محفوظ ھے ' اور اُنکي ترقي میں کوئی رکاوٹ نہ هوگي "

ایفـــاء عہـــد

یہ وعدے جس طرح پورے کیے گئے ' اُنکي مختصر تفصیل یہ ھے :

(۱) گورنمنٹ هند نے عراق پر حملہ کیا جس کا بڑا حصہ جزیرۂ عرب کے مقدس حدود میں داخل ھے -

(۲) ۲۹ - نومبر سنه ۱۹۱۴ - کو بصـــرہ پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي بندرگاہ اور زیارت گاہ ھے -

(۳) - ۲۲ - نومبر سنه ۱۹۱۵ - کو عراق کی مشہور زیارت گاہ سلمان پاک پر حملہ کیا گیا جہاں حضرت سلمان فارسي (رض) کا مزار ھے -

(۴) مارچ سنه ۱۹۱۷ - کو بغداد پر قبضہ کیا گیا جو عراق کي مشہور زیارت گاہ ھے -

(۵) ۹ - ڈسمبر سنه ۱۹۱۷ - کو بیت المقدس میں برطاني فوجیں داخل هوئیں اور انگریزي قبضہ کا اعلان کیا گیا ' جو اسلام کي مقدس زیارت گاہ اور تین مقدس مقامات میں سے ایک ھے -

(۶) ۵ - جون سنه ۱۹۱۶ - کو خاص سر زمین حجاز میں سازش کي گئي اور شریف مکه سے بغاوت کرائي گئي - اس بغاوت کي وجه سے اس محترم دارالامن میں کشت و خون کا بازار گرم هوا اور حدود حرم میں گوله باري هوئي -

(۷) حسب تصریح نامه نگار لندن ٹائمس بندرگاه جده پر گوله باری کي گئی -

(۸) میجر راس کے هوائي جهاز نے عین مدینهٔ طیبه کي فضا میں چکر لگاے (جیسا که ڈاکٹر هاگرتهه نے فروري سنه ۱۹۲۰ - کو ٹاؤن هال اکسفورڈ کي تقریر میں بیان کیا)

(۹) کوفه ' کربلاے معلی ' نجف اشرف پر قبضه کیا گیا جو عراق کي مشهور زیارت گاهیں هیں -

(۱۰) ترکي کو تهریس کے کل علاقه سے مع ایڈریا نوپل کے محروم کردیا گیا جهاں مسلمانوں کي سب سے زیاده آبادي هے -

(۱۱) صلح نامه ترکی کي دفعه ۳۶ کے مطابق ترکي سے اس کے دار السلطنت کي خود مختارانه فرمان روائي بهي سلب کرلي گئي اور اس پر طرح طرح کي پابندیاں عائد کردي هیں -

(۱۲) سمرنا جو ایشیاء کوچک کا مشهور زر خیز مقام هے ' ترکي سے علحده کردیا گیا - وهاں کي مسلمان آبادي پر یونانیوں نے اس قدر ظلم و ستم کیے که بے شمار جانیں هلاک و تباه هوگئیں اور هو رهی هیں -

(۱۳) صلح نامه کي شرائط نے بقیه ایشیاء کوچک کے مالي اور هر طرح کے فوجي اختیارات کي خود مختاري سے بهی ترکي کو محروم کردیا هے - وه ایک محدود تعداد سے زیاده فوج نهیں رکهه سکتي - چند چهوٹے جنگي جهازوں کے علاوه کوئی بحري قوت حاصل نهیں کرسکتي - اپني عیسائي رعایا پر اسے کوئي اختیار نهیں رها - اس کي حیثیت بالکل ایک ماتحت ریاست کی سی هوگئي هے جو براے نام پادشاهت سے ملقب کردي گئي هو -

(۱۴) صلح نامه کي دفعه ۳۹ - کے بموجب سلطان المعظم کے وه تمام دیني و اسلامي اختیارات سلب کر لیے گیے هیں جو بحیثیت خلیفة المسلمین انهیں حاصل تهے ' اور جن کے الگ کردینے کے بعد خلافت کا وجود هی باقي نهیں رهتا - اس دفعه کا منشاء یه هے که :

" حکومت ترکي اپنے اُن تمام اختیارات سے
جو حکم برداري کے یا دوسري طرح کے مسلمانوں پر
رکھتي ھے ' بالکل دست بردار ھوتی ھے "
" ترکي بلا واسطه یا بالواسطه کسي طرح کے اختیارات
اُن ممالک پرنه رکھیگي جو ترکی سے علحدہ ھوگئے ھیں "

حالانکه شرعاً منصب خلافت کے معني هي یه ھیں که تمام دنیا کے مسلمانوں اور تمام دنیا کي اسلامی حکومتوں پر اسکو ایک بالا تر اختیار حاصل ھو ' اور وہ تمام اسلامي دنیا میں ایک مرکزی اسلامي اقتدار کي حیثیت رکھے - لیکن اس دفعه نے ترکي کو ان تمام اختیارات خلافت سے محروم کردیا ' اور اسلامي خلافت اپنے کامل معنوں میں پارہ پارہ ھوگئی -

(۱۵) شام کو ترکي سے الگ کرکے آزادي نہیں دی گئي بلکه فرانس کي حکم برداری و بالادستي ماننے پر مجبور کیا گیا - شام کي تمام آبادی انسانیت و صداقت عہد کے نام پر فریاد کرتي رھي اور فرانس کي فوجوں نے اُس پر جبراً قبضه کرلیا -

(۱۶) عراق کی آبادي کو خود مختاری و آزادی نہیں دی گئی بلکه برطانیه نے اُسکی حکم برداری کا دعوی کیا اور اُسپر اپنا قبضه قائم رکھا - وھاں کی آبادی ایفاے عہد کا مطالبه کرتے کرتے مایوس ھوگئی اور اب بزور شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اُٹھه کھڑی ھوئی ھے - اب اُنکو "باغی" کہا جارھا ھے - حالانکه اگر برطانیه کے اعلانات سچے تھے ' اور اسکی فوجیں " رعایا " بنانے کے لیے نہیں بلکه آزاد کرانے کیلیے گئی تھیں ' تو وہ " باغی " کیونکر ھوسکتے ھیں ؟ بغاوت کا اطلاق رعایا کی شورش پر ھوتا ھے - نه که کسی آزاد جماعت کی شمشیر زنی پر -

(۱۷) یه تمام نتائج صلح نامه ترکی کے ھیں - لیکن قبل اسکے که ترکی اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھه صلح کرے ' برٹش فوجوں نے دار الخلافت قسطنطنیه پر قبضه کرلیا ' اور خلیفة المسلمین کی حیثیت بالکل ایک نظربند قیدي کی سی ھوگئی - اس قبضه کی وجه سے اسلام کے دار الخلافت میں جو درد انگیز واقعات و حوادث پیش آے ' اور عثمانی خلافت عظمی کی متصل پانچ صدیوں میں پہلی مرتبه جو توھین ھوئی ' اُسکی تفصیل کا یه موقعه نہیں - یه وہ سلوک ھے جو نه تو جرمنی کے ساتھه کیا گیا ' نه آسٹریا کے ساتھه ' اور نه کسی دوسرے فریق جنگ کے ساتھه -

اعتذار

براہ عنایت پہلے ان اغلاط کی تصحیح کرلیں ' پھر مطالعہ فرمائیں -

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۴	وغیرہ ذلک	وغیر ذلک
۵	۱۳	خلفہ	خلیفہ
۱۱	۱۰	الامرء	الامر
۱۸	۲۲	فکر و نظر	فکر و نظر سے
۱۹	۳	ھر دور	ھر دور
۲۵	۹	پس جو شخص	جو شخص
۳۳	۱۹	قوتوں کے	قوتوں کو
۳۶	۱۵	سمجھتے	سمجھتے ھو
۳۸	۲۴	Selectian	Selection
۷۱	۱۰	عدارت	عدارت
۷۲	۲۸	گئے	گئے تھے
۸۲	۲۵	تویہ	توبہ
۱۲۳	۱۲	Couflict	Conflict
"	"	Religiuon	Religion
"	۱۳	Seince	Science
"	۲۰	Dalambcrt	Dalembert
۱۵۰	۲۵	کی کو جرأت	کي جرأت
۱۰۸	۷	روایت	رأیت
۱۵۲	۳	میں میں	میں
۱۶۲	۱۰	چلي	چلپی
۱۶۳	۴	جو حصول	کہ حصول
"	۶	فراموش	یکقلم فراموش
"	۸	ارر	ارر
"	۹	نہیں رھا	نہ رھا
"	۱۹	یکفی	یکفي

۱۹۵		ہے ہوتا	
۱۶۹		ہوئی	ہوں
		دریا	دریا
		Wustenfeld	Westenfeild
۱۸۸	۲۸	کے لئے	کیلیے
۱۹۹	۱۵	سطانا	سلطانا
۲۰۰	۸	معجم	معجمہ

FRANCE ... NOT TO BE ISSUED

(۱) صفحہ ۳۲ - سطر ۲۷ میں " هجرة " کے معني " الهجر و الهجران مفارقة الانسان غيره " الخ نقل کیے هیں - یه عبارت مفردات راغب اصفهاني کی هے -

(۲) صفحه ۶۸ میں هے " فصل : من حمل علینا السلاح فلیس منا " در اصل یه فصل نہیں بلکه ایک مستقل باب هے - صحیح یوں هے " باب : حکم حمل سلاح علي المسلم " پھر اسکے بعد اس باب کي پہلی فصل هے " من حمل علینا " الخ -

(۳) صفحه ۸۶ میں فصل هے " واقعه امام حسین علیه السلام " اسکو باب حمل سلاح سے پہلے پڑھنا چاهیے - غلطي سے اسکے بعد درج هوگئی -

(۴) صفحه ۲۱ سطر ۴ - میں حدیث هے " اذا اصلحت ' صلحت کلها ' و اذا فسدت ' فسدت کلها " لیکن امام بخاري کے الفاظ یه هیں " اذا صلحت ' صلحت الجسد کله ' و اذا فسدت ' فسدت الجسد کله - الا ' و هي القلب ! "

(۵) صفحه ۲۱۵ سلسله عباسیه کے جدول سنین میں نمبر ۳۳ کا سنه هجری ۶۵۴ کے بجاے ۶۵۶ - نمبر ۳۶ کا سنه هجري ۵۵۹ کے بجاے ۵۲۹ اور سنه مسیحي ۱۱۳۶ کے بجاے ۱۱۳۵ - اور نمبر ۳۹ میں سنه مسیحي ۱۱۸۰ کے بجاے ۱۱۷۰ پڑھیے -
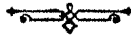
Printed and published by F. D. Ahmed Mirza
at the "Albalagh" printing & publishing House
45, Ripon Lane, Calcutta.

(2nd Edition, October 1920)